دینی مدارس کا نظامِ تعلیم

اور جدید تعلیمی اِنقلاب

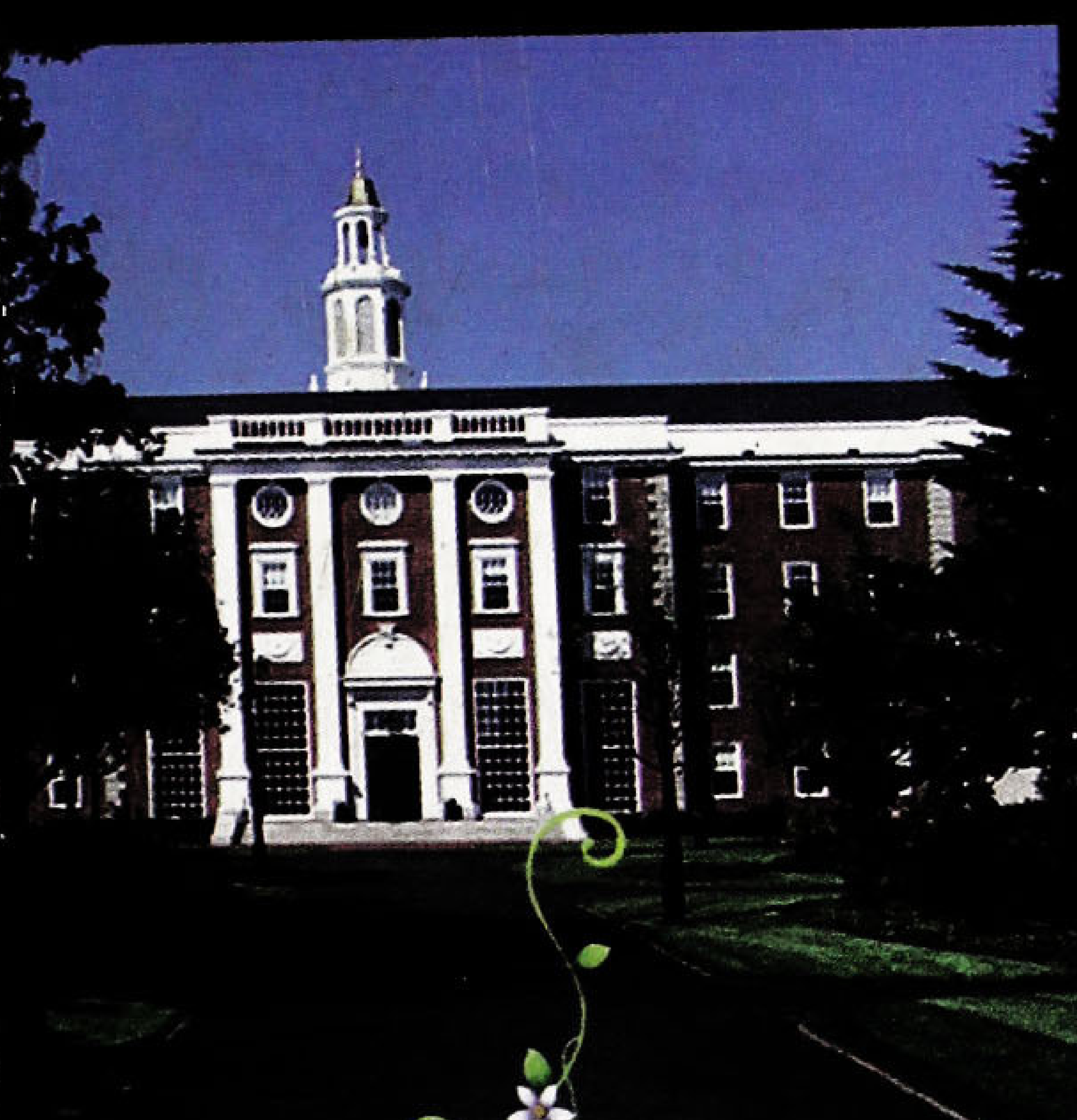

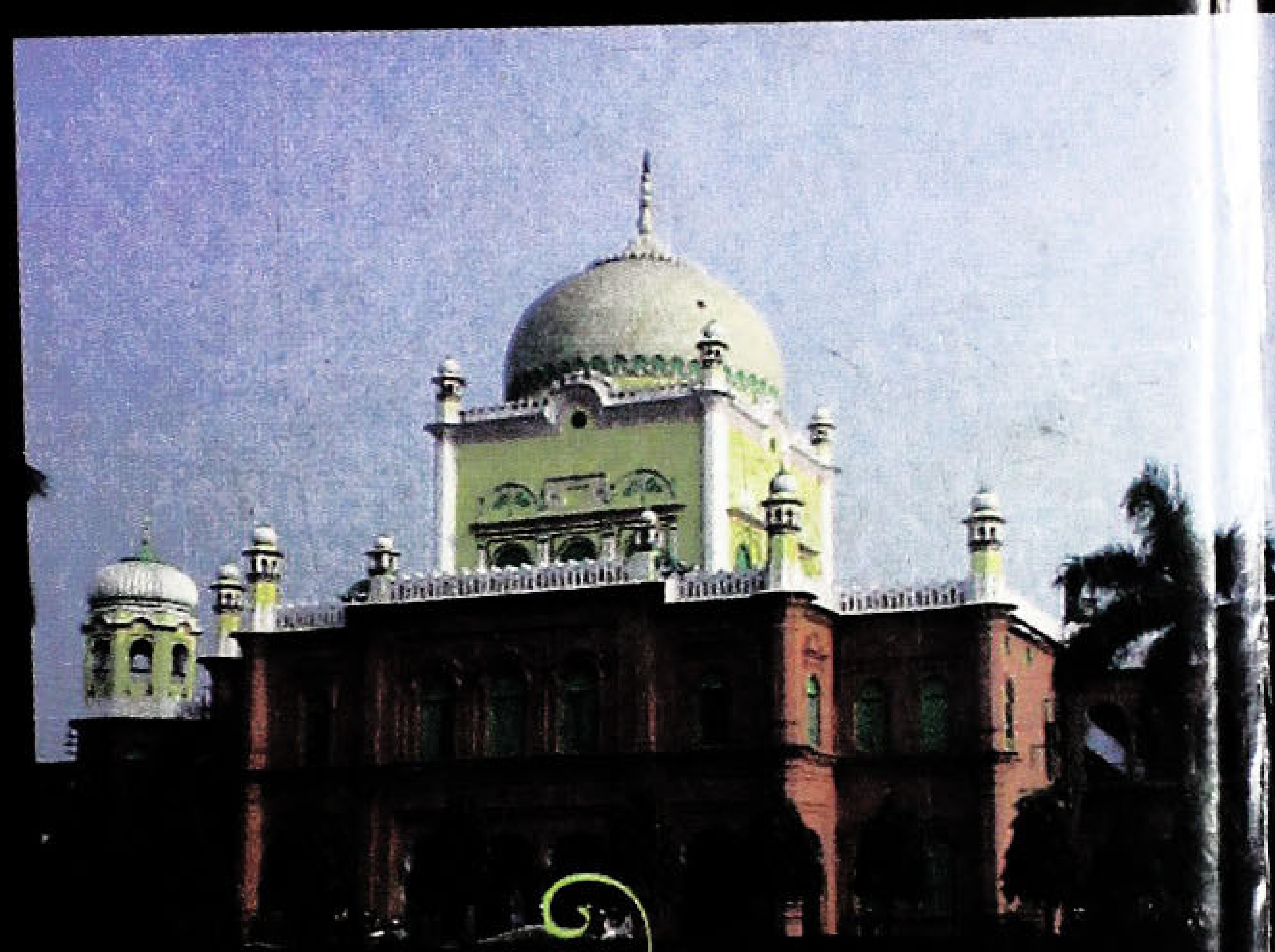

تالیف:

محمد عرفان ندیم

المشرق

7

Marfat.com

دینی مدارس کا نظامِ تعلیم

اور جدید تعلیمی انقلاب

تالیف

محمد عرفان ندیم

المشرق للنشر والتوزیع

اُردو بازار لاہور، پاکستان

Marfat.com

299-07

7380

1151/۳۲۸

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب --------- دینی مدارس کا نظام تعلیم اور جدید تعلیمی انقلاب

تالیف ---------- محمد عرفان ندیم 0345-4662910

ناشر.---------- المشرق للنشر والتوزیع

طابع ---------- حاجی منیر اینڈ سنز

قانونی مشیر.-------- سید علی نواز (بارایٹ لاء ایڈووکیٹ، سپریم کورٹ)

بااہتمام.---------- محمد طارق جاوید (0321-2565051)

ملنے کا پتہ

مکتبہ انعامیہ قاسم سنٹر اردو بازار، کراچی

مکتبۃ القرآن بنوری ٹاؤن، کراچی

مکتبہ السعید شاہ فیصل کالونی، کراچی

ادارۃ انور، بنوری ٹاؤن، کراچی

ادارۃ رشید بنوری ٹاؤن، کراچی

مکتبہ صدیقیہ، رائے ونڈ

مکتبہ حبیبیہ بر جی چوک، جھنگ

رضوان خوشبو اسلامی کیسٹ، تبلیغ مرکز مانسہرہ

مکتبہ امینیہ، ہری پور

مکتبہ امدادیہ، ہری پور

دار الکتاب یوسف مارکیٹ اردو بازار، لاہور

المشرق للنشر والتوزیع

اُردو بازار لاہور، پاکستان

Marfat.com

دینی مدارس کا نظام تعلیم
اور جدید تعلیمی انقلاب

تالیف
محمد عرفان ندیم

Marfat.com

انتساب

اپنے محترم ومکرم اور شفیق ومہربان اساتذہ اور والدین کے نام جن کی دعاؤں، محنتوں اور کوششوں نے اس ناچیز کو اس قابل بنایا کہ وہ اپنے وقت اور اپنی صلاحیتوں کو دین اسلام کی سربلندی کے لیے خرچ کر سکے۔

اور

ہر اس شخصیت کے نام جو موجودہ پرفتن دور میں اپنی خواہشات اور دنیا کی رنگینیوں کو چھوڑ کر طاغوتی طاقتوں کے خلاف سینہ سپر اور عالمِ اسلام کی اصلاح وترقی کے لئے کوشاں اور پرعزم ہے۔

Marfat.com

دینی مدارس کے اساتذہ اور طلباء کیلئے نہایت مفید اور کارآمد کتاب!

دینی مدارس کا نظامِ تعلیم
اور جدید تعلیمی انقلاب

جس کے اندر عناصر تعلیم، تعلیم کا مفہوم، جدید طریقہ تدریس، اساتذہ کیلئے تربیتی کورس، طلباء کے انفرادی اختلافات، عملِ تعلیم میں معلّم کا کردار، جدید تعلیمی نفسیات، حفظ کے طلباء کی بہتری کیلئے اقدامات، حفظ کے اساتذہ کیلئے رہنما اصول، نظریہ سزا، تعلیمی محرکات، مناہج تدریس، مقاصد تعلیم، نصاب سازی کے اصول، نصاب کی تقسیم کا طریقہ کار، نصاب کے بنیادی اجزاء اور اس کے علاوہ دینی مدارس کے نظامِ تعلیم کو جدید خطوط پر استوار کرنے کیلئے ماہرین کی آراء، عصری اداروں کے تجربات اور جدید تعلیمی انقلابات کا نچوڑ اس کتاب کے اندر سمودیا گیا ہے۔

محمد عرفان ندیم

Marfat.com

نقشِ آغاز۔۔۔چھوٹا منہ بڑی بات!

اس کتاب کی تألیف کا محرک نہ خود کو مصنفین کی صف میں شمار کرنے کا شوق ہے اور نہ ہی کسی سے مسابقت مدِ نظر ہے بلکہ یہ تو اکابر علماءِ حق کی صحبت میں بیٹھنے کا اثر، دینِ اسلام کی سربلندی کی فکر، اپنے ہمسفروں اور ہمکتبوں کو معاشرتی مطابقت پیدا کرنے کی دعوت اور کفر کی فکری ونظریاتی یلغار کو دیکھ کر دل میں پیدا ہونے والے وہ احساسات و جذبات ہیں جو ہر صاحب دل مسلمان کی طرح راقم کو بھی بے چین کیئے رکھتے ہیں۔ راقم تو ابھی طفل مکتب ہے بلکہ ابھی تو مکتب جانے کا راستہ ڈھونڈ رہا ہے اس لیے کوتاہِ عمری اور پست خیالی کے باعث جذبات کے طوفان میں بہہ کر بعض جگہوں پر حدود سے تجاوز کر گیا ہے۔ اس لئے ان مقامات کو اکابرین کے اجتماعی مؤقف سے انحراف نہیں بلکہ راقم کی کوتاہ بینی تصور کیجئے کیونکہ چہ پدی چہ پدی کا شوربہ؟ کہاں یہ خاک اور کہاں اکابرین کی ذاتِ پاک۔ راقم تو اس فقرے ''چھوٹا منہ بڑی بات'' کا مصداق ہے، ہاں بعض اوقات چھوٹے منہ سے بھی بڑی بات نکل جایا کرتی ہے اور بسا اوقات بچے کا تیر بھی غلطی سے نشانے پر لگ جایا کرتا ہے اس لئے اگر ایسا ہو جائے تو زہے نصیب۔

یہ دینِ اسلام کی تعلیم بھی ہے اور آفاقی فطری تقاضا بھی کہ اگر چھوٹے غلطی کریں تو انہیں لعن طعن کرنے اور تنقید و تحقیر کا نشانہ بنانے کی بجائے ان کی غلطیوں کی نشاندہی اور ان کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے، اس لیے راقم بھی اپنے بڑوں سے اسی طرح کے ''ممکنہ ردعمل'' کی توقع رکھتا اور ان کی دعاؤں کا محتاج ہے۔

العبد الضعیف والحقیر

محمد عرفان ندیم

15-06-2012

Marfat.com

تقریظ

حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہٗ

نحمدهٗ و نصلی و نسلم علی رسوله الكريم و علیٰ اله واصحابه و اتباعه اجمعين

''دینی مدارس کا نظام تعلیم اور جدید تعلیمی انقلاب'' کے عنوان سے محمد عرفان ندیم صاحب کی نگارشات پر ایک نظر ڈالنے کا موقع ملا، انہوں نے عصر حاضر کے ضروری تقاضوں کے حوالہ سے دینی مدارس کے تعلیمی نظام ونصاب میں ضروری ترامیم اور تبدیلیوں کے بارے میں اپنے مخلصانہ جذبات کے اظہار کے ساتھ ساتھ بہت سی معلومات جمع کر دی ہیں اور اکابر اہل حق کے مشاہدات وتاثرات اور فرمودات ورائے دات کا بھی اکثر جگہ حوالہ دیا ہے جن سے راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ دینی مدارس کے نظام ونصاب کو زیادہ سے زیادہ بہتر اور مؤثر بنانے کی کوششیں ایک عرصہ سے ہو رہی ہیں، اب بھی جاری ہیں اور آئندہ بھی ہوتی رہیں گی اس لیے محمد عرفان ندیم صاحب کی یہ کوشش بھی قابلِ قدر ہے۔

دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت ان کی اس کاوش کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے راہنمائی کا ذریعہ بنائیں اور انہیں دارین میں جزائے خیر سے نوازیں۔

امین یارب العالمین

ابوعمار زاہد الراشدی

خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ

Marfat.com

تقریظ

سید عدنان کاکاخیل

عزیزم محمد عرفان ندیم نے زیرِ نظر کتاب پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی ہے۔ان کی اس ضخیم تالیف کو پڑھنے کا موقع تو نہ مل سکا مگر موصوف کے خیالات سن کر خوشی ہوئی۔ماشاءاللہ فکر مند نوجوان ہیں، ہمارے ہاں جامعۃ الرشید میں طالب علمی کر چکے ہیں۔رسائل و جرائد میں فکر انگیز مضامین تحریر کرتے رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو سند قبولیت عطا فرما کرامت کے لیے نافع بنا دیں۔آمین

سید عدنان کاکاخیل
استاذ: جامعۃ الرشید

Marfat.com

تقریظ

مولانا عبدالرؤف فاروقی صاحب

نوعمر قلمکار محمد عرفان ندیم کی تالیف ''دینی مدارس کا نظامِ تعلیم اور جدید تعلیمی انقلاب'' ایک جامع اور معلومات افزاء کوشش ہے۔ اس سے جدید تعلیمی انقلاب میں بہت سی معاونت لی جاسکتی ہے۔

دینی مدارس کے نظام تعلیم کی ایک مقدس تاریخ ہے اور اسی تقدس پر پورے نظام تعلیم کی خوبصورت قلعہ نما عمارت کھڑی ہے۔ نصاب، طریقۂ تدریس، مقصد اور نتائج اس کے ستون ہیں اور ہر ایک ستون اتنی مضبوط بنیاد پر استوار ہے کہ گردشِ زمانہ اور مخالفت کے طوفان اس پر اثر انداز نہیں ہو سکے۔ دینی مدارس عام معنوں میں محض کتابی مضامین کی تدریس کی درسگاہیں نہیں بلکہ اخلاقی و روحانی تربیت کے مراکز ہیں جہاں کتابی مضامین کو طلبہ کی روح میں اتارا جاتا ہے اور اس طرح علم طلبہ کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرنے لگتا ہے۔

تعلیم و تدریس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اس کے تمام گوشوں اور پہلوؤں پر بے پناہ بحث ہو چکی ہے۔ اس سب کچھ کو حتی الامکان یکجا کرنے اور اس پر ماہرین و مفکرین کی ایک جماعت کو مل بیٹھ کر نتائج اخذ کرنے اور پھر انہیں ملت کے سامنے لانے کی ضرورت ہے تاکہ تمام درسگاہوں میں اس ریاضت سے استفادہ کیا جائے۔

عزیز مکرم حافظ محمد عرفان ندیم نے اس مقصد کے لیے اپنی تالیف کے ذریعہ ایک بنیاد فراہم کی ہے اور ان کی اس کاوش پر وہ مبارک کے مستحق ہیں۔ ہر دور کی طرح اس وقت کی بھی یہ ضرورت ہے جس کا انتظار تھا اور انہوں نے اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس پر انہیں ظاہر ہے کہ بڑے مشکل مراحل سے گزرنا پڑا ہے لیکن ان مشکل مراحل سے

Marfat.com

گزر کر اس سلسلہ کی ایک قابلِ قدر تالیف انہوں نے دینی مدارس کے سامنے پیش کی ہے۔

میں ''مرکز تحقیق اسلامی'' کی طرف سے ان کی اس کوشش کی تحسین کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے قبولیت سے نوازیں اور درسگاہوں کے نظم میں اسے استفادے کے قابل بنائیں۔

عبدالرؤف فاروقی
منتظم اعلیٰ مرکز تحقیق اسلامی
مدیر مسئول ماہنامہ مکالمہ بین المذاہب، لاہور

Marfat.com

Farooq Mulla Sh

I was very happy to see the book, "Deeni Madaris" by M. Irfan Nadeem. This book is very inspiring and as I am also involved in Education + Training, therefore I also hope to benefit from it.

May Allah accept this work and make it a source of guidance for all.

Farooq Mullah

UK

Marfat.com

تقریظ

حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب مدظلہٗ

الحمد للّٰہ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

برادر عزیز محمد عرفان ندیم سلمہٗ کی تالیف ''دینی مدارس کا نظامِ تعلیم اور جدید تعلیمی انقلاب'' کا مسودہ جزوی طور پر بندہ کی نظر سے گزرا، ان کا ازراہِ محبت اصرار ہے کہ میں اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کروں۔ موضوع نہایت اہم اور نازک ہے اور اس پر قلم اٹھانے کیلئے وسیع علم، تدریسی تجربہ اور دوراندیشی کی ضرورت ہے۔ تاہم راقم السطور مسودہ کے جتنے حصے کا مطالعہ کرسکا اس سے یہی عیاں ہوا کہ فاضل مؤلف نے اس کیلئے نہایت محنت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ بالخصوص جس باب میں اساتذہ کرام کے اپنے طلباء کے ساتھ اخلاص و محبت، شفقت و خیر خواہی، تواضع و عاجزی اور خدمت کے ایمان افروز واقعات ذکر کیے گئے وہ نہایت پرتاثیر اور سبق آموز ہیں۔ یہ زیادہ تر ہمارے ان اسلام کے واقعات ہیں جنھیں ہم نے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے مگر اب بالعموم اس اخلاص و خیر خواہی میں کمی نظر آتی ہے۔ اس کتاب کو پسند کرنے والوں اور تقریظ لکھنے والوں میں مولانا زاہد الراشدی صاحب، حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم اشرفی صاحب اور حضرت مولانا عبدالرؤف فاروقی زید مجدہم کے اسماء گرامی شامل ہیں۔ بندہ بھی ان حضرات کی توثیق و تحسین کی تائید کرتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اسے طلباء و اساتذہ اور جملہ مسلمانوں کیلئے باعثِ خیر و برکت بنائے۔

محمد حنیف جالندھری

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۱۷/ ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ، 16 اکتوبر 2011ء

Marfat.com

تقریظ

حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم اشرفی صاحب مدظلہٗ

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

عزیزم محمد عرفان ندیم نے اپنی تالیف ''دینی مدارس کا نظامِ تعلیم اور جدید تعلیمی انقلاب'' میرے سامنے پیش کی۔ بالاستیعاب تو نہ دیکھ سکا البتہ بعض مقامات پر نظر دوڑائی موصوف نے دینی مدارس کی بہتری، مدارس کا نصاب و نظام اور مدارس کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیئے اپنی مخلصانہ آراء، مفکرین کے تجرباتِ اور اکابرین کے حوالہ جات دیئے ہیں۔ میرے اربابِ مدارس اور تمام مسلمانوں سے درخواست ہے کہ اس کتاب کے اندر بیان کردہ مثبت پہلوؤں پر سنجیدگی سے غور کیا جائے اور اگر واقعتاً کوئی خامی ہمارے اداروں میں پائی جاتی ہے اس کو ٹھنڈے دل و دماغ سے قبول کر کے اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ بلاشبہ ہمارے ہاں کچھ خامیاں موجود ہیں جن کی اصلاح بہر حال ہونی چاہیے۔

میں موصوف کیلئے دلی طور پر دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی اِس محنت کو قبول فرمائے اور دینِ اسلام کی خدمت کیلئے قبول فرما کر اچھا سے اچھا لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حافظ فضل الرحیم اشرفی

نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور

05-05-2012

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
۱	مقدمہ	۱۰
۲	تعلیم کی ثنویت سب سے اہم مسئلہ	۱۴
۳	اساتذہ کے لیئے تربیتی کورس کی ضرورت واہمیت	۱۹
۴	جدید تدریسی مواد کی ضرورت واہمیت	۲۱
۵	عصرِ حاضر میں معاشرتی تقاضے کیا ہیں؟	۲۳
۶	ہمدردی یا منافقت	۳۰
۷	یہ کیسی تڑپ اور کیسی حکمتِ عملی ہے	۳۳
۸	**حصہ اوّل** ابتدائی (حفظ کے) طلباء کی بنیادی ضروریات	۳۵
۹	بنیادی ضروریات کی اقسام	۳۶
۱۰	طبعی یا جسمانی ضروریات	۳۶
۱۱	معاشرتی ضروریات	۳۷
۱۲	نفسیاتی ضروریات	۳۸
۱۳	جمالیاتی ضروریات	۴۱
۱۴	بنیادی ضروریات کی تعلیمی اہمیت	۴۲
۱۵	طلباء کی نشو ونما	۴۳
۱۶	عہدِ طفولیت	۴۳

Marfat.com

۱۷	عہدِ بچپن	۴۵
۱۸	عہدِ بلوغت	۴۷
۱۹	تعلیم کا بنیادی اور اسلامی مفہوم	۵۰
۲۰	تعلیم کے متعلق مختلف اسلامی مفکرین کی آراء	۵۱
۲۱	قدیم مفکرین کی آراء	۵۲
۲۲	تعلیم کی تاریخ اور تہذیب وثقافت کی منتقلی	۵۲
۲۳	تعلیم کے اہم فرائض	۵۵
۲۴	ثقافتی ورثہ کا تحفظ ومنتقلی اور نشوونما	۵۵
۲۵	معاشرتی زندگی کی تشکیلِ نو	۵۶
۲۶	متعلم کی بنیادی ضروریات کی تکمیل	۵۷
۲۷	عملِ تعلیم کے بنیادی عناصر	۵۹
۲۸	انفرادی اختلافات	۶۲
۲۹	انفرادی اختلافات کا مفہوم اور اہمیت	۶۲
۳۰	انفرادی اختلافات کی اقسام	۶۴
۳۱	ذہین متعلمین	۶۴
۳۲	متوسط متعلمین	۶۵
۳۳	کند ذہن متعلمین	۶۵
۳۴	ذہانت کے متعلق مفکرین کی آراء	۶۶
۳۵	جسمانی اختلاف کا تفاوت اور ان کا حل	۶۹
۳۶	معاشی ومعاشرتی اختلافات کے حل کا طریقہ کار	۷۱

Marfat.com

۳۷	متفرق انفرادی اختلافات	۷۲
۳۸	عملِ تعلیم کی کامیابی کے بنیادی عناصر	۷۳
۳۹	آمادگی	۷۳
۴۰	دلچسپی	۷۴
۴۱	دلچسپی کیسے پیدا کی جائے	۷۵
۴۲	توجہ	۷۵
۴۳	توجہ کیسے حاصل کی جائے	۷۶
۴۴	تحریک	۷۸
۴۵	عملِ تعلیم کو بامعنیٰ و بامقصد کیسے بنایا جائے	۷۸
۴۶	رویہ	۷۹
۴۷	حوصلہ افزائی	۷۹
۴۸	ابتدائی تعارف	۸۰
۴۹	عملِ تعلیم کے محرکات	۸۲
۵۰	ترغیب بطورِ محرک	۸۲
۵۱	انعام بطورِ محرک	۸۴
۵۲	انعام کو بطورِ محرک استعمال کرنے کے اصول	۸۴
۵۳	سزا بطورِ محرک	۸۵
۵۴	سزا دینے کے نفسیاتی اصول	۸۷
۵۵	سزا اور مسلم ماہرینِ تعلیم	۸۸
۵۶	محرکات کو کیسے مؤثر بنایا جائے	۹۰

Marfat.com

۵۷	نظامِ تعلیم	۹۱
۵۸	مقاصدِ تعلیم	۹۱
۵۹	مقاصدِ تعلیم قرآن کی روشنی میں	۹۳
۶۰	مسلم ماہرینِ تعلیم کی نظر میں مقاصدِ تعلیم	۹۵
۶۱	نبوی نظامِ تعلیم	۹۸
۶۲	پہلی درسگاہ	۱۰۰
۶۳	پہلی اسلامی یونیورسٹی	۱۰۰
۶۴	لازمی اور اختیاری تعلیم	۱۰۱
۶۵	خلافتِ راشدہ کے دور میں نظامِ تعلیم	۱۰۱
۶۶	اُموی دور میں نظامِ تعلیم	۱۰۳
۶۷	عباسی دور میں نظامِ تعلیم	۱۰۴
۶۸	موجودہ دینی نظامِ تعلیم (درسِ نظامی)	۱۰۴
۶۹	تعلیم کی بنیادیں	۱۰۸
۷۰	اسلامی نظریہ حیات	۱۰۹
۷۱	تعلیم کا اسلامی تصور	۱۱۰
۷۲	تعلیم کی اسلامی بنیادیں	۱۱۱
۷۳	عملِ تعلیم اور تعلیمی نفسیات	۱۱۱
۷۴	تعلیمی نفسیات کا ارتقاء	۱۱۲
۷۵	عملِ تعلیم میں تعلیمی نفسیات کی ضرورت واہمیت	۱۱۵
۷۶	عملِ تعلیم میں تعلیمی نفسیات کا کردار	۱۱۵

Marfat.com

۷۷	طریقہ تدریس	۱۲۱
۷۸	قرآنی تعلیمات کی روشنی میں طریقہ تدریس	۱۲۲
۷۹	سنت نبویؐ کی روشنی میں طریقہ تدریس	۱۲۶
۸۰	طریقہ تدریس کی ضرورت واہمیت	۱۳۳
۸۱	تقریری طریقہ تدریس	۱۳۵
۸۲	تقریری طریقہ کی بہتری کے اصول	۱۳۶
۸۳	العبداری کا طریقہ تدریس	۱۳۸
۸۴	قدیم مسلم مفکرین کا طریقہ تدریس	۱۳۹
۸۵	امام غزالیؒ کا طریقہ تدریس	۱۳۹
۸۶	ابن خلدون کا طریقہ تدریس	۱۴۰
۸۷	اچھی تدریس کی خصوصیات	۱۴۱
۸۸	معلّم جدید طریقہ تدریس کیسے اپنائے	۱۴۲
۸۹	نصاب	۱۴۴
۹۰	مختلف مفکرین کی آراء کی روشنی میں نصاب کا مفہوم	۱۴۵
۹۱	نصاب کے متعلق قدیم تصور	۱۴۶
۹۲	نصاب کے متعلق جدید تصور	۱۴۷
۹۳	نصاب کی نوعیت	۱۴۸
۹۴	تقلید اور عقل کا جھگڑا	۱۴۹
۹۵	نصاب کے عناصر	۱۵۱
۹۶	نصابی اجزاء میں باہمی ربط	۱۵۴

Marfat.com

۹۷	نصاب کیسا ہونا چاہیے	۱۵۹
۹۸	نصاب کی بنیادیں	۱۶۰
۹۹	نصاب سازی کے بنیادی اصول	۱۶۲
۱۰۰	حصہ دوم	۱۶۵
۱۰۱	قاری سید صدیق احمد باندویؒ	۱۶۵
۱۰۲	شاگردوں پر شفقت اور نرمی	۱۶۶
۱۰۳	درس و تدریس میں اخلاصِ نیت	۱۷۰
۱۰۴	شاگردوں کے ساتھ خیر خواہی	۱۷۳
۱۰۵	شاگردوں کی تربیت	۱۷۸
۱۰۶	شاگردوں کے سامنے کسی کی برائی کرنے سے اجتناب	۱۸۱
۱۰۷	شاگردوں کی سمجھ کے مطابق بات کرنا	۱۸۲
۱۰۸	شاگرد اگر جانا چاہے تو اجازت دے دی جائے	۱۸۴
۱۰۹	شاگردوں سے ذاتی خدمت لینے میں احتیاط	۱۸۵
۱۱۰	عمل کا اہتمام	۱۸۷
۱۱۱	قدیم عربی مآخذات میں تعلیم پر گفتگو	۱۹۳
۱۱۲	افرادِ جامعہ کے ساتھ بہتر تعلقات	۱۹۹
۱۱۳	امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگرد	۲۰۳
۱۱۴	امام اعظم ابوحنیفہؒ کی پرکشش درسگاہ	۲۰۴
۱۱۵	امام ابویوسفؒ کا اپنے شاگردوں کے ساتھ تعلق	۲۰۵

Marfat.com

۱۱۶	ایک دلچسپ واقعہ	۲۰۶
۱۱۷	عظیم استاد عظیم شاگرد	۲۰۷
۱۱۸	دورانِ سبق امام مالکؒ کی وفات کی خبر	۲۰۸
۱۱۹	جب کوئی طالب علم سوتا	۲۰۸
۱۲۰	تھوڑے ہیں اس جہاں میں مگر ایسے بھی ہیں	۲۰۹
۱۲۱	ساری عبارت لکھوادی	۲۱۰
۱۲۲	ایک عظیم استاد کا اپنے شاگرد کو پیغام	۲۱۱
۱۲۳	تواضع سیکھنی ہو تو یہاں سے سیکھو	۲۱۲
۱۲۴	بھائی شمس الدین ہی چلے گئے	۲۱۳
۱۲۵	اپنے شاگرد پر تنقید کی وجہ سے حضرت کشمیریؒ کا اظہارِ ناراضگی	۲۱۳
۱۲۶	داغِ مفارقت۔۔۔ پاؤں سینے سے لگا لیئے	۲۱۵
۱۲۷	ایک مہتمم کی طالب علم سے معافی	۲۱۵
۱۲۸	اتنا علم کہاں سے آیا	۲۱۶
۱۲۹	اعمش اور اعرج (نابینے اور لنگڑے) اجتماع	۲۱۷
۱۳۰	عظیم استاد اپنے شاگردوں کا خادم	۲۱۷
۱۳۱	اپنی رائے کے اظہار کا طریقہ کار	۲۱۸
۱۳۲	مرغ اور حلوے بمقابلہ روٹی اور اچار	۲۱۹
۱۳۳	مفسرِ قرآن سامان اٹھالیتے ہیں	۲۱۸
۱۳۴	طلباء کے ساتھ تواضع اور عاجزی	۲۲۰
۱۳۵	شاگردوں سے پہلے خود کام کرتے	۲۲۰

Marfat.com

۱۳۶	استاد و شاگرد دونوں رو پڑے	۲۲۱
۱۳۷	استاد نے ہاتھ جوڑ دیئے	۲۲۱
۱۳۸	بیٹا معاف کر دو	۲۲۲
۱۳۹	مفتی اعظمؒ اور تواضع کی انتہاء	۲۲۲
۱۴۰	الوداعی تقریب میں معافی کا اہتمام	۲۲۳
۱۴۱	استاد کی طالب علم سے معافی	۲۲۳
۱۴۲	مہتمم اپنے طلباء کا خادم	۲۲۴
۱۴۳	مہتمم اور بیت الخلاؤں کی صفائی	۲۲۵
۱۴۴	جی چاہتا ہے تمہارے کپڑے دھوئیں	۲۲۵
۱۴۵	طلباء کی برکت	۲۲۶
۱۴۶	شیخ الحدیث اپنے طلباء سے معافی مانگتے ہیں	۲۲۶
۱۴۷	طلباء کی خدمت کا انوکھا واقعہ	۲۲۷
۱۴۸	اپنا کام خود کرتے	۲۲۷
۱۴۹	علمی خیانت سے احتراز	۲۲۷
۱۵۰	فقیہ العصر اور فنائیت کی انتہاء	۲۲۹
۱۵۱	شیخ القرآن کا نومسلم طالب علم سے حسنِ سلوک	۲۲۹
۱۵۲	مفتی اعظم کی ادنیٰ طالب علم سے معافی	۲۲۹
۱۵۳	محررِ مطبخ کو لالے پڑ گئے	۲۳۰
۱۵۴	اخلاص و تقویٰ کا پیکرِ مجسم	۲۳۱
۱۵۵	کم سنی میں خدمتِ قرآن	۲۳۲
۱۵۶	مراجع و مآخذات	۲۳۳

Marfat.com

Marfat.com

مقدمہ

سکندر اعظم سے کسی نے پوچھا تھا: ''تم اپنے باپ پر اپنے استاد کو کیوں ترجیح دیتے ہو؟'' اس نے بڑی خود اعتمادی کے ساتھ بڑا خوبصورت جواب دیا۔ اس نے کہا: ''میرا باپ مجھے آسمان سے زمین پر لے کر آیا اور میرا استاد مجھے زمین سے آسمان پر لے گیا۔ میرے باپ نے میرے جسم کی پرورش کی اور میرے استاد نے میری روح کی پرورش کی۔ میرا باپ میری فانی زندگی کا باعث بنا جب کہ میرا استاد ارسطو میری جاودانی زندگی کا سبب بنا''۔

سکندرِ اعظم کے نظریات سے ہٹ کر بھی دیکھا جائے تو استاد کو معاشرے میں مرکزی مقام حاصل ہے۔ نسلِ نو کی تعلیم و تربیت کا انحصار معیارِ تعلیم کی بہتری پر منحصر ہے اور نظام تعلیم کی بہتری کیلئے اساتذہ کا کردار بڑا اہم ہے۔ دنیا کے ہر معاشرے اور ہر ملک میں کسی بھی علم و فن کے اساتذہ کیلئے باقاعدہ تربیتی کورس کروایا جاتا ہے جس کی بنیاد پر ایک استاد کو تدریس کا اہل سمجھا جاتا ہے۔ وطنِ عزیز میں بھی پرائمری، مڈل، سیکنڈری، کالج اور یونیورسٹی ہر سطح کے اساتذہ کیلئے باقاعدہ تربیتی کورس کروایا جاتا ہے جس کی تکمیل کے بغیر کسی بھی سطح پر کوئی بھی فرد تدریس کا عہدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کورس کے لازمی ہونے میں اس کی اہمیت و افادیت کو بڑا عمل دخل ہے، کیونکہ ایک مدرس جب تک طلباء کی نفسیات، ان کے مسائل، انفرادی اختلافات، محرکاتِ تعلیم، طریقۂ تدریس، نصاب کی منصوبہ بندی، طلباء کے رجحانات، ان کے رویے، مناہج تدریس، اوقات کی تنظیم، طلباء کے معاشی، معاشرتی، مذہبی اور سماجی اختلافات اور عملِ تعلیم کے عناصر جیسے اہم موضوعات پر دسترس نہیں رکھتا تو وہ کما حقہ اپنے پیشہ ورانہ فرائض سرانجام نہیں دے سکتا۔ مقام افسوس ہے کہ ہمارے مذہبی اداروں میں اس بین الاقوامی قانون اور اس کی اہمیت و افادیت کا نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور پر انکار کیا جا رہا ہے۔ کوئی بھی فاضل جب اپنا تعلیمی سلسلہ ختم کرتا ہے تو بغیر کسی تربیت و مشق کے تدریس شروع کر دیتا ہے اور یوں سکول و کالج لائف سے آئے ہوئے طلباء اپنے فطری تقاضوں اور نفسیات کے مطابق تدریس نہ ہونے کیوجہ سے ذہنی کوفت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس بات میں شک نہیں کہ عصرِ حاضر میں معاشرے کی دین سے دوری کا بنیادی اور اساسی سبب نظامِ تعلیم کی ثنویت ہے مگر کیا ہم ان اسباب سے صرفِ نظر کر کے معاشرے کی لگام ڈھیلی چھوڑ دیں گے؟ اور کیا ہمارے اسلاف کا یہی طرزِ عمل تھا؟

ایک طرف تو مغرب پرست گمراہ کن نظریات کے حامل کلین شیو ملاں، پینٹ شرٹ

Marfat.com

زیب تن کیئے ہوئے نام نہاد مذہبی سکالرز اور مستشرقین اسلامی معاشرے میں گمراہ کن نظریات اور ملحدانہ افکار پھیلا رہے ہیں اور دوسری طرف ہمارا مذہبی طبقہ مسجد و مدرسہ تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ مغرب کی فکری و نظریاتی یلغار اور متجددین کے گمراہ کن عقائد و نظریات کے ابطال کیلئے ہمیں سب سے پہلے اپنے نظامِ تعلیم پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ مقاصدِ تعلیم کو ازسرِ نو متعین کرنا ہوگا، اپنے نصاب کا جائزہ لینا ہوگا اور طریقۂ تدریس کی بہتری کیلئے اساتذہ کیلئے تربیتی کورس کا اہتمام کرنا ہوگا۔ مقاصدِ تعلیم خواہ کتنے ہی اہم ہوں، نصاب سازی کیلئے دنیا بھر کے ماہرینِ نصاب کو بلا لیا جائے مگر جب تک مقاصدِ تعلیم کے حصول اور نصاب کی تدریس کیلئے مناسب اساتذہ، تربیت یافتہ مدرسین اور صاحبِ دل معلمین دستیاب نہ ہوں گے تب تک کامیابی کا حصول محض دیوانے کا خواب ہوگا۔

اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ہمارے مذہبی اداروں میں تعلیمی تنزلی کا ایک سبب اساتذہ کیلئے تربیتی کورسز کا فقدان ہے۔ اگر یہ کسی خاص معاشرے یا کسی خاص ایجوکیشن سسٹم کا قانون ہوتا تو اس سے صرفِ نظر کیا جا سکتا تھا مگر اب تو یہ بین الاقوامی قانون بن چکا ہے کہ تدریس ایک فن ہے اور اس کو اختیار کرنے سے پہلے ہر مدرس کیلئے ضروری ہے کہ پہلے وہ خود اس فن کو پڑھے۔ پھر ہمارے مذہبی اداروں کی قدامت پسندی کے پیشِ نظر تو اسکی اہمیت و افادیت اور بھی دو چند ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب دینی مدارس کے اساتذہ کیلئے تربیتی کورس کی اہمیت و افادیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آج بھی درس نظامی کی کتب پڑھانے کا طریقہ اور انداز وہی ہے جو صدیوں پہلے ہندوستان بھر میں خصوصاً اور باقی دنیائے اسلام میں عموماً رائج اور نافذ تھا۔ ابتدائی دور میں چونکہ پڑھانے والے اساتذہ تدریس میں خصوصی مہارت رکھتے تھے اور پڑھنے والے بھی محض ذاتی شوق اور محنت سے پڑھا کرتے تھے اس لئے اس وقت اساتذہ کی تربیت نہ ہونے کے باوجود بہت عمدہ طریقے سے کام چل رہا تھا مگر آج کی صورتِ حال ماضی سے یکسر مختلف ہے۔

دراصل ہر مضمون کو اس کے اپنے ماحول میں مطالعہ کرنے اور پڑھانے کی ضرورت ہے۔ اگر دینیات کو منطق کے رنگ میں یا حدیث کو فقہ کے انداز میں پڑھایا جائے تو اس سے اس مضمون کی افادیت ختم ہو جاتی ہے اور پڑھنے والا آدھا تیتر اور آدھا بیٹر ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے ان رویوں پر نظرِ ثانی کرنی ہوگی۔ یہ حالات اور ہمارے مدارس سے تیار ہونے والی علماء کی کھیپ اور ان کا معیارِ علمی اور معیارِ تعلیم دینی مدارس کے زعماء کیلئے بہت بڑا لمحہ فکریہ ہے جس

Marfat.com

کی بناء پر مذہب کی دنیا میں بھانت بھانت کی بولیاں سنائی دے رہی ہیں اور ہمیں شاید ابھی تک اس مسئلے کی نزاکت اور اہمیت کا احساس نہیں ہے۔"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دینی مدارس کے معیار تعلیم، وہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے طالبعلموں کی بالغ نظری اور انہیں وقت اور زمانے کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چلنا سکھانے کیلئے کیا کرنا چاہیے؟ اس حوالے سے اب یہ بات ناگزیر ہے کہ دینی مدارس کے اساتذہ کرام کی مناسب وموزوں تربیت کا انتظام اور اہتمام ہونا چاہیے۔ وجہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں یہ بات عملاً تسلیم کر لی گئی ہے کہ دوسروں کو پڑھانا اور تعلیم دینا، یہ بھی ایک الگ اور مستقل فن ہے۔ اور یہ بات ضروری نہیں کہ ایک اچھا عالم ایک اچھا استاد بھی ہو۔ یہ فن بھی تعلیم وتعلم کا محتاج ہے۔ مزید برآں آج کل تعلیم وتدریس کو کسی ایک طریقے تک محدود نہیں سمجھا جاتا بلکہ دورِ حاضر میں تعلیم اور تدریس کے بیسیوں طریقے ہیں جو طالب علم اور طالبعلموں کے رویے اور ان کی ذہنی سطح اور ان کے فکری افق کو سامنے رکھ کر اختیار کیئے جاتے ہیں۔ اس مقصد کیلئے خود استاد یا معلم کی تربیت کا ہونا از حد ضروری ہے۔

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں "دنیا میں جس طرح علوم وفنون میں تنوع اور رنگارنگی ہے اسی طرح تدریسی مناہج اور تعلیمی طریقوں میں بھی بڑا تنوع پایا جاتا ہے۔ مقاصد تعلیم کو سامنے رکھ کر تعلیم کا منہج اور طریقہ تدریس اختیار کیا جاتا ہے اور اسی بناء پر مختلف قومیں اور مختلف ممالک اپنی تعلیمی پالیسیاں جاری کرتے ہیں مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے دینی مدارس میں تعلیمی مقاصد پر کوئی توجہ اور کوئی دھیان نہیں دیا جا رہا۔ اس میں شک نہیں کہ دینی مدارس میں تعلیم کا سب سے بڑا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے اور یہ مقصد بذات خود بڑا مقصد ہے لیکن اس مقصد کے حصول کیلئے ضمنی اور جزوی مقاصد کا تعین بہرحال ضروری ہے۔ تعلیمی مقاصد کا تعین اور ان کے مطابق تعلیمی انداز اور منہج کا اختیار کرنا اس لیے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ اب دنیا کا ماحول بہت تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے اور ایک استاد کو اس بات کا احساس اور ادراک ہونا ضروری ہے کہ اسے کس ماحول میں اور کس انداز سے اپنی بات کہنی ہے۔

پھر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، ہمارے دینی مدارس میں زیادہ تر تدریس کا ایک ہی طریقہ رائج اور نافذ ہے جسے درسی کتب کا طریقہ کہا جا سکتا ہے۔ اس طریقے میں استاد خود درسی کتاب سے کچھ حصہ پڑھتا ہے یا کسی طالبعلم سے پڑھواتا ہے اور پھر استاد عبارت کے مشکل مقامات کی تشریح کرتا جاتا ہے اور حسب ضرورت طلبہ سوالات کے ذریعے بھی اپنی مشکلات حل کرتے ہیں۔

Marfat.com

تعلیم و تدریس کا یہ طریقہ اتنا فرسودہ ہو چکا ہے کہ اس سے نہ تو طالبعلم میں کوئی علمی مہارت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی استاد کی علمی اور فکری صلاحیتوں میں کوئی اضافہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس اندازِ تدریس سے کلاس کے صرف ذہین طلبہ ہی مستفید ہو سکتے ہیں اور ایسے طلبہ جن کا ذہنی اور فکری مستویٰ مختلف ہو، یہ طریقہ تدریس ان کے لئے چنداں فائدہ مند نہیں ہوتا۔

اس کے برعکس عصرِ حاضر میں تعلیم ایک 'فن' اور ایک 'سائنس' بن گیا ہے اور طلباء کو مضمون پڑھانے کیلئے بیسیوں طریقے ایجاد کیئے جا چکے ہیں جن میں سمعی اور بصری ذرائع اور وسائل کو اختیار کر کے طلباء کے حصولِ علم میں آسانی پیدا کی جاتی ہے حتیٰ کہ ہر مضمون اور ہر سبجیکٹ کو پڑھانے کا مستقل طریقہ یا طریقے ایجاد کر لئے گئے ہیں اور جو مضمون جتنا اہم ہوتا ہے اتنا ہی اسے آسان اور سہل طریقے سے پڑھانے کا طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ اس حوالے سے عربی صرف و نحو، حدیث، فقہ اور قرآن مجید کی تدریس کے آسان اور سہل طریقے اختیار کرنا وقت کی سب سے اہم اور سب سے بڑی ضرورت ہے۔" (دینی مدارس اور عصرِ حاضر)

موجودہ حالات، علوم و فنون میں تنوع اور جدید سائنسی ایجادات کے پیشِ نظر اب یہ واضح ہو چکا ہے کہ ہمیں اپنے طریقہ تدریس میں بہتری لانے کے ساتھ ساتھ اپنے اساتذہ کے لیئے باقاعدہ نصاب مرتب کرنا ہوگا۔ طلباء کو معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیئے طریقہ تدریس کے جدید تصورات سے استفادہ کرنا ہوگا اور طلباء کی ہمہ پہلو تعمیر و تشکیل کیلئے ان کی نفسیات اور ان کے متفرق اختلاف کو مدِّ نظر رکھنا ہوگا اور یہ سب کچھ تب ہی ممکن ہے جب ایک معلم باقاعدہ اس تربیت کو حاصل کرے اور وہ خود اس مرحلے سے گزرا ہو۔

اس تألیف میں بھی یہی کوشش کی گئی ہے کہ اس میں وہ بنیادی اور اہم باتیں جمع کر دی جائیں جن کا ایک معلم کے لیئے جاننا ضروری ہے۔ اُمید ہے انشاء اللہ یہ کتاب معلمین و متعلمین کے لیئے فائدہ مند ثابت ہوگی اور تعلیمی اداروں میں نظامِ تعلیم کی بہتری کے لیئے کارگر ثابت ہوگی۔ بندہ نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اختصار اور جامعیت کو ہاتھ سے نہ جانے دے باقی اس کی مقبولیت و عدمِ مقبولیت کا فیصلہ آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تألیف کو عوام و خواص کے لیئے نافع بنائیں اور اس سے صحیح طور پر استفادے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین) "ھذا من عندی و العلم عند اللّٰہ"

Marfat.com

نظامِ تعلیم کی ثنویت سب سے اہم مسئلہ ----!

اس بات میں شک نہیں کہ عصرِ حاضر میں معاشرے کی دین سے دوری کا بنیادی سبب نظامِ تعلیم کی ثنویت ہے۔ بیسویں صدی میں انگریز نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کو دو مختلف طبقوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ہماری بدقسمتی کہ وہ طبقاتی تقسیم تا حال جوں کی توں موجود ہے اور اپنی کامیابی کے گل کھلا رہی ہے۔ ہمارا معاشرہ مسٹر اور ملاں دو مختلف طبقوں میں بٹ کر رہ گیا ہے۔ ہمارے اکابرین میں سے مولانا مناظر احسن گیلانی وہ عظیم شخصیت ہیں جنہوں نے نظامِ تعلیم کی وحدت کیلئے کام کیا۔ حضرت نے برصغیر میں لارڈ میکالے کی پالیسی کے مسلط ہونے سے قبل کے نظام تعلیم پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس وقت کا جو نصاب تھا (درس نظامی) اس میں دینیات کی صرف چار کتابیں تھیں بقیہ ساری کتب وقت کے مروجہ علوم وفنون اور بین الاقوامی زبانوں پر مشتمل تھیں۔ حضرت نے نظامِ تعلیم کی وحدت کیلئے شاندار کام کیا اور اس مقصد کیلئے کئی کتب بھی تصنیف فرمائیں۔ وہ اپنی کتاب ''برصغیر میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت'' میں برصغیر پر انگریزوں کے مسلط ہونے سے قبل رائج نظام تعلیم (درس نظامی) پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حکومت متسلطہ سے قبل مسلمانان ہند میں تعلیم کا جو نظام قائم تھا، عام طور پر درسِ نظامی کے نام سے جسے شہرت حاصل ہے اس کے متعلق لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں کہ وہ مسلمانوں کی صرف دینی تعلیم کا نظام تھا، درحقیقت اس نصاب میں اس عہد کی دفتری زبان فارسی کی نظم ونثر وانشاء وغیرہ کی بیسیوں کتابوں کے ساتھ ساتھ حساب، خطاطی وغیرہ کی مشق کرانے کے بعد اعلیٰ تعلیم عربی کتابوں کے ذریعے دی جاتی تھی۔ ابتداء سے آخر تک اس زمانہ کے تعلیمی نصاب کے ختم کرنے کی مدت پندرہ سولہ سال سے کم نہ تھی اور اس پوری مدت تعلیم میں درس نظامی سے فارغ ہونے والے علماء صحیح معنوں میں خالص دینیات کی تین کتابیں پڑھا کرتے تھے یعنی چند مختصر فقہی متون کے سوا قرآن کے متعلق ''جلالین'' حدیث کے متعلق ''مشکوٰۃ'' اور فقہ کے متعلق گو بظاہر نام تو دو کتابوں کا لیا جاتا تھا یعنی ''شرح وقایہ'' اور ''ھدایہ''. لیکن ''ھدایہ'' کے ان ابواب کو نہیں پڑھایا جاتا تھا جو ''شرح وقایہ'' میں پڑھا دیئے جاتے تھے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ حکماً اور عملاً یہ ایک ہی کتاب کی تعلیم تھی تو پندرہ سولہ سال کی مدت میں گویا خالص اسلامی دینیات کی چار کتابوں

Marfat.com

کا پڑھا دینا دینی علوم سے مناسبت پیدا کرنے کیلئے کافی سمجھا جاتا تھا۔"

آگے مولانا لکھتے ہیں: یوں تو اگر اس کے (کہ مسلمانوں کا نصاب تعلیم جمود کا شکار کیوں ہوا) اسباب کا جائزہ لیا جائے تو یہ خود ایک مستقل مضمون کا طالب ہے مختصراً اس کے دو اسباب نمایاں ہیں:

۱۔ مسلمانوں کا سیاسی زوال اور مسلمانوں کو ان علوم سے دور رکھنے کی کوشش جو ترقی کی راہ میں معاون ہوں اور جن کے ذریعے تسخیر کائنات ممکن ہو۔

۲۔ انگریزوں نے مسلمانوں کی حکومت کے تمام شعبوں سے بے دخلی اور تعلیم سے عمومی محرومی کے ساتھ دو ایسے بنیادی اقدام کیئے جن کے نتیجے میں مسلماں قافلۂ علم سے بچھڑ گئے۔ (برصغیر میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت)

مولانا گیلانی کی مذکورہ بالا عبارت کا تجزیہ سید سلمان ندوی یوں کرتے ہیں:

انگریزوں نے تعلیم کو دو نظاموں میں بانٹنے پر مجبور کردیا، مسلمان جو حکومت اور ترقی کی راہوں سے بے دخل کر دیئے گئے تھے، صرف ان علوم کے تحفظ پر قانع ہو گئے یا حالات نے انہیں ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا کہ وہ خالص اپنے دینی علوم کے تحفظ کی فکر کریں، جب انہیں آفس میں، انتظامیہ میں، عدلیہ میں یا کسی بھی شعبہ میں لیا نہیں جاتا تو وہ اپنے مدرسوں اور مسجدوں کی حفاظت کریں، یہیں سے ان کا نصاب دوعملی کا شکار ہو گیا۔ ایک طرف دین کے وہ علوم تھے جن پر عمل کیا جاتا ہے، دوسری طرف وہ فلسفیانہ علوم جن پر صرف قیل وقال ہوتی ہے۔ ان کا زندگی کے تجربات اور عمل سے کوئی تعلق نہیں وہ یونانیوں کے جاہلیت زدہ علوم کا خلاصہ ہونے کے علاوہ کچھ نہیں"۔ (ہمارا نظامِ تعلیم کیا ہوا)

مولانا مناظر احسن گیلانی مزید لکھتے ہیں:

"آج کل تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ایک کا نام دینی علوم اور دوسرے کا نام دنیوی علوم رکھا گیا ہے۔ دونوں کی تعلیم گاہیں الگ الگ ہیں۔ دونوں کا نصاب جدا جدا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر نصاب کے پڑھنے والے اس دوسرے نصاب اور اس کے آثار سے بیگانہ ہیں جسے انہوں نے نہیں پڑھا۔ ملک میں پڑھے لکھے لوگوں کی دو مستقل جماعتیں قائم ہو گئیں۔ امتیاز رکھنے

Marfat.com

کیلئے ایک کو علماء اور دوسرے کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں دونوں کا دعویٰ ہے کہ عام مسلمانوں کی رہنمائی کا حق انہیں کو حاصل ہے۔

اب علم کے نمائندے بجائے ایک کے دو طبقے ہیں۔ عوام پریشان ہیں کہ کس کے پیچھے جائیں، کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں۔ حالت تو یہ ہے کہ ان دونوں علماء گروہوں میں سے جو بھی میدان خالی پاتا ہے ہر ایک کو بجائے ایک کام کے مسلسل دو کام کرنے پڑتے ہیں یعنی عوام کو اپنے سوا علم کے دوسرے طبقے سے متنفر کرنا ایک مستقل کام ہے اس کے بعد پھر ان کے سامنے اپنی تجویزوں کو رکھنا۔

مسٹر یا مولانا، لیڈر اور علماء، تعلیم یافتہ یا مولوی بتدریج ان دونوں الفاظ میں کشمکش بڑھتی جا رہی ہے۔ ہر ایک دوسرے کے وجود سے بیزار ہے۔ فسق، الحاد، بے دینی کا الزام، علماء تعلیم یافتہ افراد پر عائد کرتے ہیں۔ تاریک خیالی، نااہلی اور ناواقفیت کی تہمتیں علماء پر تعلیم یافتوں کی طرف سے جوڑی جا رہی ہیں"۔ (برصغیر میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت)

"سید سلیمان ندوی، مولانا گیلانی کی اس عبارت کا تجزیہ یوں کرتے ہیں:

"مولانا گیلانی نے ان دونوں طبقوں کی جس کشمکش کا ذکر فرمایا الحمدللہ دینی، تعلیمی، دعوتی اور اصلاحی کوششوں کے نتیجے میں اب یہ کشمکش تو اتنی شدت سے باقی نہیں رہی اور ملی کاموں کے میدان میں علماء حق کی جدوجہد نے اپنی قیادت دانشوروں سے بھی تسلیم کروالی ہے، اگرچہ ابھی بھی دانشوروں کا ایک طبقہ اس کیلئے تیار نہیں اور اس کی بھرپور کوشش یہی ہے کہ اس خلیج کو نہ صرف قائم رکھا جائے بلکہ اس کو اور زیادہ بڑھا دیا جائے۔ لیکن جہاں تک تعلیم کا میدان ہے تو وہاں تک ثنویت اور دہرا نظام پوری طرح نافذ ہے۔ یہ کوشش تو ضرور ہو رہی ہے اور کسی حد تک اس میں کامیابی بھی ملی ہے کہ عصری تعلیم کے مسلم اداروں میں دینیات کا اہتمام کیا جائے اور اسلامی تربیت و فکر کے ساتھ انگلش، ہندی اور اردو میڈیم اسکول قائم کیئے جائیں (واضح رہے کہ تجزیہ نگار بھارت کے ساکن ہیں) وہ مدارس بھی جن پر قدامت کا الزام تھا اس میدان میں آگے بڑھے ہیں لیکن یہ پیوندکاری مسئلے کا حل نہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ سکول کے طلباء دینی معلومات سے بالکل یا بہت بڑی حد تک ناواقف ہوتے ہیں اور دوسری طرف فارغین مدارس جدید افکار و نظریات سے

Marfat.com

نا آشنا، سکول کے ذمہ داروں کی طرف سے عملاً کوتاہی تو پائی جاتی ہے لیکن دینیات کی ضرورت سے انہیں انکار نہیں لیکن ہمارے علماء کے حلقے میں بسا اوقات منفی رویہ اختیار کرلیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عصری علوم کا مطالبہ کرنے والے حضرات اکثر غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ لیکن علماء کرام کی منفی سوچ بھی درست نہیں۔ اصل درس نظامی کے بارے میں یہ حقیقت گزشتہ بیانات سے واضح ہوچکی ہے کہ اس میں اصل دینیات کا حصہ بہت مختصر تھا، زیادہ تر علوم عصریہ تھے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ درس نظامی سے فارغ ہونے والا عالم ماہر فلکیات بھی ہوتا تھا اور ماہر طب بھی، فلسفہ کا رازدان بھی ہوتا تھا اور منطق وریاضی دان بھی، فقیہ بھی ہوتا تھا، مفسر ومحدث بھی لیکن درس نظامی کی موجودہ شکل سے جو لوگ چمٹے ہوئے ہیں وہ اس تنوع کو فراموش کرچکے ہیں۔

ایسے موقع پر یہ کہنا کہ ''یہ دخل در معقولات ہے'' جب ہم یہ نہیں کہتے کہ ڈاکٹر کو انجینئر بھی ہونا چاہیے تو آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ عالم کو جدید علوم بھی سیکھنے چاہییں'' تو ہم جب ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان اور ریاضی دان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اسے فرض عین کی حد تک دینی علوم کی تعلیم ضروری ہے تو اسی طرح وہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ علماء کو اپنا کردار ادا کرنے کیلئے اور اقامت حجت کیلئے جدید علوم اور زبانوں کا اتنا حصہ حاصل کرنا ضروری ہے جس کے ذریعے وہ دین کی تفہیم مؤثر اور بلیغ انداز میں سوسائٹی کے ہر طبقہ کیلئے کرسکیں، غیر مسلموں پر اسلام کی حجت قائم کرسکیں، جدید اصطلاحات میں اپنی بات ادا کرسکیں۔ یہ ان پر فرض عین نہیں تو فرض کفایہ تو ضرور ہے اور یہ بات عصری علوم کی ایک مناسب مقدار کی تعلیم سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ ایک کام علوم شرعیہ کی تحصیل اور فہم کا ہے یقیناً اس کیلئے عصری علوم کی چنداں ضرورت نہیں لیکن دوسرا کام ان علوم کی تفہیم وتشریح کا ہے اس کیلئے ان علوم اور وقت کی رائج زبانوں کی تحصیل کے سوا چارہ کار نہیں''۔

''علامہ سید سلیمان ندوی برصغیر میں رائج مختلف نصابات اور مختلف اداروں کے حوالے سے جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علامہ شبلی ہوں یا مولانا محمد علی مونگیری یا مولانا محمد قاسم نانوتوی ان کے سامنے جو مقاصد تھے اور وہ جن نظاموں کے داعی تھے آج ہمارے مدارس اس سے بہت زیادہ دور جاچکے ہیں۔ انہوں نے جس نظام کو جاری کیا تھا وہ وحی الٰہی نہ تھا، اپنے عہد میں خوب سے خوب تر کی تلاش تھی جس کا

Marfat.com

مقصد یہ تھا کہ ایسی مسلم نسل کی آبیاری کی جائے اور ایسے علماء تیار کیئے جائیں جو زمانے کے چیلنج کا جواب دے سکیں اور ملت کو صحیح قیادت فراہم کر سکیں، ان کا فہم دین راسخ ہو اور ساتھ ہی ساتھ ان میں داعیانہ اسپرٹ ہو، وہ زمانے کے نبض شناس ہوں اور اپنے عوام کے سامنے اسلام کے پرزور ترجمان ہوں جو ذہن و دماغ کو آسودگی اور اطمینان عطا کر سکیں اور قلب کو راحت و سکون۔ ان کی ترجمانی دین سے یہ تأثر پیدا نہ ہو کہ دین out of date ہے یہ اس دور کی رہنمائی نہیں کر سکتا، بلکہ نئی نسل کو اس کی ترجمانی۔ سے یہ یقین حاصل ہو کہ اسلامی نظام ہی دنیا کی فلاح کا راستہ ہے اور اسی سے ہمارے تمام سماجی، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی مسائل حل ہوتے ہیں۔

افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ ہمارا موجودہ تعلیمی نظام افراط و تفریط کا شکار ہے۔ وہ کہیں روایت پرستی کا شکار ہے تو کہیں قلت رسوخ اور سطحیت کا، بعض مدارس میں قدیم (علوم) پر بہت زور دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ امور جو عہد بعہد بدلتے رہتے ہیں یعنی زبان، اصطلاحات، فلسفیانہ افکار اور علمی نظریات ان کی قدامت پر بھی انہیں اصرار ہے اور ان کی قدامت نے قدامت پرستوں کی نگاہوں میں ان کو ''مقدس'' بنا رکھا ہے خواہ وہ قدیم ملحدوں کے افکار و خیالات ہوں یا وثنیت پرستوں کے، اور پھر وہ چھری کانٹے سے لیس ہو کر اور افکار دیرینہ اور تعبیرات قدیمہ کا سہارا لے کر عوام کو بھی مخاطب کرتے ہیں اور خواص کو بھی، جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو یہ سمجھنے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ دین کا عقل و علم سے کوئی تعلق نہیں بلکہ دین تو محض بعض اقدار اور سماجی روایات کا مظہر ہے۔ صحیح عقائد رکھنے والے بھی بے سروپا روایات، خرافات، اور کشف و کرامات کی حکایات اور قدماء کے خیالات خاص مدرسی زبان میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اسلام کو کیتھولک (Catholic) اور پرٹیسٹنٹ (Protestant) دو حلقوں میں بانٹ دیتے ہیں یہ سب نتائج ہمارے سامنے ہیں اور افسوسناک شکل اختیار کرتے جارہے ہیں لیکن اس کے علاج و معالجہ کی جیسی فکر ہونی چاہیے اور مدارس کے ذمہ داروں کو اپنے نظام اور نصاب پر جس قدر غور کرنا چاہیے آج اس کا اتنا ہی فقدان نظر آرہا ہے اور ہر کھٹا دہی بیچنے والا اپنے دہی کو مسلسل میٹھا بتلائے جا رہا ہے، یہ محض خوش فہمی اور مغالطۂ نفس ہے جس کی قلعی واقعات کی کسوٹی پر کھلتی جارہی ہے۔ ضرورت ہے کہ حقائق کا منصفانہ اور بے لاگ تجزیہ کیا جائے، اپنے بانیان مدارس اور واضعین

Marfat.com

نصاب کے مقاصد پیشِ نظر رکھے جائیں اور ان کا اختیار کردہ طریقہ کار بھی۔ ان دونوں کا موجودہ حالات کی روشنی میں معروضی مطالعہ کیا جائے، نئے تجربات سے پورا فائدہ اٹھایا جائے اور اس ہدایتِ نبویؐ "الحکمۃ ضالۃ المومن" (حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے) کو کسی مرحلہ میں فراموش نہ کیا جائے"۔ (ہمارا نظامِ تعلیم کیا ہوا)

اساتذہ کے لئے تربیتی کورس کی ضرورت واہمیت!

یہ حقیقت ہے کہ آج معاشرہ اہل مدارس سے جس صلاحیت کے حامل افراد طلب کر رہا ہے وہ عنقا ہو چکے ہیں۔ وہ پہلے والے مزاج رہے نہ پہلے والی صلاحیتیں، اکابر کے نقشِ قدم پر چلنے کا شوق ہے نا اپنے بڑوں سے محبت، کتب حل کرنے کی استعداد باقی بچی نہ مطالعہ کا ذوق غرضیکہ جس پہلو کو بھی دیکھا جائے انحطاط ہی انحطاط نظر آتا ہے۔ اگر چہ اس تنزلی میں تعلیم کے تمام بنیادی عناصر کی کجیاں موجود ہیں مگر یہاں ہم جس پہلو کو لے کر بات کریں گے وہ ہے "دینی مدارس کے اساتذہ کی تعلیم و تربیت کا عدم انتظام" دوسرے لفظوں میں آپ اسے "ٹیچر ٹریننگ کورس" کا فقدان کہہ سکتے ہیں۔

ہمارے ہاں اساتذہ کی تربیت کا کوئی نصاب یا نظام سرے سے ہی موجود نہیں۔ ہر وہ طالبعلم جو دورۂ حدیث کی سند رکھتا ہے اس کو طبع آزمائی کیلئے مسند تدریس پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ آیا وہ طلباء کی نفسیات کو سمجھ سکے گا؟ جبکہ دنیوی تعلیمی اداروں میں پرائمری کے استاذ کا تقرر بھی باقاعدہ ٹیچر ٹریننگ کورس کے بعد عمل میں لایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بڑی کلاسز کی تدریس کیلئے تو باقاعدہ ایک ایک اور دو دو سال کے تربیتی نصاب مرتب ہیں جو ہر مدرس کو لازمی پڑھنا پڑتے ہیں اور وہ ان نصابی کتب کو پڑھے بغیر مدرس نہیں بن سکتا۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں کسی بھی عملی اور فنی تعلیم و تربیت کے بغیر کوئی بھی فاضل مسندِ تدریس پر براجمان ہو جاتا ہے۔

مسند تدریس کیلئے فقط دورانِ تعلیم حاصل ہونے والا تجربہ ہی کافی نہیں بلکہ اس کیلئے فنِ تدریس کی تربیت اور اس کے ساتھ ساتھ دینی واخلاقی تربیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ استاذ

Marfat.com

ذہین و فطین ہونے کے باوجود اگر فن تدریس سے آگاہ نہیں تو وہ اپنا علم طلباء تک صحیح طریقے سے منتقل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر استاد کسی فکری کج روی کا شکار ہے تو یہ اس کی متعدی بیماری طلباء تک منتقل ہوگی اور اس کے شاگرد بھی اس کے رنگ میں رنگے جائیں گے۔ یہ سب کچھ ہمارے ہاں ہو رہا ہے اور اس کے تلخ نتائج سے ہمیں واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اربابِ حل وعقد کو چاہیے کہ وہ اساتذہ کی تعلیم و تربیت پر مشتمل ایک نصاب تیار کریں جس میں طلباء کی نفسیات اور موجودہ حالات سے آگاہی کا مکمل مواد موجود ہو۔ آنکھوں دیکھا واقعہ ہے کہ بہت سے طلباء صرف اس وجہ سے مدرسے کو خیر باد کہہ دیتے ہیں کہ عملِ تعلیم میں ان کے مزاج، نفسیات اور ان کے انفرادی اختلافات کو مدنظر نہیں رکھا جاتا اور یوں وہ جبلی اور فطری تقاضوں سے مجبور ہو کر عملِ تعلیم سے کنارہ کشی کر لیتے ہیں۔

دینی مدارس کے اساتذہ کیلئے تعلیم و تربیت کے عدمِ انتظام کے حوالے سے شعبہ اردو، دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب لاہور کے صدر جناب ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب نے ایک جاندار تبصرہ لکھا ہے۔ جو اختصار کے ساتھ آپ حضرات کے پیش خدمت ہے۔

”یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دینی تعلیم و تربیت کا یہ سلسلہ عہد رسالت مآب ﷺ سے تسلسل کے ساتھ کابراً عن کابر چلا آ رہا ہے اور اس میں کبھی ایک لحہ کیلئے بھی انقطاع واقع نہیں ہوا اور اس میں مسلمانوں کی محنت سے زیادہ قرآن حکیم اور اس کے سائے تلے نشو ونما پانے والے علوم وفنون کے اعجازی پہلو کا زیادہ تعلق ہے۔ اس لیے یقیناً وہ لوگ خوش قسمت اور خوش نصیب ہیں جنہیں ان علوم کو پڑھنے اور پڑھانے کا موقع ملتا رہتا ہے اور جن کے سینے یادِ یار مہربان اور ہونٹ ذکر یار سے معطر اور منور رہتے ہیں اور انہوں نے دشمنوں کی ہزاروں کوششوں اور ہزاروں کاوشوں کے باوجود اس تعلیم کا پرچم بلند رکھا۔ اللہ تعالیٰ علوم اسلامیہ کے ان جان نثاروں پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

لیکن مسئلہ یہ ہیکہ ہمارے درسِ نظامی میں نصاب تعلیم کی طرح اندازِ تدریس بھی

Marfat.com

صدیوں کی روایت اور قدامت رکھتا ہے اور آج بھی درس نظامی کی کتب پڑھانے کا طریقہ اور انداز وہی ہے جو صدیوں پہلے ہندوستان بھر میں خصوصاً اور باقی دنیائے اسلام میں عموماً رائج اور نافذ تھا۔ ابتدائی دور میں چونکہ پڑھانے والے اساتذہ تدریس میں خصوصی مہارت رکھتے تھے اور پڑھنے والے بھی محض ذاتی شوق اور محنت سے پڑھا کرتے تھے اس لیے اس وقت اساتذہ کی تربیت نہ ہونے کے باوجود بہت عمدہ طریقے سے کام چل رہا تھا"۔

اساتذہ کی تعلیم و تربیت کا عدم انتظام ایک انتہائی اہم پہلو ہے جس سے دینی مدارس تا حال غفلت برت رہے ہیں۔ ملک بھر کے اندر اس پہلو کی اہمیت کے پیشِ نظر چند اصحابِ فکر و نظر نے اس پر سنجیدگی سے غور کیا ہے اور مثبت نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ ماضی قریب میں الشریعہ اکادمی کے ذمہ داران نے ملک بھر سے ممتاز ماہرین تعلیم اور پروفیسرز کو مدعو کر کے فکری نشستوں اور تربیتی ورکشاپس کا انعقاد کیا تھا جبکہ حال میں جامعۃ الرشید کراچی کے اربابِ فکر و نظر نے "جدید تعلیمی نفسیات" کے موضوع کو باقاعدہ نصاب کا حصہ بنا کر عملی کوشش کو آغاز کیا ہے اور تدریب الدعاۃ والمعلمین کے شعبے کا احیاء بھی جامعۃ الرشید کراچی کے ذمہ داران ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

جدید تدریسی معاونت کی ضرورت و اہمیت

اساتذہ کی تعلیم و تربیت اور جدید تدریسی معاونت کی ضرورت و اہمیت کے حوالے سے فاسٹ یونیورسٹی لاہور کے پروفیسر حافظ سمیع اللہ فراز لکھتے ہیں "ہمارا طریقہ تدریس یہ ہے کہ جو ہم دیکھتے چلے آ رہے ہیں اور جس طرح ہم نے اپنے استاد کو پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے اسی طرح ہم کوشش کرتے ہیں کہ آگے پڑھائیں، کیونکہ ہمیں بتایا ہی نہیں گیا اور نہ ہم نے اپنے استاد کے علاوہ کسی اور کو پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب جدید طریقۂ تدریس میں ملٹی میڈیا آ گیا ہے، بلیک بورڈ آ گیا ہے لیکن یہ تمام چیزیں ابھی تک ہمارے مدارس میں مفقود ہیں۔ ہمارے مدارس میں طریقہ یہ ہے کہ استاد بیٹھا ہوا ہے اور تلقی اور بالمشافۃ تدریس کا جو سلسلہ ہے وہی چلتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ طریقہ اس وقت مفید تھا جب لوگوں کے حافظے بہت اچھے ہوتے تھے، استاذ نے

Marfat.com

ایک بات کہی اور طالبعلم نے اسے محفوظ کر لیا۔ لیکن اب وہ نہ حافظے رہے نہ وہ مزاج رہے اور نہ ہی ہمارے مدارس میں اس قسم کے طلباء آتے ہیں، ہمیں اس بات کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ عموماً جو بچہ گھر میں سب سے نکما ہوگا اس کو مدرسے میں داخل کرا دیں گے تو جب طلباء کی ذہنی سطح یہ ہو تو اس میں پھر ہمیں ان تمام چیزوں کا سہارا لینا چاہیے جو تدریس میں اضافی معاونت کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ ایک استاذ زبان سے کچھ کہتا ہے اور طالبعلم اس کو سن کر اس کا تکرار کرتا ہے تو اس طرح ایک محدود وقت کیلئے وہ بات طالبعلم کے ذہن میں رہتی ہے لیکن اگر صرف سماعت کی بجائے بلیک بورڈ اور ملٹی میڈیا بھی استعمال کیا جائے تو اس سے طالبعلم کے دیگر حواس بھی کام کرتے ہیں۔ استاد نے ایک چیز لکھ کر طالبعلم کو سمجھائی تو اس نے سنی بھی، دیکھی بھی اور سمجھی بھی، کتنے حواس سے وہ مطلوبہ چیز کو اخذ کر رہا ہے تو میرا خیال ہے کہ ہمارے طریقۂ تدریس میں تبدیلی ضرور آنی چاہیے۔ کم از کم بلیک بورڈ کا استعمال تو ضرور کیا جائے حتیٰ کہ اگر کوئی ایسا فن پڑھایا جا رہا ہو جس میں اس کی ضرورت نہیں پڑتی تو بھی اس میں ایسی چیزیں لے کر آئی جائیں کہ اس کا استعمال ہو سکے اور طالبعلم کے حواس کو زیادہ سے زیادہ مصروف رکھا جائے۔

(دینی مدارس اور عصر حاضر)

۱۱۵۲۳۸

Marfat.com

عصر حاضر میں معاشرتی تقاضے کیا ہیں؟

اس بات میں شک نہیں کہ ہمارے دینی اداروں میں رائج ''درسِ نظامی'' ایک مربوط اور منظم انداز میں کام کر رہا ہے اور اس میں پڑھائے جانے والے علوم وفنون انتہائی جامعیت کے حامل ہیں مگر سوال ان طلباء کے بارے میں پیدا ہوتا ہے جو آٹھ سال دینی مدارس میں پڑھ کر فراغت کے بعد کسی شعبے میں جگہ نہ ملنے پر دربدر کی ٹھوکریں کھانے اور دنیا داری میں ملوث ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک ایسا سوال ہے جو بہت کم ذہنوں میں ابھرتا ہے۔ اگر ہم بنظرِ عمیق معاشرتی تقاضوں پر غور کریں تو بآسانی اس سوال کا جواب ڈھونڈا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فی زمانہ معاشرہ ہم سے تین قسم کے افراد طلب کر رہا ہے۔ ایسے نیک اور باشرع افراد جو مساجد کو آباد کریں اور امامت وخطابت کا فریضہ سرانجام دیں۔ (۲) ایسے ذہین اور قابل افراد جو سکول، کالجز اور یونیورسٹیوں میں اسلامیات کا مضمون پڑھا سکیں۔ (۳) ایسے باصلاحیت، باریک بین اور صاحب نظر افراد جو دینی اداروں میں رہ کر درسِ نظامی کو سنبھالیں اور اسے آئندہ نسل تک منتقل کریں۔

اختلاف رائے کی گنجائش ہے مگر راقم کا نظریہ ہے کہ اول الذکر افراد کیلئے درسِ نظامی کی چنداں ضرورت نہیں۔ ان کیلئے بنیادی دنیاوی تعلیم میٹرک، حفظ اور نماز روزہ اور حج وزکوۃ کے مسائل کا جاننا کافی ہے۔ چہ جائیکہ وہ مدارس میں رہ کر آٹھ سال کا وقت لگائیں ان کیلئے ایک تین چار سالہ نصاب مرتب کیا جائے جس میں انہیں عقائد، ارکان اسلام، مشہور تفسیر، حدیث کی کوئی جامع کتاب، فہم مسائل، جدید مسائل اور جدید معیشت وتجارت پر کوئی کتاب پڑھائی جائے نیز اس کے علاوہ جدید علوم وفنون اور تقریر وتحریر پر بھی توجہ دی جائے غرضیکہ ایک ایسا جامع اور مربوط نصاب مرتب کیا جائے جسے پڑھ کر طلباء امامت وخطابت کے اہل ہو سکیں۔ اس نصاب کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ وہ استعداد جو طلباء مدارس میں آٹھ سال کا وقت لگانے کے باوجود بھی نہیں حاصل کر پاتے وہ ان چار سالوں میں حاصل ہو جائے گی اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ طلباء جو گھریلو مجبوریوں کے باعث درمیان میں سلسلۂ تعلیم ترک کر دیتے ہیں وہ اس مختصر نصاب سے فائدہ اٹھا کر اپنی تشنگی کو دور کر سکیں گے۔

Marfat.com

ثانی الذکر افراد کیلئے بھی درسِ نظامی کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ وہ درسِ نظامی میں آٹھ سال لگائے بغیر بھی اسلامیات کا سبجیکٹ پڑھا سکتے ہیں۔ دراصل ان افراد کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ موجودہ دور میں جو پروفیسرز سکول و کالجز میں اسلامیات کا مضمون پڑھاتے ہیں ان کا فعل ان کے قول کے خلاف ہوتا ہے۔ وہ بات نماز کے فضائل کی کرتے ہیں مگر خود انہی کبھی مسجد جانا نصیب نہیں ہوتا اور یوں اسلامیات کے مضمون کی افادیت بالکل ہیچ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مزید خرابی یہ ہے کہ وہ مستشرقین اور اسلام دشمن عناصر کی پھیلائی ہوئی غلط اسلامی تعلیمات سے بھی متاثر ہوتے ہیں اور وہی غلط نظریات آگے اپنے سٹوڈنٹس میں منتقل کرنے کی سعی کرتے ہیں، نتیجتاً ہماری نئی نسل اسلام کے بنیادی عقائد اور ارکانِ اسلام کے بارے میں طرح طرح کے شبہات کا شکار ہو جاتی ہے۔ آج ہمارا معاشرہ ایسے افراد کا تقاضا کر رہا ہے جو خالص صحیح العقیدہ اور پکے مسلمان ہوں، مستشرقین کی غلط بیانی نے ان کو متاثر کیا ہو اور نہ ہی وہ کسی اسلام دشمن پروپیگنڈے کے زیرِ اثر رہے ہوں۔ ان میں دین کی تڑپ، محنت کا جذبہ اور مسلم معاشرے کی ترقی کی فکر موجزن ہو، وہ نہ صرف اسلامیات کا سبجیکٹ پڑھائیں بلکہ آئندہ نسل اور نوجوانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائیں، ان کی اخلاقی اور روحانی اصلاح کریں، ان کے اندر دین کی تڑپ، امتِ مسلمہ کی بہتری کی فکر پیدا کریں، انہیں اسلام دشمنوں اور ان کے منصوبوں سے خبردار کریں، وطنِ عزیز کی محبت اور اس کے لیئے تن من دھن قربان کرنے کا جذبہ بیدار کریں۔ بلاشبہ دینی مدارس میں مذکورہ امور کی تعلیم بطریقِ احسن دی جاتی ہے اور ان اداروں سے فارغ ہونیوالے طلباء ان صفات سے متصف ہوتے ہیں مگر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ پانچ لاکھ طلباء کو تو آپ یہ تعلیم دیں اور پانچ کروڑ طلباء اس تعلیم سے محروم رہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ جب اسلامی تعلیمات سے یکسر بیگانہ اور مستشرقین سے متاثر پروفیسرز اپنی ذہنی لغویات نئی نسل کے ذہنوں میں منتقل کرتے ہیں تو وہ بھی اسلام کی صحیح اور اساسی تعلیمات سے بیگانہ رہتی ہے اور دوسری طرف ہم ہاتھ سر پر رکھ کر رونے بیٹھ جاتے ہیں جی تبدیلی نہیں پیدا ہو رہی۔ نئی نسل گمراہ ہو رہی ہے۔ بھائیو! ہم نے نئی نسل کی اصلاح کیلئے کیا کیا ہے؟ بکریوں کے ریوڑ پر شیر کو محافظ بنا کر کہتے ہیں کہ بکریاں تباہ ہو رہی ہیں۔ نئی نسل پر گمراہ کن پروفیسرز کو مسلط کر کے کہتے ہیں کہ نئی نسل تباہ ہو

Marfat.com

رہی ہے۔ اگر ہم تبدیلی چاہتے ہیں تو اس کے بنیادی اسباب پہ غور کرنا ہوگا اور اس کے مطابق پالیسی اختیار کرنی ہوگی۔

مشاہدے کی بات ہے کہ اگر کوئی درسِ نظامی پڑھا ہوا طالبعلم کسی سکول یا کالج میں پڑھانا شروع کر دے تو اسے تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے جی یہ تو گمراہ ہوگیا، اس نے اپنے اکابر کے راستے کو چھوڑ دیا وغیرہ وغیرہ۔ ثانی الذکر طلباء کی بابت ایک خاص بات جو یہاں ذکر کرنے کے قابل ہے وہ یہ کہ ایسے طلباء کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی جائے اور ان کے دلوں میں اسلام کی سچی محبت بٹھائی جائے۔ انہیں یہ درس دیا جائے کہ حقیقی عزت اور دل کا سکون واطمینان صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرنے میں ہی ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب وہ باہر معاشرے میں جائیں گے تو دنیاوی زرق برق سے متاثر ہونے کی بجائے اپنے متعلقہ ماحول کو اسلامی رنگ میں رنگنے کی فکر اور سعی کریں گے۔ خلاصہ یہ کہ ایسے طلباء اگر مرقات، سوال کابلی، تحریر سنبٹ، توضیح تلویح، شرح تہذیب، قطبی اور مختصر المعانی وغیرہ نہ بھی پڑھیں تو پھر بھی وہ اسلامیات کا مضمون پڑھا سکتے ہیں، لہٰذا ایسے طلباء کیلئے بھی بنیادی دنیاوی تعلیم میٹرک کے بعد ایک چار سالہ نصاب مرتب کیا جائے جس میں انہیں اسلامیات کا ماسٹر بنادیا جائے۔ اس کے علاوہ ایسے طلباء ساتھ ساتھ اپنی دنیاوی تعلیم بھی جاری رکھیں۔

مؤخر الذکر طلباء کیلئے بلاشبہ درسِ نظامی کی ضرورت ہے کہ وہ آگے چل کر اسی شعبے کے احیاء کا فریضہ سرانجام دیں گے لہٰذا ایسے طلباء پر خوب محنت کی جائے اور درسِ نظامی میں شامل ہر فن کی ہر کتاب کے اصول وفروع، کلیات وجزئیات غرضیکہ ہر بحث ان کے سامنے کھول کر بیان کی جائے۔ کیونکہ ان کا مقصد ہی ان علوم کا تحفظ اور بقاء ہے۔

ایسے طلباء کے ذہنوں میں پختگی کے ساتھ یہ بات بٹھادی جائے کہ ان کی تعلیم کا مقصد درسِ نظامی میں شامل اسلامی علوم وفنون کا تحفظ اور بقاء ہے۔ انہیں یہ بھی ذہن نشین کرادیا جائے کہ یہ مقصد کوئی عام مقصد نہیں بلکہ یہ وہی مقصد ہے جس کی تکمیل کیلئے 1867ء میں تھانہ بھون کے چھوٹے سے قصبے دیوبند سے تحریک شروع ہوئی تھی۔

ضیاعِ وقت اور مقامِ افسوس ہے کہ ہم مدرسے میں آنے والے ہر شخص کو کہتے ہیں کہ چلو

Marfat.com

بھئی! کمر کس لو اور اسلامی علوم و فنون کے تحفظ کا فریضہ سرانجام دو اور یوں وہ نو وارد آٹھ سال بغیر کسی جائز مقصد کے پاپڑ بیلتا رہتا ہے۔ یاد رہے کہ درسِ نظامی کے یہ تینوں شعبے اختیاری ہوں اور ہر طالبعلم کو اپنی پسند کا شعبہ اختیار کرنے کی اجازت ہو اور یہ اختیاری تعلیم کوئی نئی ایجاد نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کے دور سے چلی آ رہی ہے۔ آپ نے قرآن اور عربی زبان کی تعلیم لازمی جب کہ عربی کے علاوہ دیگر زبانوں اور جسمانی تربیت کی تعلیم کو اختیاری تعلیم کا درجہ دیا تھا۔

اس موضوع پر سابق وفاقی وزیر مذہبی امور اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے سابق صدر جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب (اللہ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے) نے ''الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ'' کے زیرِ اہتمام منعقدہ ورکشاپ میں ایک مفصل اور جاندار مقالہ پیش کیا تھا جس میں انہوں نے دارالعلوم دیوبند کے قیام کا پسِ منظر، ملا نظام الدین سہالوی کے درسِ نظامی اور موجودہ درسِ نظامی کی بابت مفصل گفتگو کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے مقالہ سے چیدہ چیدہ باتیں نذرِ قارئین ہیں۔

''دارالعلوم دیوبند کی کاوش یا مہم ایک بدلی ہوئی صورت حال میں دفاعی اور وقتی کوشش تھی۔ وہ آئیڈیل صورت تھی اور نہ ہی وہ آئیڈیل حالات تھے، نہ وسائل دستیاب تھے نہ حکومتی سرپرستی دستیاب تھی اور نہ وہاں سے فارغ شدہ حضرات کیلئے (موجودہ دور کیطرح) قیادت کے مناصب موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے آج جتنا دین بھی موجود ہے ان کی کاوش ہی سے موجود ہے۔ لیکن اب ضرورت اس امر کی ہے کہ جو دین موجود ہے اس کو زندگی کے روزمرہ معاملات سے Relate کیا جائے اور اس کو معاشرے میں فعال قائدانہ کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں لایا جائے۔ اس مقصد کیلئے ضروری ہے کہ اہل دین کے پاس دینی علوم کا تخصص بھی موجود ہو اور جس دنیا اور جس معاشرے میں انہیں قیادت کرنی ہے اس کے بارے میں بھی قائدانہ اور ناقدانہ واقفیت انہیں حاصل ہو۔

کیا پاکستان بننے کے بعد بھی دینی مدارس کے تقاضے وہی تھے (جو دارالعلوم کی ابتداء میں تھے) میرے خیال میں ایسا نہیں تھا۔ پاکستان بننے کے بعد اب دینی مدارس سے تین قسم کے تقاضے ہیں اور ان تینوں تقاضوں کی ضروریات الگ الگ ہیں۔ ایک تقاضا تو یہ ہے کہ ہمارے

Marfat.com

ہاں جو مساجد ہیں ان میں ہمیں تربیت یافتہ امام درکار ہیں۔ یہ سب سے پہلا تقاضا ہے جو مسلمانوں کی دینی زندگی کا سب سے لازمی مطالبہ ہے، میرا خیال ہے کہ ایک امام مسجد کو درس نظامی پڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں، اگر وہ "ہدیہ سعیدیہ" "سوال کابلی" اور "تحریر سنبٹ" وغیرہ نہیں پڑھے گا تو بھی وہ ایک اچھا امام بن سکتا ہے اور اگر پڑھ لے گا تو اس کے اچھا امام بننے میں ان کتابوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔ اچھا امام بننے یا نہ بننے میں ان علوم وفنون کا سرے سے کوئی عمل دخل نہیں۔ اس لئے یہ تحصیل حاصل، وقت کا ضیاع اور وسائل کا ضیاع ہے۔ آپ نے ہزاروں ایسے لوگوں کو دیکھا ہوگا اور آگے چل کر کروڑوں ایسے لوگوں کو دیکھیں گے جنہوں نے آٹھ دس سال لگا کر یہ ساری چیزیں یاد کیں، پھر پچاس سال امامت کی اور پچاس سالہ امامت میں کسی نے ان سے "ہدیہ سعیدیہ" کا کوئی سوال نہیں پوچھا۔ ان کو کبھی "تحریر سنبٹ" کا کوئی مسئلہ بیان کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ جو مسائل لوگ پوچھتے ہیں اور جو روزانہ دین کی رہنمائی میں درکار ہوتے ہیں وہ تو اس کو پڑھائے نہیں جاتے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ شیئرز مارکیٹ میں پیسہ لگانا جائز ہے یا نہیں۔ ان میں سے اکثر کو یہ ہی پتہ نہیں ہوتا کہ شیئرز کہتے کس کو ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہمارا یہ نظامِ تعلیم اچھا امام تیار نہیں کر سکتا۔

اب سوال یہ ہے کہ ایک اچھے امام کی حقیقی ضروریات کیا ہیں؟ اس پر غور و فکر ہونا چاہیے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ کم از کم تعلیمی معیار (یعنی میٹرک) کے بعد دینی مدارس میں طلبہ کو داخلہ دیا جائے اور ایسے طلباء کیلئے حفظ قرآن لازمی ہو۔ اس کے بعد تین سال کا ایک نظام اور نصاب ایسا ہو جس میں بقدر ضرورت عربی زبان پڑھائی جائے، اتنی کہ طلباء تفسیر، حدیث اور فقہ کی عام کتابیں پڑھ سکیں۔ عربی زبان کے علاوہ حدیث اور علومِ حدیث پر کوئی ایک آدھ جامع کتاب مثلاً مشکوٰۃ یا معارف الحدیث یا کوئی اور اچھی کتاب پڑھا دی جائے۔ اسی طرح اردو کی کوئی تفسیر اور کوئی عربی کی مختصر تفسیر پڑھا دی جائے یا ایک دو فقہ کی کتابیں ہوں اور کوئی ایک آدھ کتاب جدید معاشیات پر۔ اس طرح کا تین سالہ نصاب ہو جس میں تقریر کی مشق بھی ہو اور تجوید بھی اس میں شامل ہو۔ جو یہ نصاب مکمل کرے وہ امام بننے کا اہل ہو اور پھر اس کو امام بننے کا موقعہ بھی دینا چاہیے تاکہ وہ اپنا اور ادارے کا مزید وقت اور وسائل ضائع نہ کرے اس لئے کہ اس کو اس سے

Marfat.com

آگے کام نہیں کرنا۔

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں:

اس کے بعد تعلیم کا دوسرا درجہ ان لوگوں کیلئے ہے جو دینی علوم کے مدرس یا معلم بننا چاہتے ہیں، آج پاکستان کے ہر سکول و کالج میں بی اے تک اسلامیات لازمی ہے۔ ہر سکول و کالج میں اسلامیات کے ٹیچر ہوتے ہیں یہ دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ کچھ تو وہ ہیں جو سرکاری اداروں میں ایم اے کر کے آئے ہیں اور ان کا علم بڑا ناپختہ ہے وہ اردو میں اسلامیات پڑھتے ہیں اور امتحان پاس کر لیتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ ناظرہ قرآن پاک بھی نہیں پڑھ سکتے۔ میں نے اسلامیات کے ایسے اساتذہ دیکھے ہیں جن سے نماز پڑھانے کیلئے کہا جائے تو نماز نہیں پڑھا سکتے، قرآن پاک کی شاید چار سورتیں بھی ان کو یاد نہ ہوں وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کچھ پڑھا ہی نہیں ہوتا فقط اردو میں پڑھ کر امتحان پاس کر لیتے ہیں اور ان کو ڈگری مل جاتی ہے اور یوں وہ اسلام کے مجتہد اور مفتی بن جاتے ہیں یہ بھی ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو مدرسے کی لائن سے آئے ہیں۔ مدرسوں میں میبذی، شرح عقائد اور خیالی قسم کی جو اسلامیات پڑھائی جاتی وہ ان سکول و کالجز میں کام نہیں دیتی۔ یہاں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے ہم نے ان لوگوں کو تیار نہیں کیا۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے ابتدائی تین سال کے بعد مزید تین سال کا ایک نصاب ہونا چاہیے جن کا مقصد یہی ہو کہ آپ کو سکولوں اور کالجوں کیلئے اسلامیات کے معلم تیار کرنے ہیں۔ اس کے بعد تیسری ضرورت یہ ہے کہ ہمیں ایسے لوگ درکار ہیں جو خود ان دینی مدارس میں اعلیٰ درجے کے متخصص ہوں جو کتابیں پڑھا سکیں اور اعلیٰ درجے کے علوم وفنون کی تدریس کر سکیں، ہمیں فقہاء درکار ہیں، محدثین درکار ہیں، مفسرین درکار ہیں، مفتی درکار ہیں جو ان سب علوم کے متخصص ہوں اس کیلئے الگ سے چار پانچ سال کی تیاری چاہیے جب تک وہ تیاری نہیں ہوگی مطلوبہ افراد تیار نہیں ہوں گے۔

یہ تین درجے تو عام ہیں جن کی ہر وقت ضرورت ہے ان کے بعد ایک درجہ اور ہے جس کے لئے مزید محنت درکار ہے۔ یہ درجہ وہ ہے کہ جو مغربی علوم وفنون کی تنقیح کا فریضہ سرانجام دے۔ وہ ناقدانہ جائزہ لے کر یہ بتائے کہ ان میں کیا چیز کمزور اور کیا چیز مضبوط ہے۔ کونسی بات اسلام کے

Marfat.com

مطابق ہے اور کونسی نہیں۔ ان میں جو فقہ کا متخصص ہو وہ مغربی قانون کا تنقیدی جائزہ لے، جو فقہ المعاملات کا متخصص ہو وہ ان کی معاشیات کا جائزہ لے جو اصول فقہ کا متخصص ہو وہ ان کے اصول قانون کا جائزہ لے۔

اس سارے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کتنا وقت لگے گا۔ کتنے لوگ تیار ہوں گے؟ یہ اللہ بہتر جانتا ہے لیکن جب تک یہ سارے کام نہیں ہوں گے، اسوقت تک امتِ مسلمہ کا مستقبل اس طرح نہیں بن سکتا جس طرح ہم بنانا چاہتے ہیں۔ آج صورتِ حال یہ ہے کہ نظام ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو اسلام سے واقفیت نہیں رکھتے۔ اسلام کے ساتھ ان کی جذباتی وابستگی تو ہے اور ان میں سے بہت سے اچھے مسلمان بھی ہیں لیکن جذباتی وابستگی کی بنیاد پر عمارت بنانے کی مثال ایسی ہے جیسے آپ ریت پر بیس منزلہ عمارت بنانا چاہیں۔

آج صورت حال اس قدر گوناگوں ہے کہ وطن عزیز کا نظام چلانے والا طبقہ اسلامی تعلیمات سے یکسر ناواقف اور نابلد ہے۔ یہ انگریزی اصول وقانون سے تو واقف ہیں لیکن فقہ اور اصولِ فقہ سے واقف نہیں۔ انگریزی قوانین اس کے تصورات واستدلالات اور عقائد سب ان کے رگ وپے اور گھٹی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اب اگر آپ نظام بدلنا چاہتے ہیں تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ کہ آپ انہیں مجبور کریں کہ وہ اپنا سب کام چھوڑ کر اصولِ فقہ پڑھیں اور ظاہر ہے کہ ایسا عقلاً محال ہے۔ اور اگر آپ سے کوئی کہے کہ آپ اپنی ملازمت، تدریس یا نوکری چھوڑ کر پانچ سال یا دس سال اصول وقانون پڑھنے پر لگائیں تو آپ ہرگز تیار نہ ہوں گے۔ آپکے مشاغل و مسائل آپ کو اجازت نہ دیں گے۔ اسی طرح ان لوگوں کے مشاغل بھی اس امر کے متحمل نہیں ہوتے کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر قدیم محاورے میں لکھے اسلامی علوم وفنون میں مہارت حاصل کریں۔ ایک وکیل اپنی وکالت کیوں چھوڑے گا؟ اگر چھوڑ دے تو کھائے کہاں سے؟ اور مزے کی بات یہ کہ ان پانچ سالوں میں بھی اتنی واقفیت نہیں ہوتی جتنی ہونی چاہیے۔ لہذا اگر آپ نظام میں تبدیلی چاہتے ہیں تو آپ کو کئی سال محنت کرنی پڑے گی ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ آج کوئی اسلامی تحریک یا کوئی دینی جماعت دھرنا دیدے اور کل اس کے نتیجے میں نظام ہمارے قابو میں آجائے۔ اس کیلئے بڑا وقت درکار ہے۔ تبدیلی کیلئے کم از کم پچاس سال کا عرصہ درکار ہے۔ اگر یہ کام آج سے پچاس

Marfat.com

سال قبل شروع ہو جاتا تو آج یہ تبدیلی آچکی ہوتی۔

استحضار کیلئے دوبارہ عرض ہے کہ مطلوبہ تبدیلی کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ جو لوگ اصولِ قانون کے ماہر ہیں انہیں اصول فقہ کا ماہر بنا دیا جائے اور ایسا ممکن نہیں۔ دُوسری شکل یہ ہے کہ جو اصولِ فقہ کا ماہر ہے اسے بقدر ضرورت اصول قانون کا بھی ماہر بنا دیا جائے تو یہ صورت بہ نسبت پہلی صورت کے آسان اور ممکن دکھائی دیتی ہے۔ میں نے یہ صرف قانون کے شعبے کی مثال دی ہے یہ مثال علم سیاسیات، سوشیالوجی، معاشیات اور دیگر علوم وفنون پر بھی منطبق آتی ہے۔

ہمدردی یا منافقت؟

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں: ”جب میں اس طرح کی باتیں کرتا ہوں اور دینی و دنیوی علوم کو یکجا کرنے کی آواز لگاتا ہوں تو بعض علماء کرام یہ سمجھتے ہیں اور بعض نے تو باقاعدہ مجھ سے اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ میں اس بات کا داعی ہوں کہ مدارس کو میڈیکل کالجز میں Convert کر دیا جائے یا انہیں انجیئر نگ کے ادارے بنا دیا جائے۔ ایک بڑے محترم اور بزرگ عالم نے مجھ سے غصے سے پوچھا کہ کیا انجینئر نگ کالجز میں مولوی تیار ہو رہے ہیں؟ لیکن یہ اعتراض درست نہیں اس لئے کہ ہمارا مقصد نہ انجینئر تیار کرنا ہے اور نہ ہی میڈیکل ڈاکٹر بنانا ہے۔ بلکہ ہمارا مقصد تو علماء کرام تیار کرنا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر زمانے کا ایک محاورہ ہوتا ہے اور ایک زبان ہوتی ہے۔ قرآن مجید اور سنت تو ایسی چیزیں ہیں جو ہمیشہ کیلئے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ ان کا محاورہ ہر دور کیلئے ہے اور ہر دور کیلئے رہے گا ان کے محاورے میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، وہ ہمیشہ وہی رہے گا اور ان کو ہمیشہ انہی کے محاورے اور انہی کی اصطلاح میں سمجھا جائے گا، لیکن فقہاء کرام، شارحین حدیث اور مفسرین نے شریعت کے نصوص کو اپنے زمانے سے Relate کیا اور اپنے زمانے کے محاورے میں اس کی تعلیم کو مرتب کیا ہے اور یہ محاورہ حالات کے بدلنے سے بدل جاتا ہے۔ ماضی میں بھی بدلتا رہا ہے اور آئندہ بھی بدلتا رہے گا۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں۔ وہ علماء کرام جن کے پاس ٹھوس دینی علوم موجود ہیں، جن کے پاس پاور ہاؤس اور اس میں قوت کا ذخیرہ موجود ہے چونکہ ان کا محاورہ آج کے محاورے سے مختلف ہے

Marfat.com

اس لئے دور جدید کا آدمی ان کے علوم سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ آج سے کم وبیش 25 سال پہلے وفاقی شرعی عدالت قائم ہوئی۔ جسٹس صلاح الدین مرحوم اس کے پہلے چیف جسٹس تھے، بہت نفیس انسان تھے، میرے مشورے سے انہوں نے بعض علماء کرام کو وفاقی شرعی عدالت کا مشیر مقرر کیا، میں نے ان سے کہا کہ ان سب کو کھانے کی دعوت دیں، انکی تعداد تقریباً ۳۰،۳۵ تھی، چنانچہ انہوں نے پورے پاکستان سے ان جید علماء کرام کو کھانے کی دعوت دی۔ ایک بزرگ جو بہت ٹھوس عالم تھے، انتہائی گہرا علم رکھتے تھے وہ ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئے۔ چیف جسٹس صاحب نے ان سے پوچھا کہ حضرت! Islamic State کی Mininmum Requirement کیا ہیں؟ بالکل یہی الفاظ تھے یعنی کسی ریاست کے اسلامی ریاست ہونے کے کم سے کم تقاضے کیا ہیں؟ اس کا وہ کوئی جواب نہ دے پائے کیونکہ وہ سوال سمجھے نہیں تھے۔ چیف جسٹس صاحب نے دوبارہ اردو میں پوچھا پھر بھی اس کا کوئی صحیح جواب نہ دے پائے۔ میں تھوڑے فاصلے پر تھا مجھے خیال ہوا کہ یہ صفِ اول کے عالم ہیں، اگر یہ بھی اس سوال کا جواب نہ دے سکے تو علماء کرام کے بارے میں چیف جسٹس کے دل میں منفی اثرات پیدا ہوں گے۔ میں نے درمیان میں مداخلت کی گستاخی کرتے ہوئے کہا کہ شاید چیف جسٹس صاحب یہ پوچھنا چاہ رہے ہیں کہ ''دارالسلام'' کی تعریف کیا ہے؟ اب انہوں نے فوراً جواب دیا اور بڑے مدلل انداز میں جواب دیکر چیف جسٹس صاحب کو بڑی حد تک مطمئن کر دیا اس وقت یہ بات مجھ پر واضح ہوئی کہ علماء کرام کے پاس علم تو ہے محاورہ کوئی نہیں۔

محاورہ ہر زمانے کا مختلف ہوتا ہے اور ہر زمانے کے علوم سے متاثر ہوتا ہے۔ جس زمانے میں منطق نہیں آئی تھی آپ اس زمانے کی اصول فقہ کی کتابیں دیکھیں کہ ان کا انداز کیا تھا، امام شافعی کی کتاب ''الرسالۃ'' پڑھیں اس کے بعد آپ خود شافعی فقیہ امام غزالی کی ''المستصفی'' پڑھیں دونوں کے محاورے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اسرار حدیث پر شاہ ولی اللہ نے ایک کتاب لکھی ہے۔ ''مقام السنۃ'' میں امام خطابی نے بھی اسرار حدیث پر کچھ لکھا ہے آپ ان دونوں کتابوں کو پڑھیں تو دونوں کے محاورے میں زمین وآسمان کا فرق محسوس ہوگا۔ شاہ ولی اللہ کا سارے کا سارا محاورہ یونانی فلسفے پر مبنی ہے۔ میبذی اور شرح ھدایۃ الحکمت اور فلسفے کے بارے

Marfat.com

میں جو جو کتابیں اس وقت رائج تھیں ان سب کے اثرات اور مصطلحات شاہ صاحب کی ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں موجود ہیں۔ اب علم خالص علم حدیث ہے لیکن شاہ صاحب منطق اور فلسفے کے محاورے میں بات کر رہے ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ خلط مبحث اور غلط فہمی ہوتی ہے کہ علماء کو انجینئر یا ڈاکٹر بنانا مقصود ہے۔ نہیں بلکہ مقصود تو یہ ہے کہ وہ علوم وفنون جنہوں نے آج کل کی تہذیب کی تشکیل کر رکھی ہے اور جن کی بنیاد پر آج ساری دنیا کا نظام چل رہا ہے حتیٰ کہ سعودی عرب اور پاکستان میں بھی چل رہا ہے اس نظام سے علماء بھی واقف اور مانوس ہوں۔ اس کو سمجھیں اور پھر اس محاورے میں بات کر کے عوام کی ذہن سازی اور ان کی قیادت کریں۔

آج کل جو یہ تاثر پیدا ہو گیا ہے کہ دینی اور دنیوی علوم جدا جدا ہیں یہ اسلامی تاثر نہیں بلکہ یہ مغرب کا تحفہ اور مغربی سیکولرازم کی باقیات واثرات میں سے ہے۔ مجھے یہ بات کہنے میں کوئی تأمل نہیں اور میں بغیر کسی تردد کے یہ بات عرض کرتا ہوں کہ جب تک یہ دو نظام الگ الگ رہیں گے دنیائے اسلام میں سیکولرازم کو فروغ ملتا رہے گا۔ سیکولرازم کیا ہے؟ سیکولرازم یہ ہے کہ جو چیز مذہبی ہے وہ مذہب کے دائرے میں رہے اور جو غیر مذہبی ہے وہ غیر مذہبی دائرے میں رہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی اتفاق پیدا نہ ہو۔ یہ دونوں ایک نہر یا ایک دریا کے دو کنارے ہیں جو کبھی آپس میں نہیں ملتے اور ایک دوسرے کے مشورے پر چلتے رہتے ہیں۔ زندگی کو دو متوازی نظاموں اور دو متوازی حصوں میں تقسیم کرنا اسی کو سیکولرازم کہتے ہیں اور یہی لامذہبیت اور لادینیت ہے۔ لادینیت کسی اور چیز کا نام نہیں۔ (روایت بالمعنیٰ)

(دینی مدارس اور عصر حاضر)

Marfat.com

یہ کیسی تڑپ اور کیسی حکمت عملی ہے؟

جب ہم نظامِ تعلیم کی بات کرتے ہیں تو نصاب، کتابوں، تعلیمی ماحول اور بہت سی دیگر باتوں سے پہلے جو بات زیر بحث آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس تعلیمی نظام کے مقاصد کیا ہیں؟ ہمارے مدارس میں ایک بات مشہور ہے اور وہ یہ کہ ہم نے بس علماء اور مولوی پیدا کرنے ہیں جو مسجدیں سنبھالیں اور مدرسے چلائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ناقص اور کمزور سوچ ہے۔ مسلمانوں کے نظامِ تعلیم میں کبھی بھی ثنویت نہیں رہی، اس میں ہمیشہ وحدت رہی ہے۔ دینی نظام تعلیم کا یہ محدود ہدف دراصل گزشتہ صدی میں اس وقت کے حالات کے تناظر میں طے کیا گیا تھا۔ درس نظامی جب ہندوستان میں رائج تھا تو سی ایس پی افسر پیدا کرنے کیلئے بنایا گیا تھا۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے انہی مدارس سے فارغ ہونے والے لوگ تحصیل دار اور کلکٹر لگتے تھے۔ جج اور قاضی بھی وہی بنتے تھے، ڈاکٹر اور طبیب بھی وہی ہوتے تھے۔ ملک کا نظام چلانے کیلئے ساری بیوروکریسی انہی مدارس سے آتی تھی۔ انگریزوں کے تسلط اور قبضے کے نتیجے میں برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت ختم ہوئی تو اس کے ساتھ ہی اس تعلیمی نظام کی بساط لپیٹ دی گئی۔ مسلمانوں نے ۱۸۵۷ء میں مزاحمت کی تو چھ چھ سو علماء کو ایک ایک دن میں درختوں کے ساتھ لٹکا دیا گیا۔ یوں کہنا چاہیے کہ ان کو پوری طرح کچل دیا گیا۔ فارسی جو اس وقت کی قومی زبان تھی اس کی جگہ انگریزی کو سرکاری زبان بنا دیا گیا۔ اس صورتحال میں کچھ علماء نے سوچا کہ اب حکومت تو ہمارے پاس رہی نہیں، پہلے بڑے بڑے واقف ہوتے تھے اور حکومتیں وسائل مہیا کرتی تھیں۔ اب یہ تعلیمی نظام ختم ہو گیا ہے اور انگریز نے سارا نظام بدل دیا ہے تو اب امت کا مستقبل کیا ہو گا؟ انہوں نے سوچا کہ ہمارا اجتماعی نظام تو باقی نہیں رہا کم از کم ہمارا یہ جو مساجد کا نظام ہے اور نکاح وطلاق کے جو مسائل ہیں، خوشی غمی کی جو رسمیں ہیں اور انفرادی اور معاشرتی زندگی کے جو مسائل ہیں ان دائروں میں ہی دین کو بچا لیا جائے۔ اگرچہ کسی کونے کھدرے میں لگ کر ہی بچایا جا سکے چنانچہ اس مقصد کیلئے انہوں نے مدرسہ دیوبند کی بنیاد ڈالی۔

سوچنے کی بات ہے کہ یہ صورت حال ۱۹۴۷ء میں ختم ہو گئی۔ اب ہم دارالحرب میں ہیں اور نہ ہی انگریز ہم پر حکمران ہے۔ اب تو آپ کا اپنا ملک ہے تو آپ ۱۸۵۷ء کے بعد والی

Marfat.com

پالیسی کیسے رکھ سکتے ہیں؟ لہذا بات یہ ہے کہ ایک مسلم معاشرے میں ہمیں صرف ایسے عالم دین ہی پیدا نہیں کرنے جو مدرسے اور مسجد کی بنیاد ڈالیں۔ یقیناً یہ بھی سنبھالنے چاہئیں لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس معاشرے کا کیا قصور ہے کہ اس کو ایسا جج نہ ملے جو دین جانتا ہو؟ مسلمانوں کی ریاست ہے تو جج آخر ایسا کیوں ہو جس کو انگریزوں کا قانون تو یاد ہو لیکن وہ شرعی قانون سے واقف نہ ہو؟ ہمارے ہاں وکیل ہیں جو قانون کی تشریح کرتے ہیں۔ ان سے پہلے مفتی ہوتے تھے، اب وکیل آ گئے ہیں تو ان وکیلوں کو اسلامی قانون کی تعلیم دینا کس کا کام ہے؟ کیا وہ دینی کام نہیں؟ کیا یہ سارا نظام ایسے ہی چلتا رہے گا؟ ہم اس کی بہتری کیلئے کچھ نہیں کریں گے؟

اس وقت دینی مدارس میں حفظ و ناظرہ کے درجات کو چھوڑ کر زیادہ سے زیادہ دو لاکھ طالبعلم پڑھتے ہیں جب کہ گزشتہ سال کے اکنامکس سروے آف پاکستان کے اعداد و شمار کے مطابق پرائمری سکولز میں داخلہ لینے والے پاکستانی بچوں کی تعداد تقریباً دو کروڑ ہے تو اب یہ کون سا دین یا کونسی حکمت عملی ہے کہ آپ دو لاکھ بچوں کو تو پڑھا رہے ہیں اور دو کروڑ کو بھولے ہوئے ہیں؟ ان کو دین کون سکھائے گا؟ کیا وہ مسلمانوں کے بچے نہیں؟ بات اس وقت حکومت یا غیر حکومت کی نہیں ہو رہی۔ سوال یہ ہے کہ اہل دین جو لوگوں کو دین سکھانا چاہتے ہیں، ان کی ان دو کروڑ بچوں تک اپروچ ہی نہیں۔ ان بچوں کو پڑھانے والے اساتذہ میں آپ کے استاد کتنے ہیں؟ ان استادوں کی تربیت میں آپ کا کتنا ہاتھ ہے؟ آپ کے پیش نظر تو دین کی خدمت ہے، آپ تو دین کو غالب کرنا چاہتے ہیں معاشرے میں دین دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ کا یہ مشن کیسے مکمل ہو سکتا ہے جب کہ آپ صرف مدرسے سے مولوی پیدا کر رہے ہیں؟ اس ملک کو چلانے والے لوگ جو مسلمان ہیں اور آپ کے بھائی ان کو دین سکھانا کیا آپ کی ذمہ داری نہیں؟ آپ اس نکتے پر غور فرمائیں کہ اہل دین کو صرف مدرسے اور مسجد تک محدود نہیں رہنا چاہیے۔ اگر آپ اس معاشرے میں اسلام چاہتے ہیں اور دین کی خدمت کیلئے آپ نے ادارے بنائے ہیں تو پھر آپ کا دائرہ کار محدود نہیں ہونا چاہیے۔ حالات کے بدلنے کیوجہ سے جو بنیادی تبدیلی آتی ہے، اس لحاظ سے آپ کو مقاصد تعلیم میں وسعت کرنی چاہیے۔ (دینی مدارس اور عصر حاضر ڈاکٹر محمد احمد غازیؒ)

Marfat.com

حصہ اول

حفظ کے طلباء (چھوٹے بچوں) کی بنیادی ضروریات

جس طرح پودے کی بنیادی ضرورت ہوا، پانی اور روشنی ہے اور اس کے بغیر پودا پھل پھول نہیں سکتا اسی طرح طلباء کی بھی کچھ بنیادی ضروریات ہوتی ہیں جن کی ماہرین نفسیات نے نشاندہی کی ہے۔ ان ضروریات کی تسکین نہ ہو تو طلباء کی شخصیت کی نشوونما اور ماحول سے مطابقت پیدا کرنے کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔

بنیادی ضرورت کا مفہوم

ہر انسان میں ایک ایسی قوت پائی جاتی ہے جو اس کی تمام حرکت و عمل کا باعث بنتی ہے۔ ماہرین نفسیات کے نزدیک یہ قوت بنیادی انسانی ضروریات سے جنم لیتی ہے۔ بنیادی ضروریات مستقل انسانی رجحانات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ وہ ہر معاشرے کے ہر قسم کے حالات میں پیدائش سے موت تک انسانی طرز عمل کو تحریک دینے کا باعث بنتی ہیں۔ بنیادی ضروریات گوناگوں اور متعدد ہوتی ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے سے مربوط ہوتی ہیں۔

اگر بنیادی ضروریات میں رکاوٹ پڑے تو وہ انسان کو مضطرب، بے چین اور بے قرار کر دیتی ہیں۔ گویا بنیادی انسانی ضرورت سے مراد انسانی فطرت کا وہ تقاضا ہے جس کے پورا نہ ہونے کی صورت میں انسان بے چین، بے قرار اور بے قابو ہو جاتا ہے۔ بھوک پیاس اس کی واضح مثالیں ہیں۔

طلباء کی بنیادی ضروریات کا علم استاد کے لئے ضروری ہے تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ طلباء کی نشوونما کے کس مرحلے میں کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اس ضرورت کے پورا کرنے کا کیا بندوبست کر سکتا ہے۔ چونکہ بنیادی ضروریات کی تسکین اور تعلیمی پروگرام کی ضروریات سے ہم آہنگی طلباء کی ذہنی صحت کے لئے ضروری ہے لہذا استاد کو چاہیے کہ طلباء کی بنیادی ضروریات معلوم کرے اور ان کے مطابق تعلیمی پروگرام کی ترتیب و تنظیم کرے۔

Marfat.com

بنیادی ضروریات کی اقسام

بنیادی ضروریات کی اقسام درج ذیل ہیں۔

۱۔ جسمانی ضروریات ۲۔ معاشرتی ضروریات

۳۔ نفسیاتی ضروریات ۴۔ جمالیاتی ضروریات

۱۔ طبعی یا جسمانی ضروریات

صحت مند جسم اور اپنی شخصیت کو برقرار رکھنا انسان کی اہم ضرورت ہے۔ انسان بلاشبہ ہوا اور خوراک کا محتاج ہے۔ جسم کی نشوونما کے لئے تازہ ہوا، روشنی، صاف اور متوازن غذا، اخراج فضلات، مناسب درجہ حرارت، حرکت اور آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر طلباء کو نشوونما کا مناسب ماحول اور بنیادی ضروریات فراہم نہ کی جائیں تو ان کا جسم لاغر، چہرہ زرد اور آنکھیں بے رونق نظر آئیں گی۔ وہ ست اور تھکے تھکے نظر آئیں گے اور کسی بھی کام میں مستعدی سے حصہ نہ لے سکیں گے۔ اگر والدین اور اساتذہ اسے تازہ ہوا، روشن فضاء، صاف پانی، متوازن غذا مستقل طور پر مہیا کر سکیں تو ان کی جسمانی نشوونما بہتر ہو سکتی ہے۔

چونکہ انسان حرکت پسند ہے یوں مناسب ورزش اس کی ضرورت بن جاتی ہے، اس لئے کھیل کود کے لئے مواقع مہیا کیے جانے چاہئیں لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں وقفے وقفے سے آرام کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ طلباء کی اہم جسمانی ضرورت جسم سے فاضل مادوں کا اخراج بھی ہے۔ گھر میں اس سلسلے میں ابتدائی تربیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مدارس میں اس ضرورت کی تشفی کے لئے صاف ستھرے بیت الخلاؤں کا معقول انتظام ضروری ہے۔ بچپن میں ان تمام ضروریات کی بہم رسانی کے سلسلے میں انسان بہت حد تک بڑوں کا محتاج ہوتا ہے۔ عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ ان ضروریات کے سلسلے میں خود کفیل ہونے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی ضروریات میں بھی اضافہ ہونے لگتا ہے۔

طلباء کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے درسگاہوں میں کشادہ ہوادار اور روشن کمرے، کھیل کے وسیع میدان اور آرام کے لئے پرسکون فضاء، آرام دہ فرنیچر، ٹائم ٹیبل میں آرام اور تفریح کے موزوں وقفے اور پینے کے لئے صاف پانی کا بندوبست نہایت ضروری ہے۔

Marfat.com

بھوک پیاس اور تھکاوٹ کے شکار طلباء بے اطمینانی، بے چینی اور اضطراب میں مبتلا ہونے کے باعث لڑائی جھگڑا اور فساد برپا کرتے ہیں اور اساتذہ کے لئے شدید دردِ سر اور بدنظمی کا مسئلہ پیدا کرتے ہیں۔ اس مسئلے کا حل ایک ذی شعور استاذ ہی طلباء کی طبعی ضروریات کو مدِ نظر رکھ کر کرسکتا ہے۔

گرمیوں میں جسم کو شدید حرارت سے بچانے کے لئے مدرسے میں ٹھنڈے پانی اور پنکھوں کا معقول انتظام اور موسم سرما کے لئے ایسے کمرے ہونے چاہیں جن میں خوب دھوپ آتی ہو۔ مگر بدقسمتی سے ہمارے اکثر مدارس موسم کی شدت سے طلباء کو بچانے کے لئے کوئی اہتمام نہیں کرپاتے۔ زیادہ سردی اور زیادہ گرمی کے ماحول میں طلباء کی نشوونما کی رفتار کم ہوجاتی ہے اور ان کے سوچنے اور سمجھنے کے عمل میں بھی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ بعض اوقات وہ اضطراب و پریشانی کا شکار ہوکر اساتذہ اور طلباء کے لئے نظم وضبط کا مسئلہ پیدا کردیتے ہیں۔

۲۔ معاشرتی ضروریات

انسان فطرتاً معاشرت پسند ہے وہ تنہا نہیں رہ سکتا جونہی بچہ ذرا ہوش سنبھالتا ہے وہ دوسروں سے میل جول کی ضرورت محسوس کرنے لگتا ہے۔ رشتے داروں، دوستوں اور خیر خواہوں کی ہمدردی، محبت اور وفاداری ہر فرد کے لئے قوت اور حوصلے کا باعث بنتی ہے۔ وہ شہر، گلی، محلے اور سکول میں اپنے آپ کو محفوظ اور اس کے برعکس اجنبی ماحول میں غیر محفوظ محسوس کرتا ہے۔ لہٰذا مضبوط اور پروقار شخصیت کی نشوونما کے لئے ہمدردی اور محبت کا ماحول فراہم کرنا ضروری ہے۔

مدرسے میں آنے سے پہلے طلباء کے لئے گھر کا ماحول بڑا مانوس اور پُرسکون ہوتا ہے۔ وہاں وہ اپنے معمولات میں کافی حد تک آزاد ہوتے ہیں۔ ان کے سونے، جاگنے، آرام کرنے اور رفع حاجت کے لئے مناسب ماحول مہیا کرنا پڑتا ہے۔ اگر استاد کا رویہ ہمدردانہ نہ ہو تو معصوم طلباء کے لئے مدرسے میں کسی طرح کی دلچسپی اور دلکشی پیدا نہیں ہوتی اور وہ نئے ماحول سے اپنے آپ کو ہم آہنگ نہیں کرپاتے۔ ایسی صورت میں وہ مدرسے سے بھاگتے ہیں اور تعلیم سے بیزار ہوجاتے ہیں اور بعض اوقات مدرسے اور تعلیم سے اس قدر خوف زدہ اور متنفر ہوجاتے ہیں کہ وہ اسے ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ استاد کا کام صرف پڑھانا نہیں بلکہ ایسی فضا اور ماحول پیدا کرنا ہے

Marfat.com

جس میں طلباء دلچسپی اور لگن سے تعلیم حاصل کریں اور ان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں اور صلاحیتوں کی نشوونما ہو۔

طلباء کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے حلقہ احباب میں عزت اور وقار کی نظر سے دیکھے جائیں۔ بعض اساتذہ طلباء کو اپنے ہم عمر طلباء سے ملنے جلنے سے روکتے ہیں۔ ایسے طلباء اپنے آپ کو دنیا میں تنہا محسوس کرتے ہیں۔ ان کی شخصیت کا سماجی پہلو بالکل مفلوج اور ناکارہ ہو جاتا ہے اور وہ بڑے ہو کر آدم بیزار اور عدم مطابقت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ عموماً پانچ سال کی عمر میں معاشرتی ضروریات واضح طور پر تحریک حاصل کرتی ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ طلباء چھوٹے چھوٹے گروپ منظم کرتے ہیں اور ناپسندیدہ طلباء کو اپنے گروپ میں شامل نہیں کرتے۔ ایسا کرنے میں وہ اپنی معاشرتی ضرورت کی تسکین محسوس کرتے ہیں دوسری طرف جنہیں کسی وجہ سے ناپسندیدہ قرار دے کر گروپ میں شمولیت سے مسترد کر دیا جاتا ہے وہ اس صورتِ حال سے بڑی کوفت محسوس کرتے ہیں۔ اس کا واضح سبب یہ ہے کہ اس معاشرتی اعتبار سے مسترد کئے جانے والے طلباء کی ایک بنیادی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ لہذا وہ نفسیاتی اعتبار سے محرومیت محسوس کرتے ہیں اور بے چین ہو جاتے ہیں۔

زندگی کے ہر مرحلے پر طلباء کو ایسے ہمدرد دوستوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو ان کے خیر خواہ ہوں اور صحیح مشورے دینے اور رہنمائی کرنے والے ہوں۔ اس لئے ضروری ہے کہ گھر میں والدین اور مدرسے میں اساتذہ ایسے مواقع بہم پہنچائیں جن میں طلباء اپنے ہم عمر اور ہم خیال دوستوں سے مل کر رفاقت کی بنیادی ضروریات کو پورا کر سکیں۔

۳۔ نفسیاتی ضروریات

طلباء کی نفسیاتی ضروریات کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ معاشرے میں اپنے تشخص کا اعتراف چاہتے ہیں، تعریف و تحسین کی خواہش رکھتے ہیں اور عزت و وقار کے خواہاں ہوتے ہیں۔ بعض نفسیات دان اسے معاشرتی ضرورت قرار دیتے ہیں۔ بہر حال یہ ایک اہم انسانی ضرورت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں۔ نفسیاتی ضرویات میں سب سے زیادہ اہم محبت و شفقت ہے۔ ہر طالب علم چاہتا ہے کہ اسے چاہا جائے۔ اسے اپنا سمجھا جائے۔ اپنائیت اور انس و محبت کی یہ

Marfat.com

ضرورت ہر انسان میں موجود ہوتی ہے اور چھوٹے طلباء میں تو یہ بدرجہ اتم موجود ہوتی ہے۔ نیز بچے کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اسے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا جائے اور اس کے کام کی تعریف کی جائے۔ دوسروں کی ناپسندیدگی اور ناخوشی اسے پریشان کر دیتی ہے۔ طلباء صرف استاد ہی نہیں بلکہ اپنے ہم عمر اور ہم جماعت ساتھیوں کی پسندیدگی کے بھی خواہاں ہوتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ساتھی انہیں اپنے کاموں میں شریک کریں اور اپنا دوست بنائیں۔ اگر استاد کسی طالبعلم پر یہ ظاہر کر دے کہ وہ اسے پسند نہیں کرتا تو اس کا دل پڑھائی میں نہیں لگے گا اور وہ مدرسے سے بھاگ جانا چاہے گا۔ استاذ جب طلباء کو کوئی کام سونپے اور وہ اسے کر کے لائیں تو اسے چاہیے کہ ان کی تعریف کرے اور حسب ضرورت علیحدگی میں انہیں ان کی غلطیوں اور کمزوریوں سے آگاہ کرے۔

نفسیاتی ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت یہ بھی ہے کہ ہر طالب علم خود اپنی اور اپنے ماحول کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ اس ماحول کے پس پردہ حقیقت کو بھی جاننا چاہتا ہے۔ سادہ الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کائنات اور خالقِ کائنات سے اپنے تعلق کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ دراصل یہ ضرورت تشخص کی بنیادی صورت ہے۔ اس کے بغیر انسان اپنے تشخص کے بارے میں مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ اپنی ذات اور اردگرد کی کائنات کے متعلق تصورات قائم کرنے اور تصورات کی تعبیر و تشریح کرنے کی احتیاج انسان میں فطری طور سے موجود ہے۔ اس لحاظ سے معرفت نفس اور معرفتِ کائنات کو تعلیمی نقطہ نظر سے بڑی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ مدرس کو چاہیے کہ طلباء کی احتیاجات کی طرف توجہ دے یعنی وہ ایسے مواقع پیدا کرے کہ ان کی حاجات پوری ہوں۔ طلباء میں تعلیم کی تحریک پیدا کرنے کا راز اسی میں ہے۔ اپنی ذات اور اردگرد کی کائنات کے متعلق تصورات کی تعبیر و تشریح کرنے کی فطری ضرورت تعلیمی نقطہ نظر سے بڑی اہم ہے۔ معلم کو اس ضرورت کا خیال رکھنا چاہیے۔ دوران تدریس جو مجرد تصورات یا علامات وہ استعمال کرے ان کے متعلق اسے یہ احتیاط برتنی چاہیے کہ اس سے طلباء کی متعلقہ نفسیاتی ضرورت کی تسکین ہو رہی ہے۔ اگر معلم مشکل زبان یا الفاظ استعمال کرے گا تو طلباء کے ذہن میں الجھن پیدا ہو گی۔

Marfat.com

انسان کی ایک بنیادی فطری ضرورت یہ ہے کہ لوگ اسے اپنا سمجھیں، پسند کریں اور اس کی عزت کریں۔ نیز ذاتی وقار کا تقاضا ہے کہ طلباء کی نگاہوں میں اس کی قدر ہو اور اسے اپنی عزت کا احساس ہو۔ عزت و وقار کے احساس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی خود پسندی اور غرور میں مبتلا ہو بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ آدمی میں ایک حد تک خود اعتمادی پائی جائے۔ جن طلباء میں عزت نفس کا فقدان ہوتا ہے وہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں اور خود اعتمادی کے وصف سے محروم ہو جاتے ہیں۔ متوازن شخصیت کی نشو و نما کے لئے ضروری ہے کہ طلباء میں عزت نفس کا احساس ہو تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ جو طلباء اپنے بارے میں ایسی رائے رکھتے ہیں جو حقیقت پر مبنی ہو تو وہ عام طور پر پڑھائی میں اچھے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ انسان میں آزادی کا فطری جذبہ موجود ہے اور وہ اپنے کاموں میں رکاوٹ کو پسند نہیں کرتا۔

آزادی کے مندرجہ بالا اصول کے مطابق یہ ضروری ہے کہ تدریس میں طلباء کی اس فطری ضرورت کو مدِ نظر رکھا جائے۔ اگر انہیں سوچ و بچار اور حرکت و عمل کی آزادی حاصل ہوگی تو ان کی فطری ضرورت کی تسکین ہوگی۔ اس طرح انہیں جو آسودگی حاصل ہوگی اس کے نتیجے میں وہ مدرسے کے ماحول اور کام میں رغبت محسوس کریں گے۔ آزادی کا یہ بھی مقصد ہے کہ انہیں مدرسے میں یا کلاس میں کام سپرد کیے جائیں، ذمے داریاں سونپی جائیں اور ان کی رائے کا احترام کیا جائے۔ اس طرح جہاں ان کی ایک فطری ضرورت کی تسکین ہوگی وہاں ان کی آزادی فکر و عمل کے شعور کی تربیت ہوگی۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ آزادی کے ساتھ ساتھ طلباء کے لئے ضبط بھی بہت اہم ہے اور ضبط وہی پائیدار ہوگا جو انسان کے جذبہ عزت نفس پر مبنی ہو۔ اس لحاظ سے یہ مناسب ہوگا کہ طلباء کو بات بات پر ٹوکا نہ جائے اور نہ ہی ان پر بے جا پابندیاں عائد کی جائیں۔

نفسیاتی ضروریات کا ایک اہم حصہ انسانی جذبات کی تسکین ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جذبات آندھی کی طرح یکا یک نمودار ہوتے ہیں اور بگولے کی مانند غائب ہو جاتے ہیں لیکن جس طرح شدید طوفان کے گزر جانے کے بعد بھی اس کی تباہی کے نشانات دیر تک قائم رہتے ہیں اسی طرح شدید غصے، شدید خوف، محبت یا رنج کے جذبات اور حادثات آ کر گزر تو جاتے

Marfat.com

ہیں لیکن گہرے زخم چھوڑ جاتے ہیں۔ ماہرین نفسیات کی تحقیق کے مطابق ان واقعات اور حادثات کے اثرات پوری زندگی کو متاثر کرتے ہیں جو طلباء کو اوائل عمر میں پیش آتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ طلباء کی جذباتی ضروریات کیا ہیں اور ان کی عدم تسکین کیا کیا مسائل پیدا کرتی ہے؟۔ والدین کی آپس کی ناچاقی، لڑائی، جھگڑا، خیالات ونظریات اور اقدار میں اختلافات گھروں کو جہنم کا نمونہ بنادیتے ہیں۔ ایسے ماحول میں پرورش پانے والے طلباء سہمے سے رہتے ہیں اور ان میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ طلباء کو غذا کی نسبت محبت اور تحفظ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے لیکن والدین کی محبت اور تحفظ کا کوئی بدل نہیں۔

تحفظِ ذات کا اطمینان اور خود اعتمادی ایک طالب علم کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ وہ معاشرے میں اپنی حیثیت کا اعتراف چاہتا ہے۔ یہ احساس اس کو تسکین بخشتا ہے کہ وہ بھی کچھ کرنے کے قابل ہے۔ اسی طرح فعالیتوں اور دلچسپیوں میں رنگا رنگی بھی ایک ضرورت ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ صرف نصابی مضامین کی تدریس کے ذریعے طلباء کی تمام صلاحیتوں کی مکمل تشکیل ونشوونما ممکن نہیں۔ ان کی تشنہ صلاحیتوں کی اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ان کا ہم نصابی مشاغل میں شریک ہونا ضروری ہے۔ بصورت دیگر وہ احساس محرومی میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کی شخصیت کی متوازن نشوونما نہیں ہو سکے گی۔

۴۔ جمالیاتی ضروریات

جمالیاتی ضروریات کو عام طور سے نفسیاتی ضروریات ہی کے تحت بیان کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اوپر کے جائزے میں ضمنی طور پر ان کا سرسری ذکر کر دیا گیا ہے لیکن بعض نفسیات دان جمالیاتی پہلو کا الگ سے ذکر کرنا پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا ذیل میں اس کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے

جمالیات کا تعلق حسن وجمال سے متعلق اقدار سے ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فطرت انسانی کے خصائص بیان کرتے ہوئے جانوروں کے مقابلے میں انسان کی جن ممتاز خصوصیات کا ذکر کیا ہے ان میں ایک جمال پسندی کی صفت ہے۔ انسان فطرتاً جمال پسند واقع ہوا ہے۔ اس سے انسان کی ایک اہم ضرورت کی تسکین ہوتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اچھی صورت اور اچھی آواز سے انسان بڑا سکون محسوس کرتا ہے۔

Marfat.com

صورت میں خدوخال کا تناسب بھی شامل ہے۔ اسی طرح خوشبو سے قوت شامہ کی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ اچھی آواز کے ساتھ شعروشاعری کا تصور بھی وابستہ ہے۔ اس سے لسانی نشوونما بھی ہوتی ہے اور طلباء کی ایک جمالیاتی ضرورت بھی پوری ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ذوقِ جمالیات کے فروغ کے لئے مختلف فنونِ لطیفہ میں سے ایسے حسن پاروں کا انتخاب کیا جانا چاہیے جو طلباء کی عمر اور ذوق واشتیاق کے مطابق ان کے لطیف احساسات کی تسکین کا باعث بن سکیں۔

انسان کی فطری جمال پسندی اور طلباء کی جمالیاتی ضرورت کو مفید انداز میں ان کی تعلیم وتربیت کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر جمالیاتی ذوق پیدا کرنے لئے ضروری ہے کہ جماعتوں میں اساتذہ خوش آواز نعتوں، ترانوں اور دیگر اچھے اشعار کا انتخاب کریں اور طلباء انہیں یاد کریں نیز مختلف مضامین میں مزاحیہ ڈرامے پیش کئے جائیں اور طلباء ان میں شریک ہوں۔

بنیادی ضروریات کی تعلیمی اہمیت

بنیادی ضروریات کے تعلیمی مفہوم، دائرہ عمل اور ان کی اقسام سے واضح ہوتا ہے کہ بنیادی ضرورتوں کا طلباء کے کردار وعمل سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ ان ضروریات کا صحیح شعور اور ان کے حصول اور عدم حصول پر انسانی شخصیت کا بڑا دارومدار ہے۔ مثلاً باہمی تعاون کو انسانی زندگی کی ایک بنیادی معاشرتی ضرورت کی حیثیت حاصل ہے۔ طلباء کو اس ضرورت کا واضح شعور دینے کے لئے ہمیں اپنی درسی کتب اور تعلیمی اداروں میں علمی اور عملی اعتبار سے موزوں مواد شامل کرنا ہوگا۔

علوم وفنون میں وسعت اور تنوع پیدا کرنا ہوگا۔ عملی فعالیتوں میں کھیلیں، ادبیات، تعلیمی وتفریحی دورے اور منصوبہ بندی کے انداز میں منظم مشاغل مفید ہوں گے۔ اسی طرح معاشرتی، جسمانی، نفسیاتی اور جمالیاتی ضرورتوں کی مناسبت سے بھی لوازمہ نصاب مرتب کیا جانا چاہیے۔ غرض بنیادی ضروریات کے حوالے سے مدرسے کی پوری تعلیمی فضا کا اہتمام کیا جانا چاہیے، جس میں مدرسے کی افرادی اور مادی سہولتیں بھی شامل ہیں اور نظم ونسق کا انداز بھی۔ سب سے بڑھ کر استاد کی حکمت تدریس، طلبہ سے اس کا رویہ، اس کی علمی وجاہت اور شخصی کردار کا مناسب وموزوں ہونا ضروری ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے استاد کی ایک بے محل جھڑک یا بے جا ترجیح رعایت ساری عمر کے لئے بچے کی شخصیت کو تباہ کرسکتی ہے۔

Marfat.com

بنیادی ضروریات کی تعلیمی اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ معلمین اور انتظامیہ ان ضرورتوں کے واضح شعور کے ساتھ صحیح منصوبہ بندی کر کے تدریسی عمل اور انتظامی امور انجام دیں تا کہ طلباء کی شخصیت اور ان کے کردار کی خاطر خواہ تشکیل ہو سکے۔

طلباء کی نشوونما

طلباء میں تبدیلیاں فطری وقدرتی اور ماحول کے اثرات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ فطری اور قدرتی تبدیلیوں میں عمر کے بڑھنے کے ساتھ قد کا بڑھنا، وزن کا بڑھنا، ہڈیوں اور عضلات میں مضبوطی پیدا ہونا، چہرے کے خدوخال اور آواز میں تبدیلی پیدا ہونا شامل ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ طلباء میں پیدا ہونے والی یہ فطری اور قدرتی تبدیلیاں بالیدگی کہلاتی ہیں۔ جسم میں ان تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ذہن اور رویوں میں بھی تبدیلی آتی ہے۔ مثلاً بول چال میں شائستگی، معلومات میں اضافہ اور دلچسپیوں کا تبدیل ہونا۔ ان تبدیلیوں کی نوعیت یکساں نہیں ہوتی۔ ایسی تبدیلیاں جو طلباء کے کردار کے کسی پہلو میں تبدیلی کو ظاہر کرتی ہیں نشوونما کہلاتی ہیں۔

عموعی طور پر بالیدگی کو نشوونما میں شامل کرتے ہوئے نشوونما کو ایک وسیع اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح نشوونما کی سادہ تعریف یوں بنتی ہے۔ ''طلباء میں فطری اور ماحول کے زیر اثر پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا مجموعہ نشوونما کہلاتا ہے۔ طلباء کی نشوونما کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جن میں بچپن، لڑکپن اور بلوغت شامل ہیں۔ ہر دور میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو پانچ اہم پہلوؤں سے دیکھا جاتا ہے جن میں جسمانی، معاشرتی، ذہنی، جذباتی اور لسانی پہلو شامل ہیں۔ ذیل میں ہم ان مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔

طفولیت

یہ دور چھوٹے طلباء کی تعلیم وتربیت کے لئے بڑا اہم دور ہوتا ہے۔ اس دور میں نشوونما کے مختلف پہلو یہ ہیں۔

طفولیت اور جسمانی نشوونما

اس دور میں طلباء کے قد اور ہڈیوں کے سائز میں اضافہ ہوتا ہے وہ اپنے اردگرد کے

Marfat.com

ماحول کو سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ کپڑے پہن سکتے ہیں۔ خون کا دباؤ شیر خوارگی کی نسبت اس دور میں بڑھ جاتا ہے۔ نبض کی رفتار پہلے دور کی نسبت اس دور میں سست ہو جاتی ہے۔ طفولیت میں طلباء کی خوراک اور بھوک دونوں ہی بڑھ جاتے ہیں۔ قدرتی حاجات پر قدرت بڑھ جاتی ہے۔

یہ دور طلباء کی معاشرتی نشوونما میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ سکول میں داخلہ لیتے ہی ان پر کئی طرح کی ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں۔ انہیں اپنا بیشتر وقت ایسے لوگوں میں گزارنا پڑتا ہے جو ان کے لئے محض اجنبی ہوتے ہیں۔ نئے ماحول میں جا کر نہ صرف انہیں نئے نئے معاشرتی تعلقات قائم کرنے پڑتے ہیں بلکہ ان مسائل سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے جو ان تعلقات کو نبھانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ نئے ماحول میں طلباء گھر کی معاشرتی تربیت ساتھ لاتے ہیں۔ مدرسہ کے ماحول میں استاد کی ذات کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اس معاشرتی نشوونما کی تکمیل میں مدرسہ اور اساتذہ پر اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ جہاں طلبہ صرف لکھنا پڑھنا ہی نہیں سیکھتے بلکہ مل جل کر رہنا اور زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ بھی سیکھتے ہیں۔

طفولیت اور معاشرتی نشوونما

شیر خوارگی کے ختم ہونے پر طلباء کا ماحول بھی تبدیل ہوتا ہے۔ وہ نئے دوست بناتے ہیں۔ نئے چہرے پہچاننے شروع کرتے ہیں اور ان نئے چہروں سے مل کو خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اس دور میں طلباء میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ وہ اپنی جنس پہچاننے لگتے ہیں۔ وہ مدرسے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل جل کر رہنا سیکھتے ہیں۔ اس دور میں طلباء میں رفاقت، ہمدردی، محبت، تعاون اور قیادت کی صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ آپس میں اپنی پسند کے مطابق گروہ بندی کرنے لگتے ہیں۔

طفولیت اور ذہنی نشوونما

اس دور میں قد اور وزن بڑھنے کے ساتھ ساتھ طلباء کے دماغ کے 90 فی صد حصہ بھی مکمل ہو جاتا ہے۔ وہ مسائل، حالات و واقعات، اسباب و نتائج پر غور و خوض کرنے لگتے ہیں۔ ان کی گفتگو مدلل ہوتی ہے لیکن وہ دوسروں کے سامنے بات کرتے ہوئے بعض اوقات ہچکچاہٹ اور

Marfat.com

شرمیلے پن کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔عمر کے اس حصے میں حافظہ خاصا تیز ہوتا ہے شاید اسی لیے واقعات اور باتیں بڑی یاد رہتی ہیں۔

طفولیت اور جذباتی نشوونما

انسان جذبات اور احساسات کے ساتھ جیتا ہے۔طفولیت کے دور میں طلباء میں ہمدردی، محبت، تعاون اور ایثار کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور وہ ان جذبوں کو سمجھنے لگتے ہیں۔ جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں پیار، محبت، نفرت اور حقارت کے جذبات کا اظہار بھی کرتے ہیں۔عمر کے اس دور میں وہ داخلی طور پر جذبات پر قابو رکھنا سیکھتے ہیں۔بعض اوقات وہ غلط وقت پر جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔جس سے انہیں شرمندگی بھی ہوتی ہے۔مثلاً کسی بات پر بلاوجہ ناراض ہو جانا اور بعد میں خود ہی مان جانا اس بات کو ظاہر کرتا ہے۔عمر کے اس دور میں طلباء کو اس بات کا احساس ہو جاتا ہے کہ اس کی کون سی عادات پسند کی جارہی ہیں اور کون سی ناپسند کی جارہی ہیں۔ چنانچہ وہ موقع کی مناسبت سے اپنی عادات کو اختیار کرتے ہیں۔

طفولیت اور لسانی نشوونما

شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی طرح طلباء کی لسانی مہارت اور ذخیرہ الفاظ میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔طلباء عمر کے اس حصے میں سادہ سے جملوں سے شروع کرتے ہوئے مشکل فقرے ادا کرنے لگتے ہیں۔وہ اپنی مادری زبان کے علاوہ قومی اور دوسری زبانیں بھی بڑی تیزی سے سیکھتے ہیں اور انہیں استعمال بھی کرتے ہیں۔

بچپن

بچپن کا دور طفولیت کے ختم ہونے سے شروع ہوتا ہے اور نو بلوغت تک جاری رہتا ہے۔اس دور میں اعضا میں پہلے کی نسبت پختگی آجاتی ہے۔اس دور میں طلباء کی نشوونما مختلف حوالوں سے پیش کی جارہی ہے۔

بچپن اور جسمانی نشوونما

بچپن کا دور عموماً چھ سال کی عمر سے شروع ہو کر بارہ سال تک جاری رہتا ہے۔اس دور

Marfat.com

میں طلباء مختلف سرگرمیاں انجام دے سکتے ہیں مثلاً آری چلا سکتے ہیں، برش کر سکتے ہیں، پنسل پکڑ اور لکھ سکتے ہیں، قینچی چلا سکتے ہیں، ہتھوڑا استعمال کر سکتے ہیں اور سوئی سے سلائی کر سکتے ہیں۔ لباس پہن سکتے ہیں اور تبدیل کر سکتے ہیں۔

بچپن اور معاشرتی نشوونما

پہلے ادوار کی نسبت اس دور میں طلباء زیادہ معاشرت پسند ہوتے ہیں۔ وہ اپنی صلاحیتوں پر انحصار کرتے ہیں۔ اس دور میں وہ سرگرمیوں کو زیادہ دیر تک جاری رکھ سکتے ہیں۔ وہ گروہ بندی کرتے ہیں اور اپنے ہی گروہ کے ساتھیوں کے ساتھ کھیلنا پسند کرتے ہیں۔ کسی بھی کام میں پہل کرنا پسند کرتے ہیں۔ شکست کو آسانی سے قبول نہیں کرتے۔ عمر کے اس دور میں حق ملکیت جتانا اور شیخی بگھارنا بڑی عام سی بات ہوتی ہے۔ والدین سے شفقت اور محبت چاہتے ہیں۔

اس دور میں طلباء ایک عظیم معاشرتی انقلاب سے دوچار ہوتے ہیں۔ اس دور میں طلباء میں جسمانی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ جنہیں قبول کرنا خاصا مشکل ہوتا ہے۔ بعض دفعہ وہ دوسروں سے ملنے جلنے سے بھی گریز کرنے لگتے ہیں۔ اس دور میں مدرسہ اور گھر دونوں طرف سے طلباء کو بھرپور تعاون اور رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ طلباء کو ملک اور قوم کا مفید رکن بنانے کے لیے تمدنی اور تہذیبی اقدار کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس سلسلے میں گھر کے افراد اور گھر کے ماحول کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسلامی اقدار و روایات کے شعور میں بھی گھریلو ماحول کا بڑا دخل ہے۔ محبت، نفرت، راحت، حسد، غصہ اور خوف جیسے اساسی جذبوں کا مختلف مواقع پر اظہار ہوتا ہے۔ ان کو بلاوجہ دبائے رکھنے سے انسان کی شخصیت میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔ گھر اور سکول کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ طلباء کو ان جذبوں کے مناسب استعمال کی تربیت کے مواقع فراہم کریں۔ مدرسے میں مختلف سرگرمیوں کو اس طرح ترتیب دینا چاہیے کہ ہر طالب علم ان میں حصہ لے کر معاشرتی تعلقات سیکھ سکے۔

بچپن اور ذہنی نشوونما

طلباء عمر کے اس دور میں پڑھ لکھ اور حساب کتاب کر سکتے ہیں۔ وقت کا احساس کرتے ہیں، چیزوں پر زیادہ دیر تک توجہ دیتے ہیں، وہ اپنی سرگرمیوں کی بہتر منصوبہ بندی کر سکتے ہیں۔ ان

Marfat.com

کی دلچسپیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی اور دوسروں کی صلاحیتوں سے واقفیت حاصل کرتے ہیں۔

بچپن اور جذباتی نشوونما

عمر کے اس دور میں طلباء میں حُسنِ ظرافت پیدا ہوتا ہے۔ وہ درست اور غلط کی پہچان کرتے ہیں۔ وہ اپنے اندر اصولوں کا احترام پیدا کر لیتے ہیں۔ وہ بہت حساس ہوتے ہیں اور دوسروں کے جذبات کا احترام کرتے ہیں۔ چیزوں پر حق ملکیت بھی جتاتے ہیں۔ لیکن ان کے کسی عمل میں جامعیت اور بالغ نظری نہیں ہوتی۔

بچپن اور لسانی نشوونما

اس دور میں طلباء بڑی خوبی سے الفاظ استعمال کرنے لگتے ہیں۔ وہ دوسروں کی باتوں کو توجہ سے سنتے ہیں۔ اپنے اور دوسروں کے بارے میں رائے دیتے ہیں۔ وہ حقائق کی پہچان کرتے ہیں اور خیالی دنیا سے باہر آجاتے ہیں۔

بلوغت

یہ دور تعلیم و تربیت کے حوالے سے بڑا اہم دور ہوتا ہے۔ اس دور میں قد تیزی سے بڑھتا ہے۔ بلوغت کا آغاز جغرافیائی اور معاشرتی حالات پر مبنی ہوتا ہے۔

بلوغت اور جسمانی نشوونما

بلوغت کے دور میں ہڈیاں، اعصاب اور جسم کے دیگر غدود کی نشوونما مکمل ہو جاتی ہے۔ دھڑ اور بازوؤں کا توازن خوب صورت ہو جاتا ہے۔ چہرے کے نقوش مستقل شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

بلوغت اور معاشرتی نشوونما

طلباء اپنے صنفی کردار کا شعور حاصل کر لیتے ہیں اور وہ اپنے جسم کے تقاضوں کے مطابق کھیل کود اور دیگر سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ بلوغت پن میں کوشش کی جاتی ہے کہ قواعد و

Marfat.com

ضوابط کا احترام پہلے ادوار کی نسبت زیادہ کیا جائے۔ طلباء اپنے حقوق و فرائض کی پہچان کر لیتے ہیں اور اس دور میں وفاداریاں مستقل شکل اختیار کر جاتی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خوبی ہوتی ہے کہ وہ انتہائی مناسب مواقع پر نفرت، حسد، غصہ اور خوف کے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔

اس دور میں طلباء کے اندر دوسرے افراد کے کردار کو سمجھنے اور ان سے صحت مندانہ تعلقات قائم کرنے کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ ایک سمجھدار طالب علم معاشرے کے آئین اور قوائد و ضوابط کا فہم حاصل کر لیتا ہے اور ان کا احترام کرنے لگتا ہے۔ اسے معاشرے میں اپنے مقام کی بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اور اس حوالے سے وہ اپنے فرائض و حقوق کا تعین کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

بلوغت اور ذہنی نشوونما

اس دور میں طلباء اپنی پہچان کے قابل ہو جاتے ہیں، اپنے حافظہ کی بنیاد پر چیزوں کی شناخت کرتے ہیں۔ ان میں تجسس اور جستجو کا مادہ بڑھ جاتا ہے وہ نئی نئی چیزیں جاننے اور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس دور میں وہ ایک خاص نقطۂ نظر اختیار کر لیتے ہیں اور اس کے بارے میں دلیل کے ساتھ بات کرتے ہیں۔ ذہنی طور پر پیشہ اختیار کرنے کیلئے تیار ہوتے ہیں اور اس کے لئے وہ اپنے ذہنی رجحان کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہیں۔

بلوغت اور جذباتی نشوونما

اس دور میں حسب مواقع طلباء اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں فوری طور پر جذباتی ہو جاتے ہیں اور جلد ہی پھر اس جذباتی کیفیت سے نکل آتے ہیں۔ دوسروں پر تنقید کرنے اور اپنی رائے کو مقدم ثابت کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ کسی کے فیصلے کو فوری طور پر ماننے سے گریزاں ہوتے ہیں اور بعض اوقات اس پر ردِعمل کا اظہار بھی کرتے ہیں مثلاً دوست بنانے پر تنقید، گھر لیٹ آنے پر منع کرنے، کچھ خاص مضامین پڑھنے کی ہدایت اور محنت کی تلقین کو وہ پسند نہیں کرتے۔ اپنی تعریف سن کر خوش ہوتے ہیں۔

Marfat.com

جذباتی نشوونما تعلیم پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ جو طلباء جذباتی نشوونما میں پیچھے رہ جائیں وہ تعلیمی سرگرمیوں میں جوش و جذبہ سے حصہ لینے کے اہل نہیں ہوتے۔ اسی طرح جذباتی طور پر ہیجانی کیفیت میں مبتلا طلباء بھی سیکھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ مثلاً خوف یا غصے کی کیفیت میں مبتلا طلباء تعلیم کی طرف توجہ نہیں دے سکتے۔ کلاس میں جو طالب علم خوف سے سہا بیٹھا ہوا سے استاد کی بڑی واضح اور آسان باتیں بھی مشکل سے ہی سمجھ میں آئیں گی۔ خوف کی حالت میں اگر سبق یاد ہو بھی جائے تو جلد بھول جائے گا۔ اس کے برعکس خوشگوار جذبات کی کیفیت میں طلباء خوش و خرم ہوتے ہیں۔ ان کے حواس بیدار ہوتے ہیں اور وہ شوق سے استاد کے پڑھائے ہوئے سبق پر توجہ دیتے ہیں۔ کامیاب استاد وہ ہے جو طلباء سے پیار و محبت سے پیش آتا ہے اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ اور سزا دینے سے گریز کرتا ہے۔ وہ ایسا ماحول فراہم کرتا ہے جس میں طلباء کے جذبات کی صحیح تربیت ہوتی ہے۔ مناسب تفریح کا اہتمام طلباء کی جذباتی صحت کو ترقی دینے کا سبب بنتا ہے۔ ان کی چھوٹی موٹی الجھنوں کا حل استاذ خود بھی تلاش کر سکتا ہے مگر پیچیدہ قسم کے جذباتی مسائل کے لیے اسے ماہرین سے مشورہ طلب کرنا چاہیے۔ مدرسے میں ایک چھوٹا سا نفسیاتی کلینک قائم کرنا چاہیے جس میں ایسے طلباء کا باقاعدہ نفسیاتی تجزیہ اور علاج ہو جو کسی قسم کی جذباتی الجھنوں اور بیماریوں کا شکار ہوں۔

بلوغت اور لسانی نشوونما

بلوغت کے دوران طلباء میں نرم زبان استعمال کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کو متاثر کرنے کیلئے زبان کی مہارت کا سہارا لیتے ہیں۔ ایک سے زیادہ زبانوں پر عبور کی کوشش کرتے ہیں اور اس دور میں ذخیرۂ الفاظ بنانے کی کوشش بڑی واضح طور پر دیکھی جاتی ہے۔ اس دور میں طلباء تخلیقی، تعمیری اور تنقیدی عبارات پڑھنے اور لکھنے کو پسند کرتے ہیں۔

Marfat.com

تعلیم کا لغوی مفہوم

تعلیم عربی کا لفظ ہے جس کا معنی تعلیم دینا، سکھانا، معنی بتانا، پڑھانا، بار بار اور کثرت سے خبر دینا ہے۔ اور یہ لفظ عربی کے لفظ علم سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہے جاننا، پہچاننا، یقین کرنا، ادراک کرنا، مضبوط کرنا اور کسی شے کی حقیقت کو پا لینا اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ تعلیم محض علم پہچاننے کا نام نہیں بلکہ معاشرتی تربیت اور اخلاق و کردار کی تعمیر بھی اس میں شامل ہے۔

تعلیم کا اصطلاحی مفہوم

تعلیم ایک ایسا عمل ہے جو متعلم کی تمام صلاحیتوں کا اظہار اور اس کی ہمہ پہلو نشوونما کرتا ہے، جس کے نتیجے میں متعلم کی شخصیت کی تکمیل اور اس کی سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل ہوتی ہے تا کہ وہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی ایک کامیاب مسلمان شہری کی حیثیت سے بسر کرنے کے قابل ہو جائے۔ مزید یہ کہ تعلیم متعلم کو معاشرت کے طریقے بتاتی ہے اور اسے معاشرے سے مطابقت پیدا کرنے کے عمل میں مدد دیتی ہے۔

تعلیم کا اسلامی مفہوم

اسلام میں تعلیم کا ایک جامع مفہوم ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے تعلیم ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے انسان کی ہمہ پہلو تربیت کی جاتی ہے اور اس کی سیرت و کردار کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جاتا ہے تا کہ وہ اپنی تخلیق کے مقصودِ اصلی یعنی زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت کا حق ادا کر سکے۔

تعلیم کی مندرجہ بالا تعریف میں چار پہلو نمایاں ہیں۔

۱۔ متعلم کی ذہنی و اخلاقی تکمیل اور اس کی سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل۔

۲۔ متعلم کی شخصیت کی ہمہ پہلو تکمیل۔

۳۔ متعلم کی تمام صلاحیتوں کا اظہار اور نشوونما۔

۴۔ انفرادی و اجتماعی زندگی میں کامیاب مسلمان کی حیثیت سے تیاری۔

تعلیم کی یہ تعریف انتہائی جامع اور مکمل ہے جو تقریباً دنیا کے ہر معاشرے اور تمام افراد پر صادق آتی

Marfat.com

ہے۔ تعلیمی عمل کے نتیجے میں کوئی فرد، معاشرے کے کسی بھی شعبے میں ایک کارکن، ماہر یا قائد کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنے کے قابل ہوتا ہے، گویا معاشرے کو مطلوب افراد تعلیم کے اسی عمل سے تیار ہو کر معاشرے کی تعمیر و تشکیل کرتے ہیں۔

تعلیم کے متعلق مختلف اسلامی مفکرین کی آراء

امام ابوحنیفہ: ''تعلیم ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے روح کی حقیقت اور اس کی بلندی کو سمجھا جاتا ہے۔ تعلیم کا حصول اس پر عمل کرنے کی غرض سے ہونا چاہئے کیونکہ ایسی تعلیم جس پر عمل نہ کیا جائے بیکار ہے۔ تعلیم کے حصول کے بعد انسان کے اندر ایسا ملکہ پیدا ہونا چاہئے جس کے ذریعے وہ اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکے اور حصولِ تعلیم کے بعد انسان کو ایسا راستہ پکڑنا چاہئے جس پر چل کر وہ آخرت کی زندگی میں سکون حاصل کر سکے اور خدا تعالیٰ کے غضب سے بچ سکے''

علامہ زرنوجی: ''علم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانی ذہن کو جلا بخشتا ہے۔''

امام غزالی: ''علم ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی مدد سے انسان اللہ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ تعلیم دینا یا کسی کو پڑھانا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے۔ اگر کوئی شخص محض اس غرض سے علم حاصل کرے کہ وہ دنیا میں ایک اعلیٰ معاشرتی مقام حاصل کرے یا اپنی ذمہ داریوں سے روگردانی کر کے اپنی ذاتی خواہشات کی تکمیل کو شعار بنا لے تو ایسا شخص آخرت میں اپنے آپ کو اللہ کے غضب سے نہیں بچا سکتا۔''

مزید یہ کہ تعلیم کا مقصد انسان کی قوت غضبیہ اور قوت شہویہ کی تہذیب کرنا ہے تاکہ وہ انسان نفسِ امارہ پر قابو پا کر نفس لوامہ کے درجے سے آگے نفس مطمئنہ کی منزل پا سکے۔

ابن خلدون: تعلم ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے افراد میں معاشرتی اہلیت پیدا کی جاتی ہے تاکہ وہ نہ صرف اپنے لئے مفید زندگی کا سامان کر سکیں بلکہ معاشرے کی فلاح اور ترقی کے بھی ضامن ہوں۔''

شاہ ولی اللہ: شاہ ولی اللہ نے تعلیم کو خیر و شر میں تمیز کر کے خیر کو اپنانے اور شر کو دبانے کا عمل قرار دیا ہے۔''

Marfat.com

علامہ اقبال: تعلیم ایک ایسا عمل ہے جو دین کے تابع رہتے ہوئے فرد کی صلاحیتوں کی نشوونما کرتا ہے۔ دوسرے معنوں میں علامہ اقبال نے تعلیم کو عرفانِ خودی اور تکمیل خودی کا نام دیا ہے جو انسانی شخصیت کی تشکیل کا دوسرا نام ہے۔

قدیم مفکرین کی آراء

سقراط: تعلیم اس سچائی کو تلاش کرنے اور فرد کو اس سے روشناس کرانے کا عمل ہے جو اس کے ذہن میں پوشیدہ ہوتا ہے۔"

ارسطو: تعلیم بچے کی مکمل جسمانی، اخلاقی نشوونما کرتی ہے۔"

افلاطون: تعلیم حقیقت کی تلاش ہے جو نیکی کی طرف انسان کی راہنمائی کرتی ہے۔ تعلیم ہی مثالی معاشرہ اور مملکت کی تعمیر کا واحد ذریعہ ہے۔"

جدید مغربی مفکرین کی آراء:

جان ڈیوی: تعلیم بچے کے تجربات کی تعمیر نو، تجدید نو اور تنظیم نو کا نام ہے۔ زندگی ہر لحہ تغیر پذیر ہے۔ گود سے گور تک انسان نئے نئے تجربات سے دوچار ہوتا ہے اور ہر تجربہ سے کچھ نہ کچھ ضرور حاصل کرتا ہے۔"

پستالوزی: تعلیم فرد کی جسمانی، اخلاقی اور ذہنی قوتوں کی متوازن نشوونما کا نام ہے۔"

جان لاک: تعلیم سے صحت مند جسم اور صحت مند ذہن تیار ہوتے ہیں۔"

روسو: تعلیم کی بنیاد فطرت پر ہونی چاہئے۔ تعلیم کی کامیابی کا دارومدار متعلم کی خواہشات اور اس کے نفسیاتی تقاضوں پر ہے۔ تعلیم میں متعلم کو مرکزی مقام ملنا چاہئے۔"

تعلیم کی تاریخ اور تہذیب وثقافت کی منتقلی

اس میں دو رائے نہیں کہ دنیا میں جتنے بھی معاشرے پائے جاتے ہیں، تعلیم کے متعلق ہر معاشرے کا تصور اور نظریہ بالکل الگ تھلگ اور ایک دوسرے سے جُدا ہے۔ ہر معاشرے کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ اس کا نظریۂ حیات اور اس کی تہذیب وثقافت بالکل محفوظ رہے اور

Marfat.com

اس کی آئندہ نسلوں تک منتقلی یقینی ہو۔ پھر اس کے بعد ہر معاشرے کی آنے والی نسل اپنی سوچ اور ضرورت کے مطابق اس میں اصلاح و ترامیم کرتی رہتی ہے اور یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے لے کر آج تک جاری و ساری ہے۔ تہذیب و ثقافت کی حفاظت اور اس کے مطابق مستقبل کے معاشرے کی تعمیر تعلیم کے اہم فرائض میں سے ہے۔ نظریۂ حیات اور اپنی ثقافت کے تحفظ کیلئے ہر معاشرہ تعلیمی ادارے قائم کرتا ہے خواہ وہ ادارے مذہبی ہوں یا سماجی۔ اس طرح ہر معاشرہ اپنا ثقافتی و تہذیبی ورثہ آئندہ نسل کو منتقل کرتا رہتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ ہر معاشرہ اپنی تہذیب و ثقافت کی بقا کیلئے دوسرے معاشرے سے الگ نظامِ تعلیم وضع کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ مادہ پرست، اشتراکی اور ہندو معاشروں کے مقاصدِ تعلیم اور طریقہ ہائے تدریس ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

مسلمان معاشرہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ ساری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ انسانوں کی ہدایت کیلئے اس نے وحی کا سلسلہ قائم کیا جو قرآن پاک کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ کائنات کی تخلیق اور نظریۂ حیات کے اختلاف کی وجہ سے مسلمان معاشروں کا نظامِ تعلیم بھی دوسرے معاشروں سے مختلف ہے۔

اگر ہم تاریخ کو کھنگھالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ معلمِ اعظم ﷺ نے تعلیم کے ذریعے عربوں کی ثقافت کی تشکیل نو کی اور ان کی معاشرتی اور معاشی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ایسی تبدیلیاں پیدا کیں کہ وہ قوم جو آپ کی پیدائش کے وقت کسی شمار میں نہ تھی وہ اپنی تعلیم اور ثقافت بدل جانے سے صنعت و حرفت، سائنس، معاشیات اور معاشرت میں دنیا کی امام بن گئی۔

ذیل کی سطور میں ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ تعلیم کے بارے میں مختلف تصورات کیا ہیں اور تعلیم بذاتِ خود کیا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ ابتداء اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو پیدا فرما کر زمین پر بھیجا۔ جوں جوں روئے زمین پر انسانوں کی تعداد بڑھتی گئی خاندان اور قبیلے وجود میں آتے گئے اور ایک بڑا معاشرہ بنتا گیا۔ علم اور تہذیبی روایات والدین سے اولاد کو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں۔ مرد چوپالوں میں بیٹھ کر داستانیں اور واقعات سناتے تھے اور گھر کی عورتیں چولہوں کے

Marfat.com

پاس بیٹھ کر پچھلے قصے اور کہانیاں سناتی تھیں۔ اس طرح ایک نسل دوسری نسل کو اپنی تہذیب و ثقافت اور علم منتقل کرتی رہی اور یہی تعلیم تھی۔ جیسے جیسے دنیا نے ترقی کی تو تعلیم کے لئے ادارے وجود میں آنے لگے۔ کاغذ کی ایجاد سے چھپائی کا کام شروع ہو گیا۔ دوسری طرف تعلیمی آلات و ایجادات کا سلسلہ آگے بڑھا، معاشرے کی ترقی کے ساتھ قومیں اور ملک وجود میں آئے، درسگاہیں اور مدرسے قائم ہوئے، علوم نے ترقی کی اور ہم آج کے دور میں داخل ہو گئے۔ انسان کی پیدائش سے تعلیم کا جو سلسلہ شروع ہوا آج بھی جاری ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ معاشرے کی ترقی کا تعلق اس کی تعلیمی ترقی سے وابستہ ہے۔ جو معاشرے تعلیم میں نمایاں ترقی کرتے ہیں معاشرتی اور معاشی ترقی میں بھی کوئی دوسرا معاشرہ ان کا مقابلہ نہیں کر پاتا۔ معاشی اور تمدنی ترقی تعلیمی ترقی کا لازمی نتیجہ ہے۔

معاشرے میں پیدا ہونے والی معاشرتی تبدیلیاں مقاصدِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کی تبدیلی کا باعث بنتی ہیں۔ تعلیم کے بدل جانے سے معاشرے بھی بدل جاتے ہیں جیسا کوئی معاشرہ ہوگا ویسی ہی اس کی تہذیب و ثقافت ہوگی، اسی کے مطابق مقاصدِ تعلیم، نصاب، طریقۂ تدریس انجام پائے گا۔ سابقہ سویت یونین میں مقاصد تعلیم طے کرتے وقت اس بات پر زور دیا جاتا تھا کہ ان کی درسگاہوں سے فارغ ہونے والا ہر شخص اچھا اشترا کی شہری ثابت ہو۔ نصابِ تعلیم بھی ایسا مرتب کیا جاتا تھا جو اشترا کی فلسفے کو پھیلانے کا باعث بنے۔ یورپ اور امریکہ جیسے سرمایہ دار جمہوری معاشروں میں مقاصد تعلیم میں اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ فرد معاشرے سے مطابقت پیدا کر سکے۔ تعلیم سے فارغ ہونے والے ہر فرد سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ خود کما سکے اور خرچ کر سکے۔ نصابِ تعلیم میں سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کی حمایت اور مغربی جمہوریت کے فلسفہ کا پرچار کیا جاتا ہے۔

تعلیم کیوں ضروری ہے؟

ماہرین تعلیم نے تعلیم کے تین اہم فرائض مقرر کیئے ہیں۔

۱) ثقافتی ورثہ کا تحفظ، منتقلی اور نشو ونما

۲) معاشرتی زندگی کی تشکیل

Marfat.com

۴) فرد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل

ثقافتی ورثہ کا تحفظ، منتقلی اور نشو و نما

مسلمانوں کا نظریہ حیات اور اس نظریہ حیات کے مطابق رہن سہن کے طریقے، اٹھنے بیٹھنے کے آداب، چلنے پھرنے کے طور طریقے، کھانے پینے کا انداز، ہمارا لباس، ہمارا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، ہمارے میل جول کے طور طریقے، ہماری تہذیب، ہماری سوچ کے انداز، ہماری اقدار و روایات، ہماری تمدنی زندگی، فنونِ لطیفہ، ہمارا ادب، ہمارا رسم و رواج اور زندگی گزارنے کے وہ تمام طریقے جو ہم نے اپنے آباؤ اجداد اور بزرگوں سے سیکھے ہیں یہ سب ہماری ثقافت اور ہمارا تہذیبی ورثہ کہلاتے ہیں۔

یہ بات مسلم ہے کہ کوئی معاشرہ بھی اپنے آباؤ اجداد کے ورثہ کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتا خواہ وہ غلطی پر ہی کیوں کر نہ ہو۔ حتیٰ کہ کبھی کبھار تو بعض معاشرے اپنے بزرگوں کی غلط اور نامعقول روایات کو اپنائے رکھنا بھی باعث عزت خیال کرتے ہیں۔ اہلِ مکہ اور ان کا معاشرہ ہمارے سامنے ہے کہ جب آپؐ نے انہیں دین حق کی دعوت دی تو وہ اپنے آباؤ اجداد کے تہذیبی ورثہ کو چھوڑنے کیلئے تیار نہ تھے بلکہ الٹا ان روایات پر کار بند ہونے کو باعث فخر محسوس کرتے تھے۔
انسانی زندگی کے ابتدائی ادوار میں تہذیب و ثقافت کا فریضہ والدین کے ذمے ہوا کرتا تھا جو والدین کرتے وہی بچہ کرتا اور یہ طریقہ غیر رسمی تھا۔ لڑکے عموماً وہ کام سیکھ لیتے تھے جن کے ذریعے وہ زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں اور لڑکیاں عموماً امورِ خانہ داری اور پرورشِ اولاد کے طریقے سیکھ جاتی تھیں۔ تہذیب و ثقافت کی منتقلی کا یہ سلسلہ صدیوں چلتا رہا۔ اسلام کی آمد کے بعد یہ فریضہ والدین، علماء اور فضلاء کے ذریعے سرانجام پاتا رہا۔ وہ اپنے گھروں یا مساجد میں بیٹھ کر یہ فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ جیسے جیسے دنیا نے ترقی کی جدید تعلیمی ادارے وجود میں آتے گئے اور آج یہ ذمہ داری دینی مدارس، سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دیگر تعلیمی اداروں نے لے لی ہے۔ آج کے اس دور میں تعلیمی اداروں کو معاشرتی مرکزیت حاصل ہے۔ والدین عموماً بچوں کی تعلیم و تربیت سے ہاتھ کھینچ چکے ہیں اور وہ بچوں کو کسی تعلیمی ادارے میں داخل کروانے کے بعد بے فکر ہو جاتے ہیں کہ بچے کی تعلیم و تربیت اور تہذیبی و ثقافتی ورثہ سے آگاہی تعلیمی اداروں ہی کی ذمہ داری ہے۔

Marfat.com

تعلیمی اداروں میں بھی دینی مدارس کو خصوصیت حاصل ہے مگر وسائل کی عدم دستیابی کے باعث دینی مدارس یہ فریضہ کما حقہ نہیں ادا کر پا رہے۔

معاشرتی زندگی کی تشکیل نو

تعلیم کے اہم وظائف میں یہ پہلو بھی شامل ہے کہ وہ معاشرتی زندگی کی تشکیلِ نو کرے۔ اگر تعلیم صرف ثقافتی ورثہ کے تحفظ اور منتقلی تک محدود ہوتی تو معاشرہ جمود کا شکار ہو جاتا اور آج بھی وہی پتھروں کا دور ہوتا جو ہزاروں سال پہلے تھا یعنی انسان پہاڑوں اور جنگلوں میں زندگی گزارتا اور تن ڈھانپنے کیلئے درختوں کے پتے استعمال کرتا۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ ثقافت ہمیشہ ارتقاء پذیر رہتی ہے، اس لئے تعلیم کا کام محض اقدار و روایات کا تحفظ نہیں بلکہ مستقبل کی ضروریات کو مدِ نظر رکھ کر زندگی کی نئی راہوں سے آگاہی، تنقید و اصلاح اور تخلیقیت بھی تعلیم کے فرائض میں سے ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی شامل ہے کہ تہذیب و ثقافت کی ترقی اور معاشرتی زندگی کی تشکیلِ نو کیلئے، تعلیمی عمل سے افراد میں تجسس اور تنقیدی جذبات کو جلا دی جائے اور قوتوں کو ابھارا جائے۔ کسی بھی ترقی یافتہ شعبے کو لے لیں، آپ دیکھیں گے کہ کسی نہ کسی فرد نے موجودہ صورت سے آگے بڑھنے کی کوشش کی ہے اور نت نئے تجربات کیئے نتیجتاً ترقی کی راہیں کھلتی چلی گئیں۔

ہر معاشرہ کچھ لو اور کچھ دو کے قانون پر کاربند ہے یعنی ہر معاشرہ دوسرے معاشرے کی اچھائیوں کو اختیار کر لیتا ہے، لباس، تراش خراش، میل جول کے آداب اور زندگی گزارنے کے طور طریقوں میں آئے روز تبدیلیاں ہو رہی ہیں حتیٰ کہ تعلیم کے تحت ثقافت کے نظریاتی پہلوؤں میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے۔ مشینوں کی ایجاد سے زندگی گزارنے کے طریقوں میں سہولتیں مہیا ہونے پر ثقافت کے عملی پہلو میں تو بہت زیادہ تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ ریڈیو، ٹی وی، ٹیلی فون، کمپیوٹر اور دیگر ذرائع ابلاغ کی بدولت دنیا سمٹ کر رہ گئی ہے اور اس کے زیرِ اثر ہر ملک کی ثقافت کے نظری اور عملی دونوں پہلو متاثر ہو رہے ہیں لہذا ایسے دور میں نئی نسل کو اپنی روایات، اقدار، تہذیب و ثقافت اور علوم و فنون کی صحیح خطوط پر تربیت دینا بہت ضروری ہو گیا ہے۔

آج کل میڈیا کا دور ہے مغربی ثقافت نے اسلامی ثقافت پر بہت برا اثر ڈالا ہے ایک

Marfat.com

بھارتی وزیر نے کہا تھا ''ہم پاکستان کو میدان جنگ میں زیر نہیں کر سکتے بلکہ ہم ثقافت کے ذریعے پاکستان پر غلبہ حاصل کریں گے''

اپنے اسلاف کے کارناموں کو دیکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ اسلامی تہذیب وتمدن کی چھاپ ہمارے نظام تعلیم پر اس قدر گہری ہو کہ نصاب سازی سے لے کر امتحانات کے انعقاد تک، تدریس سے لے کر تعمیر سیرت تک طالب علم کی زندگی کا کوئی گوشہ بھی ایسا نہ رہے جو اسلامی فکر کے رنگ میں رنگا ہوا نہ ہو۔ اللہ تعالی کی رضا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کا یہ بہترین راستہ ہے۔ اسی راستہ پر چل کر ہم سائنسی، فنی، معاشی اور معاشرتی علوم کے ہر شعبہ میں اقوام عالم کی امامت کے منصب پر فائز ہو سکتے ہیں۔

متعلم کی بنیادی ضروریات کی تکمیل

تعلیم کے وظائف میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ متعلم کی صحیح نشوونما کیلئے اس کی ضروریات کا خیال رکھے ماہرین تعلیم نے متعلم کی مناسب تربیت کیلئے درج ذیل ضروریات کو بہت اہم قرار دیا ہے۔

ا۔ جسمانی صحت: جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ایک اچھا دماغ ایک صحت مند جسم میں ہی پرورش پاتا ہے۔ اچھی صحت کے بغیر متعلم اپنا کوئی کام خوش اسلوبی سے نہیں کر سکتا۔ بیمار آدمی خود اپنے لئے اور اہل معاشرہ کیلئے بوجھ ہوتا ہے۔ تندرست فرد خود کماتا اور دوسروں کو کھلاتا ہے جبکہ بیمار دوسروں سے کھاتا ہے۔ نظام تعلیم میں متعلم کی صحت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ تعلیمی ادارے میں جسمانی ورزش، حفظان صحت کے اصولوں کی تعلیم، کھلا اور ہوادار ماحول اور کھیلوں کے مقابلے وغیرہ متعلم کی صحت کو تندرست رکھنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

عصری تعلیمی اداروں میں تو تقریباً ایسا ہوتا ہے کہ متعلمین صبح جاتے اور شام کو واپس گھر آ جاتے ہیں اس طرح انہیں حفظان صحت کے اصولوں پر عمل کرنے اور کوئی گیم کرنے کا موقع مل جاتا ہے جبکہ مدارس کے طلباء اس سے محروم رہتے ہیں یعنی بعض مدارس کے پاس تو ورزش اور کھیل وغیرہ کیلئے میدان ہی نہیں ہوتے اور بعض جگہ میدان تو میسر ہیں مگر طلباء کو اپنا پسندیدہ کھیل کھیلنے کی

Marfat.com

اجازت نہیں ہوتی، نتیجتاً ایسے متعلمین کھیل کے وقت میں ادھر ادھر گھوم کر وقت گزار دیتے ہیں اور ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ ایک متعلم جسے صبح تین بجے سے اٹھ کر رات بارہ بجے تک بیٹھ کر پڑھنا ہے اگر اس کو جسمانی و ذہنی تفریح کا موقع نہ دیا جائے تو اس کی صحت کیسے صحیح رہ سکتی ہے اور وہ کیونکر اپنی تعلیمی ترقی برقرار رکھ سکتا ہے۔

۲۔ اپنی پہچان کی خواہش:

متعلم کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اسے معاشرے میں مناسب مقام ملے، ہر متعلم اپنے خاندان، اپنے ہم جماعتوں، عزیز و اقارب اور اپنے ماحول میں اپنی حیثیت منوانے کا متمنی ہوتا ہے اور اسے اس امر سے سکون ملتا ہے۔ مدرسے کے اندر یا مدرسے کے باہر مختلف مشاغل میں متعلم کو قطعاً نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ اسے معاشرتی ذمہ داریوں کا اہل بنایا جائے۔ اگر اسے نظر انداز کیا جائے تو اس میں اضطراب اور پریشانی پیدا ہوتی ہے جو اس کی شخصیت کیلئے مضر ہے۔

۳۔ مثبت اندازِ فکر اور اظہار خیال:

ہر متعلم جب وہ کچھ سوجھ بوجھ کا مالک ہو جاتا ہے اپنے ماحول کے بارے میں سوچتا ہے، اس کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر غور کرتا ہے اور اس کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے ہم عمر دوستوں کو اپنا ہم نوا کرے۔ لہٰذا غور و فکر کی عادت پیدا کرنے، اظہار خیال کی آزادی جیسی صفات، مثبت اندازِ فکر اور مناسب اظہارِ خیال ان کی تربیت میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔

۴۔ جدید ایجادات و اختراعات سے آگاہی: ہر فرد فطرتاً تجسس پسند ہوتا ہے اس کی یہ جبلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماحول اور کائنات کے بارے میں معلومات حاصل کرے مثلاً اس کے اردگرد تبدیلیاں کیوں واقع ہو رہی ہیں اور کیسے ہو رہی ہیں؟ ان کے اسباب و علل کیا ہیں اور ان کے پس پردہ کون سی قوت کارفرما ہے؟ اسے کون متحرک کر رہا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟

ان بنیادی معلومات کے ساتھ نت نئی ایجادات و اختراعات سے آگاہی بھی متعلم کی خواہش ہوتی ہے لہٰذا متعلم کو کائنات کے اسرار و رموز سے روشناس کرانا بھی تعلیم کا فریضہ اور متعلم

Marfat.com

کی تکمیلِ ذات کیلئے از حد ضروری ہے۔اس کے ساتھ ساتھ صحیح تصورِ کائنات پیش کرنا بھی ضروری ہے تاکہ متعلم گمراہ کن تصورات وخیالات سے مجتنب رہ سکے۔

یہ چند ایک بنیادی ضروریات ہیں جنہیں تعلیمی عمل میں ہمیشہ مدّ نظر رکھنا چاہئے۔ تعلیمی مواد متعلم کی عمر، فہم اور تعلیمی مدارج کے مطابق ہونا چاہئے تاکہ اس کی بنیادی ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔ درج بالا سطور کے تناظر میں سکول، کالج، یونیورسٹیاں اور دینی ادارے اپنی کارکردگی کا جائزہ لے سکتے ہیں کہ ان کی درسگاہیں متعلم کی بنیادی ضروریات کی تکمیل میں کس حد تک کامیاب ہیں۔

عملِ تعلیم کے بنیادی عناصر

عملِ تعلیم کے بنیادی عناصر درج ذیل ہیں۔

۱) معلم	۲) متعلم
۳) تعلّم	۴) نصاب
۵) تدریس	۶) معاشرہ

ا۔معلم: معلم وہ ہستی ہے جو متعلم کی تعلیم وتربیت کا فریضہ سرانجام دیتی ہے، تعلیمی عمل میں کامیابی کا واحد دارو مدار معلم ہی کا مرہون منت ہے۔آج کے اس دور میں ایک اچھے معلم کیلئے تعلیم کے بنیادی عناصر کا جاننا انتہائی ضروری ہے، ان کے بغیر وہ اپنے اسباق کی تیاری بہتر طریقے سے نہیں کرسکتا۔ نیز یہ کہ معلم متعلم کیلئے ایک مثالی شخصیت، اس کا مربی، محسن، مرشد، پیر، مشیر اور رہنما ہوتا ہے۔ متعلم ہر معاملہ میں اپنے معلم کی تقلید کرتا ہے۔ایک معلم کی تعلیم پورے معاشرے کی تعلیم ہے، معلم نہ صرف متعلمین کو کتابی علم بہم پہنچاتا ہے بلکہ ان کی زندگی کی ہمہ پہلو تربیت، ان کی سیرت وکردار کی تکمیل اور ان کی ہر معاملہ میں رہنمائی کرتا ہے۔معلم کی قابلیت، محنت، لگن، تڑپ، جذبے اور شفقت سے متعلم کی زندگی میں انقلاب آسکتا ہے۔معلم فنِ تدریس میں ماہر اور تربیت یافتہ ہوتو وہ تعلیمی عمل میں حقیقی روح پھونک سکتا ہے۔

آپ ﷺ نے اپنے لئے معلم کے لقب کو پسند فرمایا تھا، آپ ﷺ کا ارشاد ہے(انما

Marfat.com

بعثت معلمًا) ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ معلم کو ہر معاشرے میں بلند مقام حاصل رہا ہے اور اسے روحِ انسانی کا صنعت گر قرار دیا گیا ہے اور وہ قوم معمارِ قوم کی حیثیت سے معاشرے اور قوم کی تعمیر وتشکیل کا ذمہ دار ہے۔ معلم کیلئے ضروری ہے کہ اس میں تدریس کا رجحان اور ذمہ داری کا احساس پایا جاتا ہو۔ سفارش کے ذریعے یا کسی مجبوری کے تحت تدریس کا پیشہ اختیار کرنے والا شخص کبھی حقیقی معنوں میں قوم کا معمار نہیں بن سکتا۔

۲۔ متعلم: عملِ تعلیم میں سب سے اہم عنصر متعلم کی ذات ہے اور سارا نظامِ تعلیم اسی کی تعلیم و تربیت کیلئے موضوع ہوتا ہے۔ متعلم معاشرے کا ایک اہم رکن ہوتا ہے اور اس کی تعلیم پورے معاشرے کی تعلیم ہوتی ہے۔ تعلیمی عمل کی کامیابی کیلئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ عمر کے کس درجے میں ہے، اس عمر کے تقاضے کیا ہیں، متعلم کے فہم کی کیا صورتِ حال ہے، متعلم کی صلاحیتیں، ذاتی رجحانات اور دلچسپیاں کیا ہیں؟ متعلمین کے انفرادی اختلافات، مزاج اور استعداد کے ساتھ ساتھ قومی، مذہبی اور معاشرتی ضروریات کو مدِّنظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

اگر طلباء کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنے تجربات اور ماحول سے کچھ نہ کچھ سیکھ تو جائیں گے مگر ضروری نہیں کہ ان کا معیار معاشرے کے مطلوبہ معیار کے مطابق ہو کیونکہ زندگی کا مقصد فقط روح وجسم کا رشتہ برقرار رکھنا اور روزی کمانا نہیں بلکہ زندگی کو ایسے رخ پر ڈھالنا ہے کہ وہ اللہ کا مطیع وفرمانبردار بن کر زندگی گزار سکے۔ دین وملت کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے فرائضِ منصبی ادا کر سکے اور وہ ریاست اور معاشرے کا مفید شہری بن سکے۔

۳۔ تعلّم: تعلم ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے ماحول میں پیش آنے والے تجربات کی وجہ سے متعلم کے کردار میں نسبتاً مستحکم و مستقل تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو اس فرد کو معاشرے میں اپنا کردار ادا کرنے اور اپنے مسائل حل کرنے کے قابل بنا دیتی ہیں یہ تبدیلیاں روحانی، اخلاقی، جسمانی اور کرداری بھی ہو سکتی ہیں۔ متعلم جب کسی مہیج سے دوچار ہوتا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی رد عمل ضرور پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک بچہ آگ کو چھوتا ہے تو اس کا ہاتھ جلتا ہے اور وہ تکلیف محسوس کرتا ہے فوراً اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیتا ہے۔ اس عمل میں آگ مہیج ہے اور ہاتھ کا ہٹا لینا ردعمل ہے اور یہ سارا عمل بچے کا تجربہ ہے اب بچہ کبھی بھی آگ کے قریب نہیں جائے گا کیونکہ تجربے کے نتیجے میں اس

Marfat.com

کے کردار میں تبدیلی آ چکی ہے اور یہی تبدیلی تعلم ہے۔

تعلم کا لفظ ایک جامع لفظ ہے جو اپنا ایک وسیع معنی و مفہوم رکھتا ہے یہاں صرف اسی بات پر اکتفاء کیا جاتا ہے آئندہ ابواب میں "تعلم" کے عنوان سے مستقل بحث آئے گی۔

۴۔ نصاب: نصاب کے معنی ہیں راستہ اور اصطلاح میں نصاب سے مراد وہ تمام سرگرمیاں، مشاغل، تجربات و مشاہدات اور تحقیقات ہیں جو مقاصدِ تعلیم کے حصول کیلئے تعلیمی ادارے کے اندر یا باہر ادارے کی نگرانی میں سرانجام پائیں۔ دراصل نصاب وہ شاہراہ ہے جس پر چل کر طالبعلم اپنی منزل تک پہنچتا ہے۔

عملِ تعلیم کی انجام دہی کیلئے تمام علوم وفنون، تجربات و مشاغل اور دیگر تمام لوازمات نصاب کا حصہ ہیں۔ عملِ تعلیم میں نصاب کی وہی حیثیت ہے جو نظام مملکت میں دستور کی۔ نصاب کے دو بڑے اجزاء ہیں۔

۱۔ مواد ۲۔ ہم نصابی سرگرمیاں

نصاب کی بحث بھی ایک طویل موضوع ہے جو اپنے مقام پر آئے گی۔

۵۔ تدریس: تدریس کے متعلق بھی ایک طویل بحث ہے جو اپنے مقام پر آئے گی یہاں مختصر طور پر تدریس کا بیان کیا جاتا ہے۔

تدریس ایک ایسا فن ہے جس کے ذریعے معلم مختلف طریقہ ہائے تدریس اور تدریسی حکمت عملی کے تحت متعلم کی شخصیت میں تبدیلی (تعلم) کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرتا ہے۔ تدریس کا عمل انتہائی مہارت کا تقاضا کرتا ہے استاد کے سامنے مختلف صلاحیتوں اور اہلیتوں کے متعلمین ہوتے ہیں وہ ان کے انفرادی اختلافات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تدریسی حکمت عملی اختیار کرتا ہے مختلف مضامین کی تدریس کیلئے مختلف انداز اپناتا ہے۔ مؤثر اور کامیاب تدریس وہ ہے جو متعلم کیلئے دلچسپ، دلکش، دلنشین، آسان اور دیرپا ہو۔ متعلم سیکھنے میں خوشی محسوس کرے اور شوق و رغبت کیساتھ سیکھے۔ استاد کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی تدریس کے ذریعے تعلیم و تعلم کے عمل کو آسان، دلکش، دلنشین اور دلچسپ بنائے۔

Marfat.com

۶۔معاشرہ: یہ بات مسلّم ہے کہ تعلیم ایک معاشرتی عمل ہے جس کا انتظام معاشرے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک کا نظامِ تعلیم براہِ راست اس ملک کے معاشرے کے مسائل اور ضروریات سے متاثر ہوتا ہے اس لئے نظامِ تعلیم اور عملِ تعلیم میں معاشرے کے ماحول، اس کے مسائل اور اس کی ضروریات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

متعلم اور معاشرے کا باہمی تعلق انتہائی گہرا ہوتا ہے۔ عمل تعلیم ان کے درمیان ربط ضبط کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ معاشرتی بقاء، تہذیب وتمدن، ثقافت واقدار کا تحفظ، نظریات اور علوم وفنون کا فروغ عمل تعلیم کے ذریعے ہی ممکن ہے اور یہ معاشرتی مطابقت تعلیم کے اہم وظائف میں سے ہے۔ معاشرہ کیا ہے؟ معاشرہ کسے کہتے ہیں یہ ایک تفصیلی بحث ہے جو انشاءاللہ نصاب اور تدریس کی بحث کیساتھ ذکر کی جائے گی۔

انفرادی اختلافات

اس بات میں شک کی گنجائش نہیں کہ متعلمین میں انفرادی اختلاف کا پایا جانا ایک فطری امر ہے تاہم یہ بات پیش نظر رہے کہ انفرادی اختلاف کہتے کسے ہیں؟ ان اختلاف کا تعلیم وتعلم کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ آیا انفرادی اختلافات کو جانے بغیر ایک معلم اپنی پیشہ ورانہ زمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے یا نہیں؟ ذیل میں ہم انفرادی اختلاف کا مفہوم اور تعلیم وتعلم کے ساتھ ان اختلاف کے گہرے تعلق کو بیان کرتے ہیں۔

انفرادی اختلافات کا مفہوم اور ان کی اہمیت

انفرادی اختلافات کا مطلب ہے کہ ہر بچہ جس طرح جسمانی اعضاء، بول چال، جسم، قد، جسامت، چال ڈھال، میل جول، کھانے پینے، کام کاج کرنا، سونے جاگنے، اٹھنے بیٹھنے اور کھیلنے کودنے میں دوسروں سے مختلف ہوتا ہے، بلکل اسی طرح وہ بچہ اپنے ذہن، فہم وفراست، سوجھ بوجھ، احساسات وخیالات، قابلیت، اہلیت، استعداد، صلاحیتوں، خواہشات، رجحانات سیکھنے اور نہ سیکھنے کے اعتبار سے بھی دوسرے بچوں سے بلکل مختلف ہوتا ہے۔ ان اختلافات کو انفرادی اختلاف کہتے ہیں۔ انفرادی اختلافات ہی کی بدولت افراد کے درجہ میں تعین کیا جاتا ہے یعنی ایک

Marfat.com

فرد میں پائے جانے والے مثبت انفرادی اختلاف اسے اولویت کا درجہ دیتے ہیں جبکہ دوسرے فرد میں پائے جانے والے منفی انفرادی اختلافات اسے کمتر بنا دیتے ہیں۔ انفرادی اختلافات ہی کی بدولت ہم کند ذہن، متوسط اور ذہین بچوں کی شناخت کر سکتے ہیں۔ جب ہم انفرادی اختلافات کی بدولت متعلمین کی شناخت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو تعلیم و تعلم کا سلسلہ انتہائی یقینی ہو گا۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں ماہرین نفسیات یہ ثابت کر چکے ہیں کہ انفرادی اختلافات اپنا وجود رکھتے ہیں اور کسی صورت انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لہذا معلم اور اہل معاشرہ کے بہترین مفاد میں ہے کہ ان اختلافات کو مدنظر رکھ کر نظام تعلیم وضع کریں تا کہ متعلمین کی تعلیم و تربیت کو زیادہ سے زیادہ سودمند بنایا جا سکے۔

جس طرح یہ قانونِ فطرت ہے کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اسی طرح یہ بھی مسلمہ امر ہے کہ ایک ہی والدین کے ہاں پرورش پانے والے اور ایک ہی ماحول میں پلنے بڑھنے والے بچے کبھی یکساں خصوصیات کے حامل نہیں ہوتے۔ مثلاً ایک انجینئر والدین کا بیٹا انجینئرنگ کے شعبے میں جانا پسند کرتا ہے اور انہی والدین کا دوسرا بیٹا میڈیکل کے شعبے میں رغبت رکھتا ہے۔ ایک سائنسدان کا بیٹا شعر و ادب کے ساتھ لگاؤ رکھتا ہے اور اس کی سب سے واضح مثال خود ہمارے علماء طبقے کی ہے کہ تھوڑی سی مقدار کے استثناء کے ساتھ اکثر علماء و قراء حضرات کے بیٹے اپنے والدین کے شعبے کی طرف نہیں آنا چاہتے بلکہ سکول و کالج کی لائن اختیار کرتے ہیں۔ اسی قانونِ فطرت کے پیش نظر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ ایک ہی درسگاہ اور ایک ہی ماحول میں رہنے والے متعلمین بھی مختلف خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ لہذا اگر معلم کی یہ خواہش ہے کہ اس کی جماعت کے طلباء مناسب تعلیم و تربیت کے حامل ہوں تو پھر معلم کو ان کے انفرادی اختلافات کو پیش نظر رکھ کر تدریس کی بہتر منصوبہ بندی کرنی ہو گی۔

☆☆☆☆

Marfat.com

انفرادی اختلافات کی اقسام

انفرادی اختلاف کی اہمیت کے پیشِ نظر انہیں بہت سی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے تاہم طوالت کے خوف سے ہم صرف تین اقسام بیان کر کے اپنے موضوع کو سمیٹنے کی کوشش کریں گے۔

١) ذہنی اختلافات ٢) جسمانی اختلافات

٣) معاشی و معاشرتی اختلافات

١) ذہنی اختلافات: تقریباً ہر متعلم ذہن کے اعتبار سے دوسرے متعلم سے مختلف ہوتا ہے اور ذہانت کا یہ تفاوت بہت شدید اور وسیع ہوتا ہے۔ مطالعہ میں سہولت اور فہمِ مقصد کے پیشِ نظر ہم ذہنی اختلافات کے اعتبار سے متعلمین کو تین گروہوں میں تقسیم کریں گے۔

١) ذہین متعلین ٢) متوسط متعلمین ٣) کند ذہن متعلمین

ذہین متعلمین: ذہین متعلمین کی رفتارِ تعلم دیگر طلباء کی نسبت زیادہ تیز ہوتی ہے۔ ایسے متعلمین اپنے فہم و بصیرت کی بناء پر معلم کا سبق جلد سمجھ جاتے ہیں۔ اپنے ہم عمروں سے بڑھ کر تعلیمی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں اور اعلیٰ ترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف تعلیمی میدان میں مسابقت لے جاتے ہیں بلکہ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی غیر معمولی نتائج اخذ کرتے ہیں نیز وہ اپنی عقل و سمجھ کی بناء پر پیش آمدہ مسائل کی بہتر منصوبہ بندی کر کے انہیں حل کے قابل بناتے ہیں۔ بعض اوقات معلم کی تدریس ان کے تجسس کی تسکین نہیں کر سکتی اور یہ فطرتی بات ہے کہ ایسے طلباء میں تجسس کا مادہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے وہ ہر چیز کی بابت جاننا چاہتے ہیں کہ یہ کیسے اور کیونکر وجود میں آئی؟ اس کے مقاصد کیا ہیں؟ ایسے متعلمین خود ہی اپنے ذہن میں سوال کرتے اور ان کا حل بھی خود ہی ڈھونڈ لیتے ہیں۔

مسائل اور حل: ذہین طلباء کے مسائل یہ ہوتے ہیں کہ بعض اوقات استاد کی تدریس ان کے سسپنس اور تجسس کی مکمل تسکین کرنے سے قاصر ہوتی ہے۔ وہ ایک چیز کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں مگر انہیں تسلی بخش جواب نہیں دیا جاتا یا انہیں سوال کرنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی نتیجتاً

Marfat.com

وہ مذکورہ معلم کے سبق میں عدم دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں اور بعض دفعہ تو متعلم کے دل میں معلم کے متعلق منفی خیالات جنم لیتے ہیں جو اس کی کامیابی کیلئے انتہائی مضر ثابت ہوتے ہیں۔ لہذا ایسے متعلمین کے تجسس کی تسکین کیلئے معلم کیلئے ضروری ہے کہ وہ سبق اور اس سے متعلق دیگر مباحث کی خوب اچھی طرح تیاری کر کے آئے۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ ذہین متعلمین استاد کی خصوصی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ معلم کیلئے ضروری ہے کہ ایسے متعلمین کیلئے اس فن سے متعلق اعلیٰ غیر نصابی کتب کی نشان دہی کرے اور ان کی دستیابی کو یقینی بنائے۔

۲) متوسط متعلمین: متوسط متعلمین نہ تو اتنے تیز ہوتے ہیں کہ وہ ذہین بچوں کیساتھ شریک ہو سکیں اور نہ ہی اتنے کند ذہن کہ بلکل کچھ بھی نہ سمجھ پائیں بلکہ وہ اکثریت کے شانہ بشانہ چلتے ہیں۔ وہ زندگی کی دوڑ میں نہ اتنے تیز ہوتے ہیں کہ دوسروں کیلئے ان کی سطح تک پہنچنا مشکل ہو جائے اور نہ اتنے ست کہ سب سے پیچھے رہ جائیں۔ وہ ہر میدان میں درمیانی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور یہ کارکردگی کام کی نوعیت کے اعتبار سے بڑھتی اور گھٹتی رہتی ہے۔

ایسے طلباء کی سہولت کے پیش نظر معلم کو چاہیے کہ ان کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھتے ہوئے طریقہ تدریس اپنائے نہ تو اس قدر اغلاق و اختصار کیا جائے کہ وہ صحیح طور پر بات کو سمجھ ہی نہ سکیں اور نہ اس قدر شرح و تفصیل میں جایا جائے کہ وہ بوریت محسوس کرنے لگیں اور عدم دلچسپی کا اظہار کریں۔

۳) کند ذہن متعلمین:

کند ذہن متعلمین بہت سادہ، معمولی صلاحیت کے حامل، معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والے اور حالات کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ ایسے طلباء کی تعلیم و تدریس کیلئے معلم کو غیر معمولی محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے طلباء کی یاداشت بہت کمزور ہوتی ہے نتیجتاً معلم کا سبق بہت دیر سے اور بار بار پڑھنے سے سمجھتے ہیں اور پھر جلد ہی بھول جاتے ہیں۔

ذہنی اختلافات کے حل کی منصوبہ بندی:

ذہانت ایک ایسی خوبی ہے جو حصولِ تعلیم پر براہِ راست اثر ڈالتی ہے لہذا جسمانی

Marfat.com

صورت سے بھی زیادہ ذہنی معیار کو ملحوظِ خاطر رکھ کر قریب قریب درجہ کے حامل متعلمین کے مناسب گروہ بنا دیئے جائیں اور پھر ان گروہوں میں مناسب تعداد میں کند ذہن متعلمین کو سمو دیا جائے اور ذہین طلباء کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ ان کند ذہن طلباء کی مکمل رہنمائی کریں اور انہیں اپنے شانہ بشانہ چلنے کے قابل بنائیں اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ گروہ کسی خاص مضمون یا سرگرمی کیلئے بنائے جائیں دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ ہر مضمون کی علیحدہ سے گروہ بندی کی جائے کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک متعلم کسی خاص مضمون میں تو ذہین جبکہ کسی دوسرے مضمون میں کند ذہن ہوتا ہے لہذا ہر معلم کو چاہئے کہ وہ اپنے مضمون کی خود منصوبہ بندی کرے۔

یہ سراسر ظلم ہوگا کہ تمام مضامین اور سرگرمیوں کیلئے ایک ہی گروپ بنا دیا جائے نیز کسی گروپ کی تشکیل میں مناسب معیار کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا جائے۔ محض روایتی طریقوں اور طلباء کی ذہنی سطح کا سرسری مطالعہ کر کے گروہ بندی کرنا سعی لاحاصل، گروہ بندی کی افادیت کو کھو دینا اور وقت کا ضیاع ہے۔ درسگاہ میں استاد کو چاہئے کہ تمام متعلمین کی ذہنی سطح کو پیش نظر رکھ کر تدریس کو اپنائے۔ اگر وہ ذہین متعلمین کو پیشِ نظر رکھ کر تدریس کرتا ہے تو متوسط اور کند ذہن متعلمین اس کی بات کو نہ سمجھ سکیں گے اور سبق میں دلچسپی نہ لیں گے۔ معمولی ذہانت والے متعلمین محنت اور لگن کے باوجود غیر معمولی نتائج برآمد نہیں کر سکتے اس لئے ذہین اور معمولی ذہانت کے حامل متعلمین سے یکساں نتائج کی توقعات وابستہ کی جائیں اور نہ ہی انہیں سزا و ندامت کا مستحق ٹھہرایا جائے بصورت دیگر وہ تعلیم سے دلبرداشتہ اور تنگ ہو جائیں گے اور تعلیمی اداروں سے بددل ہو کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوں گے۔

مفکرین کی آراء: آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بعض ماہرین کی یہ رائے ہے کہ ذہانت کے اعتبار سے متعلمین کی جماعتیں تشکیل دی جائیں یعنی ذہین متعلمین کی الگ کلاس بنائی جائے۔ متوسط متعلمین کی الگ جماعت بنائی جائے اور کند ذہن متعلمین کی الگ جماعت بنائی جائے۔

راقم کی نظر میں یہ اتنا سود مند نہ ہوگا کیونکہ یہ تو وہی سرمایہ دارانہ نظام والی بات ہوگی کہ جس میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے بلکل اسی طرح ذہین متعلمین تو ترقی کی منازل طے کرتے چلے جائیں گے جب کہ کند ذہن کچھ حاصل نہ کر پائیں گے۔ تاہم اس رائے

Marfat.com

کے موافق بھی دلائل دیئے جاتے ہیں اور اس کے مخالف بھی ذیل میں ہم موافقانہ آراء اور مخالفانہ آراء پیش کر کے فیصلہ آپ پر چھوڑتے ہیں۔

موافقانہ آراء: اگر ذہین، متوسط اور کند ذہن متعلمین کو ایک ہی جماعت میں اکٹھا کر دیا جائے تو رویوں کی تعمیر مناسب نہ ہو سکے گی۔

ii۔ کند ذہن اور متوسط صلاحیتوں والے طلباء ذہین و فطین متعلمین سے آنکھیں چرائیں گے۔

iii۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ کند ذہن اور متوسط صلاحیتوں کے حامل طلباء ذہین طلباء کے سامنے آئے روز سزا کے باعث احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔

iv۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ کم یا سست رفتار سے چلنے والے متعلمین پسماندہ ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ ذہین متعلمین کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔

v۔ ذہین اور اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل طلباء اپنے بالمقابل کند ذہن اور متوسط متعلمین کے بارے میں غیر پسندیدہ رویہ اپنا لیتے ہیں۔

مخالفانہ آراء:

i۔ اس قسم کے گروہ بنا کر متعلمین کو خواہ مخواہ ذہنی قوتوں اور دماغی صلاحیتوں کی کمی کی سند دے دی جاتی ہے حالانکہ ہو سکتا ہے وہ ذہن متعلمین کے ماحول میں رہ کر غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں کا اظہار کر سکیں۔

(ii) اس گروہ بندی کے باعث احساس کمتری اور فوقیت کے احساس کا غیر نفسیاتی ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔

(iii) اس ترکیب میں زیادہ تر زور کسی قابل قدر یا پہلو پر ہوتا ہے حالانکہ زندگی کی مسرتوں میں اضافے کے لیے کئی دوسرے عوامل بھی کارگر ہوتے ہیں جنہیں سراسر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

جسمانی اختلافات:

جسمانی اختلافات یا تو والدین سے وراثت کے طور پر آگے منتقل ہوتے ہیں یا وہ پیدائشی مگر غیر اکتسابی ہوتے ہیں مثلاً رنگ و روپ، ظاہری شکل و صورت، قد و قامت کا بڑا چھوٹا

Marfat.com

ہونا اور بعض دفعہ صحت و بیماری وغیرہ بھی اسی میں شامل ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جسمانی اختلافات نہ تو وراثتاً اور نہ ہی پیدائشی ہوتے ہیں بلکہ حالات وحادثات کے تحت پیدا ہوتے ہیں مثلاً آپ جماعت کا مشاہدہ کریں تو آپ کو جسمانی لحاظ سے مختلف متعلمین نظر آئیں گے کوئی موٹا، کوئی پتلا، کوئی صحت منداور کوئی کمزور، کوئی کالا اور کوئی گورا، کسی کی آنکھیں کالی کسی کی نیلی، کسی کے دانت خوبصورت کسی کے بدصورت، کسی کی آواز پیاری اور نرم، کسی کی سخت اور کرخت، ان کے کپڑے الگ الگ، ان کے انداز الگ الگ یہ سب کی سب جسمانی اختلافات ہی کی صورتیں ہیں۔

یہ اختلافات اگر صرف جلد کے ہوں تو ان کے اثرات کو تو ایک ممکنہ حد تک روکا جا سکتا ہے لیکن اگر متعلم میں کوئی پیدائشی نقص یا کوئی توارثی کمزوری پائی جائے تو ایسی کمزوری تعلم پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے۔ ایسے متعلمین اپنے ساتھیوں کے مذاق کا نشانہ بن کر احساسِ کمتری کا شکار ہو کر تعلیم سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور بعض طلباء تو بددل ہو کر تعلیم ہی ترک کر دیتے ہیں۔ تعلیمی اداروں میں درج ذیل نوعیت کے جسمانی اختلافات کا بخوبی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

i) بعض ایسے متعلمین جو کسی جسمانی عضو کے ضائع ہونے یا کسی بیماری کے باعث معذور ہو جاتے ہیں وہ مسلسل کلاس فیلوز کے مذاق کا نشانہ بنتے ہیں۔

ii) بعض متعلمین تتلا کر بولتے ہیں ایسے متعلمین جماعت میں زیادہ بولنے سے گھبراتے ہیں۔

iii) جو متعلمین پیدائشی یا حادثات کے باعث معذور ہوتے ہیں یا بعض جسمانی کمزوریوں کا شکار ہوتے ہیں وہ متعلمین بھی تعلیم میں مناسب کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔

iv) ایک ہی جماعت میں کچھ اچھی شکل وصورت اور مناسب قد وقامت کے ہوتے ہیں جبکہ بعض معمولی شکل وصورت، غیر صحت منداور بعض بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں۔

پہلی قسم کے متعلمین کو اگر معلم زیادہ توجہ دے گا تو نتیجتاً دوسری قسم کے متعلمین احساس کمتری کا شکار ہوں گے۔ جسمانی اختلافات کے حامل متعلمین شدید احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں، ہر وقت بجھے بجھے سے رہتے ہیں اور بعض تو تعلیمی اداروں سے فرار کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ نہ انہیں معلم سے کوئی لگاؤ ہوتا ہے اور نہ ہی وہ کسی چھوٹے بڑے کا خیال کرتے ہیں، عموماً ایسے متعلمین کا ذہن باغیانہ ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

جسمانی اختلافات کا تفاوت اور ان کا حل:

جسمانی اختلافات کے حامل متعلمین کی بہتر تعلیم و تربیت کیلئے معلم کو سخت محنت کرنی پڑتی ہے معلم کو چاہئے کہ وہ کمرۂ جماعت میں ایک مناسب ماحول پیدا کرے۔ اس قدر ڈھیل نہ دی جائے کہ صحت مند متعلمین سرِ عام جسمانی اختلافات کے حامل متعلمین کو مذاق کا نشانہ بنائیں۔ جسمانی طور پر کمزور طلباء کو دیگر طلباء کی نسبت زیادہ پیار محبت دی جائے اور انہیں اپنائیت کا احساس دلایا جائے۔ اگر یہ اختلافات ایسے ہیں کہ کمرۂ جماعت میں ان کی تلافی ممکن ہے تو اس تلافی کو یقینی بنایا جائے مثلاً اگر کوئی متعلم بصارت یا سماعت سے محروم ہے تو اسے اگلی نشستوں پر جگہ دی جائے۔ ایسے متعلمین کی معمولی کامیابی پر بھی غیر معمولی خوشی کا اظہار کیا جائے تاکہ عملِ تعلیم میں ان کی دلچسپی کا سامان پیدا ہو اور وہ دلگی سے تعلیم حاصل کر سکیں۔ حاصل یہ کہ ایسے متعلمین کو خصوصی پیار، محبت، ہمدردی اور تعاون کا یقین دلایا جائے تاکہ ان کا جسمانی کمزوری کیطرف دھیان ہی نہ جائے۔

3۔ معاشی و معاشرتی اختلافات

ہمارے ہاں تعلیمی اداروں میں آنے والے متعلمین مختلف علاقوں سے آتے ہیں لہذا ہر متعلم کے معاشی و معاشرتی حالات ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہوتے ہیں۔ تعلیمی عمل کی کامیابی کیلئے متعلمین کے معاشی و معاشرتی حالات کو سمجھنا بھی انتہائی ضروری ہے۔

ایسے متعلمین جن کے معاشی حالات بہتر ہوتے ہیں وہ مناسب کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں کیونکہ ان کی تمام ضروریات وخواہشات کی بہتر تکمیل ہوتی ہے اور وہ کسی ذہنی دباؤ کے بغیر اپنا تعلیمی سفر جاری رکھتے ہیں۔ حصولِ علم میں انہیں کسی چیز کی کمی کا احساس نہیں ہوتا اور کوئی مالی دشواری ان کی تعلیم میں رکاوٹ نہیں ڈالتی نیز وہ گھر اور ادارے کے ماحول میں کوئی تضاد نہیں محسوس کرتے۔ اس کے برعکس معاشی طور پر کمزور متعلمین مختلف قسم کی شدید مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ ہر وقت اپنی ضروریات کی تکمیل کے طریقے ڈھونڈتے ہیں۔ وہ ذہنی طور پر پریشان رہتے ہیں۔ کبھی گھر کے ماحول میں ضروریاتِ زندگی کی عدم دستیابی کی فکر اور کبھی حصولِ تعلیم کیلئے معاون

Marfat.com

و مددگار اشیاء کی کم یابی انہیں ہر وقت ذہنی دباؤ کا شکار رکھتی ہے حتی کہ ہمارے ہاں ایسے طلباء کی بھی ایک کثیر تعداد موجود ہوتی ہے جو آلاتِ علم تک مثلاً کتابیں، قلم، دوات، پنسل وغیرہ خریدنے کی بھی استطاعت نہیں رکھتے۔ یہ ایک افسوسناک امر ہے کہ اہلِ معاشرہ میں سے صرف معاشی طور پر کمزور لوگ ہی اپنے بچوں کو مذہبی اداروں میں داخل کرواتے ہیں اس پر مستزاد یہ کہ معاشی طور پر کمزور اہلِ معاشرہ بھی اپنے بچوں میں سے سب سے کمزور بچے کو مذہبی اداروں کیلئے منتخب کرتے ہیں۔ معاشی طور پر کمزور متعلمین کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تعلیم کے دوران گھریلو حالات کی مجبوری کا بہانہ بنا کر "سلسلۂ تعلیم ترک کر دیتے ہیں اور "ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے" کا مصداق بن جاتے ہیں۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ ایسے متعلمین جنہوں نے چار پانچ سال تک تعلیمی میدان میں مغز کھپایا ہوتا ہے سب کچھ ادھورا چھوڑ کر تعلیم کو خیر باد کہہ دیتے ہیں۔

اب جب وہ سلسلہ تعلیم ترک دیتے ہیں نہ تو ان کے پاس کوئی ہنر ہوتا ہے کہ وہ کسی ہنر کے بل بوتے پر کوئی کام ڈھونڈ لیں اور نہ ہی ان کے پاس عصری تعلیم کی کوئی ڈگری ہوتی ہے کہ انہیں کوئی مناسب نوکری مل جائے اور اس سے بھی بڑھ کر افسوسناک بات یہ کہ اب وہ اپنی عمر کے اس حصے تک پہنچ جاتے ہیں کہ وہ اب باقاعدہ کسی عصری ادارے میں رہ کر شروع سے اپنا تعلیمی سفر جاری کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس اتنا وقت اور گھریلو حالات کیطرف سے اجازت ہوتی ہے نتیجتاً ایسے متعلمین کا حال مزدوری کرنے والے افراد سے کچھ کم نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ معاشی طور پر کمزور متعلمین نمایاں کامیابی نہیں حاصل کر پاتے اور اگر کچھ طلباء غیر معمولی کامیابی کا مظاہر بھی کریں تو انکی یہ کامیابی گھریلو حالات کے پیشِ نظر چنداں اہمیت کی حامل نہیں ہوتی کیونکہ کیا معلوم وہ کسی وقت گھریلو حالات کے باعث سلسلۂ تعلیم ترک کر دیں؟

معاشی حالات کی طرح معاشرتی حالات بھی تعلیم بھی گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ مثلاً ایک متعلم کا گھریلو ماحول مذہبی اور مہذب ہے تو وہ اس ماحول سے عاری متعلم سے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرے گا۔ جن خاندانوں میں مہذب اور تعلیم یافتہ لوگ نہیں، ایسے ماحول میں متعلمین کو مناسب تعلیمی رہنمائی میسر نہیں آتی نتیجتاً وہ تعلیمی میدان میں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔

Marfat.com

معاشی ومعاشرتی اختلافات کے حل کا طریقہ کار:

متعلمین کے معاشی ومعاشرتی اختلافات کے حل کیلئے پہلی ذمہ داری والدین کی ہے کہ وہ معاشی حالات کو پیشِ نظر رکھ کر بچے کے مستقبل کا فیصلہ کریں اور اس امر کا یقینی طور پر تعین کریں کہ آیا مستقبل میں وہ اپنے بچے کا تعلیمی سفر جاری رکھ سکیں گے یا نہیں؟ ایسا تو نہیں ہوگا کہ کہیں درمیان میں انہیں اپنا تعلیمی سلسلہ ترک کرنا پڑے؟ اولاً والدین کو چاہئے کہ خوب غور وخوض کر کے بچے کو کسی تعلیمی ادارے میں داخل کروائیں ثانیاً جب یہ فیصلہ کر چکیں تو پھر اس پر ڈٹ جائیں خواہ حالات کیسے ہی ہوں، برے حالات میں اگر آپ ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں گے تو آپ کے رفعِ درجات کا کوئی حساب نہ ہوگا اور اللہ رب العزت آپ کی پریشانیوں کے مداوے کیلئے غیب سے کوئی سبیل نکال دے گا۔

دوسرے نمبر پر ذمہ داری ہے اساتذہ کی۔ اساتذہ کو چاہئے کہ اپنی تدریس کو انتہائی حساس انداز میں پیش کریں۔ ایسے متعلمین کو سزا دینے یا سرزنش کرنے سے پہلے ان کی کمزوری کے اسباب پر غور کریں۔ مثلاً ایک متعلم ذہین ہے اور اسے پڑھنے لکھنے کا شوق بھی مگر معلم جب اسے کاپی چیک کرانے کیلئے کہتا ہے تو اس کے پاس کاپی ہے ہی نہیں اب معلم کو چاہئے کہ اسے سزا دینے اور سرزنش کرنے سے پہلے اس کی اس کمزوری کا سبب تلاش کرے اور پھر اس کے بعد اس کمزوری کی تکمیل میں اپنا فرض ادا کرے، اگر ممکن ہو تو ایسے متعلمین کو تعلیمی اداروں میں ہی ایسے مواقع فراہم کیئے جاسکتے ہیں جن سے ان کیلئے آمدنی کے ذرائع پیدا ہوسکیں تا کہ وہ ''اپنی مدد آپ'' کے تحت کام کر سکیں۔ ان کی انا کو ٹھیس پہنچے اور نہ ہی وہ تعلیمی ضروریات کی تکمیل میں کسی کے محتاج ٹھہریں۔

لاریب یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ غریب گھرانوں کے متعلمین ہی تعلیمی سطح پر غیر معمولی کامیابی کا مظاہرہ کرتے ہیں مگر ہمارا المیہ یہ ہے کہ عصری تعلیمی اداروں میں تو ایسے متعلمین کی خوب حوصلہ افزائی کی جاتی ہے جو بجائے خود ایک مستحسن امر ہے، ایسے متعلمین کو مفت تعلیم کی سہولت دی

Marfat.com

جاتی ہے اور لاکھوں روپے کی فیس معاف کرنے کے ساتھ ساتھ ماہانہ وظیفہ بھی جاری کیا جاتا ہے مگر ہمارے ہاں ایسا کوئی مناسب انتظام نہیں۔ کم از کم غریب گھرانوں کے ذہین طلباء کیلئے ماہانہ وظیفے کا اجراء انتہائی ناگزیر ہے تا کہ وہ تعلیمی عمل میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کریں۔ عموماً اس مسئلے میں وسائل کی کمی کا رونا رویا جاتا ہے تو عرض ہے کہ یہ دین کا کام ہمارا نہیں اللہ کا کام ہے جس طرح وہ ذات دیگر ضروریات پوری کر دیتی ہے وہ اس سلسلے میں بھی کوئی نہ کوئی سبیل ضرور نکال دے گی اس سلسلے میں مفتی تقی عثانی صاحب فرماتے ہیں کہ جب کام اللہ کا ہے تو اللہ سے ہی مانگو اور نہ ملے (جس کا کوئی امکان نہیں) تو بند کر دو۔

اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ طلباء دلچسپی، لگن اور محنت کیساتھ تعلیمی عمل میں مشغول ہو جائیں گے اور آپ کا ادارہ غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ کرے گا۔

متعلم کے معاشرتی حالات بھی تعلیمی عمل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس معاملے میں والدین کو چاہیے کہ انہیں گھر میں تعلیمی ماحول مہیا کریں، ان کی تعلیمی کارکردگی کا جائزہ لیتے رہیں۔

متفرق انفرادی اختلاف:

مندرجہ بالا اختلافات کے علاوہ متعلمین میں بعض دوسری قسم کے انفرادی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں مثلاً جذباتی اختلافات، رجحانات اور صلاحیتوں کے اختلاف، سیاسی و ثقافتی اختلافات اور طبعی اختلافات وغیرہ لیکن یہ اختلافات عملِ تعلیم پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوتے۔ اگر معلم متعلمین کے ان اختلافات کو پیش نظر رکھ کر اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں نبھائے تو اسے تعلیمی عمل میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ ہوگی اور یہ عمل بحسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچے گا نیز مقاصدِ تعلیم کا حصول بھی یقینی ہوگا۔

☆☆☆☆

Marfat.com

عملِ تعلیم کی کامیابی کے بنیادی عناصر

اس میں شک نہیں کہ عملِ تعلیم کی کامیابی کے بنیادی عناصر جانے بغیر معلم طلباء کی مناسب وموزوں تربیت کرسکتا ہے اور نہ ہی ان کی سیرت وکردار کی تکمیل کا فریضہ سرانجام دے سکتا ہے سچ تو یہ ہے کہ خواہ کوئی بھی پروگرام ہو اس پروگرام کی کامیابی کے بنیادی عناصر سمجھے بغیر اس میں مغز کھپانا بے سود اور سعی لاحاصل ہے۔ ذیل میں ہم عملِ تعلیم کی کامیابی کے بنیادی عناصر درج کرکے ان پر مرحلہ وار بحث کرتے ہیں۔

عملِ تعلیم کی کامیابی کے بنیادی عناصر درج ذیل ہیں۔

(۱) آمادگی (۲) دلچسپی (۳) توجہ

(۴) تحریک (۵) معنویت (۶) رویے

(۷) حوصلہ افزائی (۸) ابتدائی تعارف

(۱) آمادگی:

آمادگی کا مطلب ہے کہ کسی فعل کو سرانجام دینے کیلئے تیار ہونا، یہ قانونِ فطرت ہے کہ انسان صرف وہی کچھ کرپاتا ہے جسے کرنے کیلئے وہ آمادہ ہو اسی طرح یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ متعلم صرف وہی کچھ سیکھتا ہے جسے سیکھنے کیلئے آمادہ ہو۔ اب سبق میں مشکل مقامات بھی آتے ہیں اور بعض اوقات متعلمین انہیں پڑھنے اور سیکھنے کیلئے بالکل آمادہ نہیں ہوتے تو ایسے حالات میں اگر معلم نے متعلمین کو سیکھنے پر آمادہ نہ کیا تو کامیابی کا حصول غیر یقینی ہوجائے گا۔

کسی بھی کام کو اچھے طریقے سے کرنے کیلئے ضروری ہے کہ کرنے والا خوشی سے اسے کرنے کیلئے تیار ہوجائے۔ اس پر کسی قسم کا دباؤ نہ ہو اور اس میں مذکورہ کام کرنے کی اہلیت و صلاحیت بھی موجود ہو۔ اگر اس میں کام کی صلاحیت واہلیت ہی نہ ہو اور ہم اسے اس کام پر آمادہ کریں تو یہ ناممکنات میں سے ہے مثلاً ہم صرف ونحو سے ناواقف متعلم کو عربی عبارت پڑھنے پر آمادہ کرنا چاہیں تو یہ بے سود ہوگا۔ دراصل آمادگی میں دو چیزیں ہیں۔ (i) متعلم کو ذہنی طور پر کوئی کام کرنے کیلئے تیار کرنا۔ (ii) اس میں اس کام کرنے کی اہلیت وصلاحیت کا موجود ہونا۔ ہر مصلح

Marfat.com

اپنی تعلیم اس وقت دیتا ہے جب سامنے والا اس کے سیکھنے کیلئے آمادہ ہو۔

حضور ﷺ نے بھی کوہِ صفا پر چڑھ کر سوال و جواب کے ایک مکالمے کے ذریعے پہلے لوگوں کو آمادہ کیا تھا پھر اپنی تعلیم پیش کی کہ "قولوا لا اله الا الله تفلحون" اسی طرح قرآن کے تئیس سالہ مدت اور بتدریج نازل ہونے میں بھی آمادگی کا عنصر مضمر ہے۔ جب کوئی خاص واقعہ پیش آتا اور صحابہ کرامؓ کے ذہن اس واقعے کے مطابق ڈھل جاتے تو قرآنی آیت نازل ہو جاتی۔ مثلاً حرمتِ خمر کی مثال لیجئے۔ حرمت خمر سے پہلے ایک صاحب نے شراب پی لی اور ان پر نشہ کی حالت چھا گئی اور کچھ غیر فطرتی امور کا ارتکاب کر بیٹھے۔ اب تمام حاضرین فطرتاً شراب کو برا سمجھنے لگے تو جب ناظرین کی فطرت نے انہیں شراب کے فعل قبیح ہونے پر آمادہ کر دیا تو اللہ رب العزت نے آیت نازل فرما کر کلی حکم جاری کر دیا کہ

"یاایها الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانساب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبواه لعلکم تفلحون"

حاصل کلام یہ کہ سیکھنے کا عمل اسی وقت موثر ہو سکتا ہے جب آمادگی کا عنصر موجود ہو، پھر آمادگی میں بھی دو چیزیں ہیں۔ (i) متعلم سیکھنے کیلئے ذہنی طور پر تیار ہو۔ (ii) مطلوبہ علم سیکھنے کی اہلیت و صلاحیت بھی پائی جاتی ہو۔ ماہرین نفسیات بہت سے تجربات سے ثابت کر چکے ہیں کہ آمادگی کے بغیر عمل تعلیم موثر نہیں ہو سکتا۔

(۲) دلچسپی:

دلچسپی ایک ایسا جذبہ ہے جو فرد کو کسی خاص کام کیلئے ابھارتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر یوں کہیے کہ دلچسپی ایک ایسا جذبہ ہے جو متعلم کی طبیعت میں ایسا انہاک پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے بالکل بے خبر ہو کر اپنے کام میں جت جاتا ہے۔ متعلم اسباق تو سبھی یاد کرتا ہے لیکن بعضوں کو تو عام توجہ سے اور بعض اسباق دلچسپی سے یاد کرتا ہے لہذا اگر متعلم کسی مضمون میں دلچسپی نہیں لے رہا تو اس میں خاطر خواہ نتائج نہیں حاصل ہو سکتے۔ معلمین کو چاہیے کہ متعلمین کی دلچسپیاں مدنظر رکھ کر تدریس کا پیشہ اپنائیں اور دلچسپی ان کی تدریس کا ضروری عنصر ہونا چاہیے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بچہ مدرسہ میں خوشی خوشی جاتا ہے جبکہ دوسرا بچہ روتا ہوا مدرسے

Marfat.com

جاتا ہے، اس کی وجہ ان بچوں کا مدرسہ میں تجربہ ہے۔ مؤخر الذکر بچوں کیلئے مدرسے میں دلچسپی کا سامان نہیں ہوتا اس لیے وہ راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جبکہ اول الذکر بچے اپنی دلچسپیوں کی تکمیل کے باعث خوشی خوشی مدرسے جاتے ہیں اور مناسب کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ دلچسپیاں عام طور پر عمر، وقت، حالات اور جنسی اختلافات کے باعث بدلتی رہتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی مدنظر رہے کہ صرف دلچسپی ہی سے ہر کام ممکن نہیں بلکہ اہلیت وصلاحیت کا آمیزہ بھی ملے تو تب کام چلے گا۔

عملِ تعلیم میں دلچسپی پیدا کرنے سے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(i) دلچسپی کے ذریعے بوریت والے مضامین آسانی پڑھائے جا سکتے ہیں اور ان میں ایک لطف پیدا ہو جاتا ہے۔

(ii) دلچسپی کے باعث متعلمین کی کام کرنے کی صلاحیت بڑھتی ہے اور وہ زیادہ دیر تک کام کر سکتے ہیں۔

(iii) دلچسپی کی بناء پر متعلمین میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے عملِ تعلیم مضبوط، مستحکم اور پائیدار ہوتا ہے۔

(iv) دلچسپی پیدا کر کے معلمین اپنے طریقۂ تدریس کو زیادہ آسان اور کامیاب بنا سکتے ہیں۔

(v) دلچسپی پیدا کرنے کیلئے سمعی و بصری آلات استعمال کر کے مشکل نصاب کو آسان بنایا جا سکتا ہے۔

دلچسپی کیسے پیدا کی جائے؟

(i) سمعی وبصری آلات کا استعمال

(ii) کبھی کبھار نمکین باتوں کے ذریعے بھی دلچسپی کا سامان پیدا کیا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ہر متعلم کی فطرت، رویے اور ماحول کو دیکھ کر دلچسپی پیدا کی جا سکتی ہے۔

(۳) توجہ:

ہمارے اردگرد بیک وقت بہت سی اشیاء موجود ہوتی ہیں لیکن ہم ان میں سے کسی ایک شے کیطرف مائل ہوتے ہیں۔ ذہن کے اس انتخابی عمل یا شعور کی انتخابی ذہنیت کو توجہ کہا جاتا ہے۔ توجہ کا عمل خالصتاً ایک ذہنی عمل ہے۔

Marfat.com

توجہ ایک ایسی خوبی ہے جو براہ راست عمل تعلیم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ کم ذہنی عمر کے طلباء شروع میں اسباق کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے لیکن جب ذہنی عمر بڑھ جاتی ہے تو وہ سبق کی طرف آمادہ ہو جاتے ہیں اور ان کی توجہ بہتر ہو جاتی ہے۔

جب متعلمین کی ذہنی عمر پختہ ہو جاتی ہے تو ان کی توجہ کی وسعت بھی بڑھ جاتی ہے اور اس کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(i) جماعتی سرگرمیاں:

کمرۂ جماعت کا ماحول اور جماعتی سرگرمیاں توجہ پر اثر انداز ہوتی ہیں مثلاً جماعت میں طلباء کی تعداد مناسب مقدار سے زیادہ ہو۔ جماعت میں استاد زیادہ سختی کرتا ہو، کمرۂ جماعت کے باہر شور ہو، باہر کوئی دلچسپ پروگرام ہو رہا ہو، کمرۂ جماعت گندا ہو اور اس میں سامان ترتیب سے نہ ہو، کمرہ کے لوازمات پورے نہ ہوں، جماعت میں منفی رویے والے طلباء کی اکثریت ہو، آئے روز جماعت میں ہنگامہ برپا ہو جاتا ہو تو ان تمام صورتوں میں طلباء کی توجہ پر براہِ راست اثر پڑے گا اور وہ تعلیم کیطرف توجہ نہ دے سکیں گے۔

(ii) طریقۂ تدریس:

عملِ تدریس میں استاد کی شخصیت نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ متعلمین استاد کے ہر فعل سے متاثر ہوتے ہیں حتیٰ کہ اگر استاد صفائی پسند نہ ہو تو طلبہ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں، اسی طرح اگر استاد زیادہ سخت ہو تو طلبہ کمرۂ جماعت میں بیٹھ کر ڈرتے رہتے ہیں اور سبق پر توجہ دینے کی بجائے استاد کے چلے جانے کے انتظار میں ہوتے ہیں بصورتِ دیگر اگر استاد نرم مزاج ہو تو جماعت کنٹرول میں نہیں رہتی، نتیجتاً طلباء کی توجہ سبق پر نہیں رہتی۔

استاد کی شخصیت کی طرح اس کا طریقۂ تدریس بھی طلبہ کی توجہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر معلم کا طریقۂ تدریس غیر دلچسپ، غیر معیاری، طلباء کی ذہنی سطح سے پست یا بالا ہو تو طلباء تدریس میں دلچسپی نہیں لیتے بلکہ وقت گزاری کیلئے خود کو درسگاہ میں روکے رکھتے ہیں۔

توجہ کیسے حاصل کی جائے؟

(i) معلم کو چاہئے کہ طلباء کی ذہنی توجہ حاصل کرنے کیلئے آواز کے اتار چڑھاؤ کو استعمال کرے۔

(ii) دورانِ سبق کوئی کہانی یا لطیفہ سنا کر توجہ سبق کی طرف مبذول کروائی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

(iii) سمعی و بصری آلات کا استعمال حصولِ توجہ کیلئے انتہائی کارگر ثابت ہوتا ہے۔
(iv) معلم کو چاہئے کہ حصولِ توجہ کیلئے مناسب اشارات کو استعمال میں لائے۔
(v) اگر استاد کا طریقۂ تدریس متجسسانہ ہو تو توجہ کا حصول لازمی امر ہوگا۔ مثلاً اگر استاد بولتے بولتے اچانک خاموش ہو جائے تو سارے طلباء فوراً متوجہ ہو جائیں گے۔
(iii) جسمانی آسودگی: طلباء کی جسمانی آلودگی بھی توجہ پر اثر انداز ہوتی ہے مثلاً اگر کوئی متعلم بیمار ہے یا اس کے سر میں درد ہے تو اس سے یہ توقع رکھنا محال ہے کہ وہ سبق کیطرف متوجہ ہوگا۔ اسی طرح اگر آپ متعلمین کو نیند پوری کرنے کیلئے مناسب وقت نہیں دیتے تب بھی متعلمین کمرۂ جماعت میں بیٹھ کر مکمل توجہ اور یکسوئی سے سبق نہیں سنیں گے بلکہ ان پر نیند کا غلبہ چھایا ہوگا۔
بعض تعلیمی اداروں میں روزانہ کا تعلیمی دورانیہ چھ یا سات پیریڈوں پر مشتمل ہوتا ہے نتیجتاً پانچویں، چھٹے اور ساتویں پیریڈ میں طلباء بور ہو جاتے ہیں، ابھی ایک استاد کلاس روم سے نکلنے ہی پاتا ہے کہ ساتھ ہی دوسرا استاد داخل ہو جاتا ہے اور یوں طلباء مسلسل دو اڑھائی گھنٹے ایک جگہ پر بیٹھے بیٹھے بور ہو جاتے ہیں جبکہ پچھلی نشستوں پر بیٹھے متعلمین تو مکمل مراقبے کی حالت میں ہوتے ہیں۔
(iii) جسمانی آسودگی کا لحاظ کیسے رکھا جائے؟
(i) معلم کو چاہئے کہ اگر کوئی متعلم واقعتاً کسی درد یا تکلیف کا شکار ہے اسے سبق سے رخصت دے دی جائے۔
(ii) عموماً تمام اور خصوصاً پانچویں، چھٹے اور ساتویں پیریڈ میں معلم کو چاہئے کہ کلاس روم میں داخل ہونے کے بعد متعلمین کی سستی و کاہلی ختم کرنے کیلئے مناسب تدابیر اختیار کرے مثلاً (i) خوشگوار موڈ میں طلباء کو دو تین منٹ کیلئے اٹھک بیٹھک کروادی جائے۔
(ii) طلباء کو دو تین منٹ کیلئے گپ شپ کا وقت دے دیا جائے۔
(iii) یہ صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ ایک معلم کے کمرۂ جماعت سے نکلنے کے بعد دوسرا معلم دو تین منٹ کے وقفے سے کمرۂ جماعت میں داخل ہوتا کہ متعلمین ذہنی طور پر اگلا سبق پڑھنے کیلئے تیار ہو جائیں۔
(iv) متعلمین کو نیند کا پورا پورا وقت مہیا کیا جائے تاکہ وہ اسباق کے دوران غلبۂ نیند سے مغلوب

Marfat.com

(۴) تحریک:

تحریک سے مراد کسی فرد کی داخلی کیفیت ہے جو اس میں لگن، خواہش، احتیاج، رجحان اور جذبہ وحوصلہ پیدا کرتی ہے جس کی وجہ سے فرد کام کرتا ہے اور مقصد کو پالیتا ہے دوسرے لفظوں میں مقصد کو بھی تحریک یا محرک کہا جا سکتا ہے۔

محرک کوئی بھی ہو وہ فرد کو مطلوبہ شے کے حصول کیلئے بے چین و بے قرار رکھتا ہے۔ محرکات دو طرح کے ہو سکتے ہیں۔(i) نزدیکی محرک (ii) بعیدی محرک مثلاً ایک متعلم سبق اس لئے یاد کرتا ہے کہ کل استاد کی مار سے بچ سکے تو یہ قریبی محرک ہے اور ایک محرک یہ ہے کہ وہ سالانہ امتحان میں کامیاب ہونا چاہتا ہے یہ بعیدی محرک ہے۔

تحریک کیسے پیدا کی جائے؟

(i) متعلمین کے اندر مقصدیت کا شعور اجاگر کیا جائے۔

(ii) تعلیم میں کامیابی کی صورت میں ایک کامیاب زندگی جب کہ ناکامی کی صورت میں ایک ناکام زندگی کا خاکہ ان کے ذہن میں بٹھایا جائے۔

(iii) تعلیم یافتہ افراد کی مثالیں بطورِ مثبت جبکہ تعلیم سے بیزار افراد کی مثالیں بطورِ منفی پیش کی جائیں۔

(iv) مناسب سزا و جزاء کی صورت میں بھی تحریک پیدا کی جا سکتی ہے۔

(۵) مقصدیت یا معنویت:

مقصدیت سے مراد ایسا عملِ تعلیم ہے جو با معنی و با مقصد ہو۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ جس چیز میں انسان کو کوئی فائدہ یا کوئی مقصد نظر آتا ہو وہ اسے بہت جلد، شوق، جذبے اور لگن کے ساتھ کرتا ہے۔ اسی طرح اگر عملِ تعلیم میں بھی مقصدیت یا معنویت کا عنصر پایا جائے گا تو متعلمین شوق، جذبے اور دل لگی کیساتھ تعلیم حاصل کریں گے اور غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ کریں گے اس لیے معلم کو چاہئے کہ عملِ تعلیم کو با معنیٰ و با مقصد بنائے۔

عملِ تعلیم کو با معنیٰ و با مقصد کیسے بنایا جائے:

(i) معلم کو چاہئے کہ وہ طلباء کی ذہنیت سازی کرے کہ جو تعلیم وہ حاصل کر رہے ہیں وہ ان کیلئے فائدہ مند ہے اور زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر انہیں فائدہ پہنچائے گی، اس ذہنیت سازی کے بعد

Marfat.com

کون پاگل ہوگا جو ایک فائدہ مند چیز کو نہ حاصل کرنا چاہئے۔
(ii) طلباء کی ذہنیت سازی کی جائے کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ معاشرے میں ادب واحترام کی نظر سے دیکھے جائیں گے اور انہیں معاشرے میں عزت واحترام ملے گا لہذا متعلم ایسی تعلیم ضرور حاصل کرے گا جس کے بدلے اسے معاشرے میں عزت واحترام ملے۔
اس کے علاوہ ہر معلم اپنے اپنے طریقہ تدریس سے عملِ تعلیم کو بامعنیٰ وبامقصد بنا سکتا ہے۔

(۶) رویہ:

رویے سے مراد فرد کی وہ اندرونی کیفیت ہے جو کسی کام، چیز یا جذبے کو منتخب کرنے یا اسے رد کرنے کے عمل پر اثر انداز ہوتی ہے۔
متعلم ذہنی یا جذباتی طور پر کسی مضمون کو سودمند اور کسی کو بے سود سمجھتا ہے، اسی طرح وہ ایک معلم کے بارے میں مثبت خیال رکھتا ہے جبکہ دوسرے معلم کے بارے میں منفی، ایک شخص کے بارے میں اس کی رائے کچھ ہوتی ہے جب کہ دوسرے شخص کے بارے میں کچھ اور، کسی چیز کو وہ جائز سمجھتا ہے اور کسی کو ناجائز، کسی فرد کیساتھ مثبت رویے سے پیش آتا ہے اور کسی کے ساتھ منفی رویے سے، متعلم کے اس طرح کے خیالات وتصورات کو رویے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
رویے عموماً اکتسابی ہوتے ہیں اور یہ معاشرہ، گھر، محلہ، دوستوں اور ماحول سے اخذ شدہ ہوتے ہیں جیسا معاشرتی رویہ ہوگا متعلم بھی ویسا ہی رویہ اپنائے گا مثلاً اگر کمرۂ جماعت میں جھگڑالو ماحول ہوگا اور عموماً ایسا ہوتا ہے تو معلم بھی جھگڑالو بن جائے گا، استاد سخت گیر ہوگا تو متعلم بھی سخت گیری کا مظاہرہ کرے گا (اور یہ ایک بہت بڑی خامی ہے ایسے طلباء عموماً بہت جلد مشتعل ہو جاتے ہیں، ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کر سکتے، اہل گھر اور اہلِ معاشرہ کیلئے بوجھ بن جاتے ہیں۔) معلم کے رویے سے بچے ڈر کر رہیں گے اور انہیں مار سے بچنے کیلئے جھوٹ بولنا پڑے گا اور بعض اوقات تو بچے ڈر کی وجہ سے مدرسہ ہی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ معلم کا رویہ سخت ہونے کی صورت میں اس مضمون کے متعلق متعلمین کا رویہ منفی ہو جائے گا اور اس مضمون میں تسلی بخش نتیجہ آنے کی امید ختم ہو جائے گی۔ رویہ کا ماحول سے گہرا تعلق ہے۔ معلم کو چاہئے کہ وہ بھی طلباء کیساتھ مثبت رویے کیساتھ پیش آئے تاکہ وہ سبق میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لے سکیں۔

(۷) حوصلہ افزائی: حوصلہ افزائی کا مفہوم یہ ہے کہ فرد کے کسی اچھے کام پر اس کی تعریف کرنا

Marfat.com

اور اس کی ہمت بڑھانا۔ جانوروں کی تربیت کرنے والے بھی حوصلہ افزائی کے اصول سے کام لیتے ہیں اگر جانور ان کی مرضی کے مطابق کام کریں تو انہیں مثبت صلہ جبکہ مرضی کے مطابق کام نہ کرنے کی صورت میں منفی صلہ دیا جاتا ہے مثلاً طوطے کو کارڈ اٹھانے اور چڑیا کو پیسہ لانے پر دانے کی صورت میں مثبت صلہ دیا جاتا ہے جبکہ ریچھ اور بندر کو نہ ناچنے پر ڈنڈے مارے جاتے ہیں، حوصلہ افزائی کا یہی اصول انسانی تعلیم و تعلم کیلئے بھی کارگر ثابت ہوتا ہے مثلاً اگر استاد اچھا کام لکھ کر لانے والے متعلم کی کاپی پر شاباش لکھ دے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا اور آئندہ سے وہ بڑی محنت سے کام لکھ کر لاتا ہے۔ ہمارے ہاں تعلیمی اداروں میں اکثر طلباء استاد کی طرف سے حوصلہ افزائی کی کمی کا شکار رہتے ہیں۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ استاد متوسطہ اور کند ذہن طلباء کے کام کا مقابلہ ذہین و فطین طلباء کے کام کے ساتھ کرتا ہے اور یوں متوسط اور کند ذہن طلباء ہمیشہ کیلئے نالائق اور کمزور تصور کر لئے جاتے ہیں۔ طلباء کی اصلاح کا یہ طریقہ کار سراسر غلط ہے۔ استاد کو چاہئے کہ ان کے کام کا جائزہ ان کی ذہنی سطح کے معیار کے مطابق لے اگر اس ذہنی سطح کے معیار کے مطابق ان کا کام درست ہے تو انہیں بھی تعریف و توصیف کا مستحق سمجھا جائے۔ تھوڑی سی تعریف و توصیف پر بھی وہ طلباء بہت خوش ہوں گے اور آئندہ اپنی کمزوریوں کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔

ہر جماعت میں چند طلباء ایسے ہوتے ہیں جو جماعت کی کسی سرگرمی میں حصہ نہیں لیتے۔ استاد اگر کوئی سوال پوچھے تو جواب یاد ہونے کے باوجود جواب نہیں دے پاتے۔ ایسے طلباء بعض نفسیاتی اثرات کا شکار ہوتے ہیں۔ ایسے طلباء کو متحرک کرنے کیلئے ضروری ہے کہ معلم ان سے سوال پوچھے اور جزوی طور پر درست جواب دینے پر بھی ان کی تعریف کرے۔ اس طرح کی حوصلہ افزائی سے ان میں اعتماد بحال ہوگا اور وہ جماعتی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیں گے۔

(۸) ابتدائی تعارف:

ہمارے ہاں تعلیمی اداروں میں اس چیز کا بہت فقدان ہے کہ کتاب اور فن کا تعارف کروائے بغیر کتاب شروع کروا دی جاتی ہے۔ اگرچہ بعض اساتذہ اس چیز کا اہتمام کرتے ہیں مگر عربی کا قاعدہ ہے للاکثر حکم الکل . ایک میٹرک پاس طالب علم جب کسی ادارے میں

Marfat.com

داخلہ لیتا ہے تو اسے کچھ بتائے بغیر ''بدانکہ، مسند و مسند الیہ، ضرب یضرب اور ضرب زید عمروا'' کا رٹہ لگوانا شروع کر دیا جاتا ہے اسے یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ میں یہ فن کیوں پڑھ رہا ہوں؟ اس کے مقاصد کیا ہیں؟ اور مجھے اس کے پڑھنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ انگریزی اور سائنسی علوم پڑھنے والا طالبعلم جب اچانک تعلیمی فرق محسوس کرتا ہے تو پریشان ہو کر رہ جاتا ہے۔

معلم کو چاہئے کہ کتاب شروع کرنے سے پہلے متعلم کو اس کا تعارف کروائے کہ یہ صرف کی کتاب ہے اور یہ نحو کی۔ صرف میں صیغوں کی ہیئت ترکیبیہ جبکہ نحو میں اعراب و بناء کے اعتبار سے بحث کی جاتی ہے اور ان علوم کے پڑھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم قرآن و حدیث کو آسانی سے سمجھ سکیں گے اور مزید یہ کہ ہمارا بہت بڑا علمی ذخیرہ عربی کتب میں موجود ہے۔ وہ کتب اعراب کے بغیر ہیں لہذا جب تک ہم صرف ونحو نہیں پڑھیں گے ان کتب کی عبارات اور معانی ومفاہیم سمجھ میں نہیں آسکیں گے۔ اس لئے ہم قرآن و حدیث کو سمجھنے اور بڑی کتب سے استفادے کیلئے صرف اور نحو کا یہ فن پڑھ رہے ہیں۔

مزید یہ کہ اس فن کے کل اتنے مسائل ہیں، ان کو اتنے ابواب میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر پہلے باب میں پانچ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں یہ چیز بیان ہوئی ہے دوسری میں یہ، تیسری میں یہ، چوتھی میں یہ اور پانچویں میں یہ وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح درجہ ثانیہ اور اس سے اوپر کے درجات میں بھی کتاب شروع کرنے سے پہلے اس کا تعارف کروا دیا جائے کہ یہ فلاں فن کی کتاب ہے، اس فن کے پڑھنے کے فوائد یا مقاصد یہ ہیں، اس فن کو اس طرح پڑھایا جائے گا، اس فن کے کل اتنے مسائل (یا لامحدود مسائل) ہیں۔ ان مسائل کو اتنے ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پھر پہلے باب میں اتنی فصلیں قائم کی گئیں ہیں اور پھر پہلی فصل میں اس چیز کا بیان ہے، دوسری میں اس چیز کا...... وغیرہ۔ اس طرح جب ابتداء ہی سے متعلم کے سامنے کتاب، فن اور مقاصد کا اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے تو وہ شروع ہی سے دل لگی، توجہ اور محنت کے ساتھ تعلیمی عمل میں مشغول ہو جائے گا۔ یاد رکھیئے! اس عمل میں اگرچہ اساتذہ کو مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا مگر کامیاب اور حقیقی معلم وہی ہوتا ہے جو اپنی سہولت کی بجائے طلباء کی سہولت کو پیشِ نظر رکھے اور تعلیمی عمل کی کامیابی کیلئے سرتوڑ کوشاں رہے۔

Marfat.com

عملِ تعلیم کے محرکات

محرکات سے مراد ایسی قوت ہے جو فرد کو کسی فعل پر اکسانے اور ترغیب دلانے کا کام کرتی ہے۔ نیز جن چیزوں اور کاموں سے فرد کسی عمل کی طرف راغب ہوتا ہے ان کو محرکات کہتے ہیں۔

نفسیاتی لحاظ سے محرکات کسی کردار کی وہ داخلی کیفیت ہے جو کسی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے آمادگی پیدا کرتی ہے اور اس ضرورت کے پورا ہونے تک جاری رہتی ہے۔ مشہور ماہرِ نفسیات لینڈزلے (Lindsley) کہتا ہے۔ ''محرکات ایسی قوتوں کا مجموعہ ہیں جو رجحان کو مقاصد کی طرف مائل کرتی ہیں۔''

آپ جانتے ہیں کہ محرکات کے استعمال سے تعلیمی عمل میں مضبوطی، پائیداری اور تیزی لائی جاسکتی ہے لہٰذا ذیل میں ہم انہی تعلیمی محرکات کو ذکر کر کے ان پر مرحلہ وار بحث کرتے ہیں۔

(۱) ترغیب (۲) انعام (۳) سزا

ترغیب بطورِ محرک: ترغیب سے مراد ایسی تکنیک ہے جس کے ذریعے متعلم کو حصولِ مقصد کیلئے تیار کیا جاسکتا ہے، یہ ترغیب مادی بھی ہوسکتی ہے اور غیر مادی بھی۔ اول الذکر جیسے خوبصورت کلاس روم اور مؤخر الذکر جیسے چند تعریفی کلمات۔ ہر ترغیب داخلی بھی ہوتی ہے اور خارجی بھی۔ داخلی ترغیب یہ ہے کہ متعلم اپنی مرضی سے کوئی کام سرانجام دے اسے اس کام کیلئے مجبور نہ کیا جائے جب کہ خارجی ترغیب وہ ہوتی ہے جسمیں کسی قسم کے لالچ یا خوف کا عنصر پایا جائے۔ یاد رہے کہ داخلی ترغیب خارجی ترغیب سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے کیونکہ خارجی ترغیب میں طلباء کو ہمیشہ جزاء یا سزا کا خیال رہتا ہے اور خارجی ترغیب نہ ہونے کی صورت میں وہ کام میں دلچسپی لینا چھوڑ دیتے ہیں۔

اگرچہ بعض اوقات ترغیب کا زیادہ استعمال غلط نتائج برآمد کرتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات معلم مجبور ہو جاتا ہے اور اسے ترغیب کے استعمال کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ طلبہ کو کام زیادہ کرنے اور ان کی فعالیت کو جاری رکھنے کیلئے ترغیب کو ایک عمدہ آلے کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

اگر استاد محتاط رہے تو اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اسے تعلیمی عمل میں بطور محرک استعمال کر کے بہتر نتائج حاصل کر سکتا ہے۔

ترغیب اگرچہ تعلیمی عمل کی کامیابی کا ایک مفید آلہ ہے۔ لیکن اس پر زیادہ بھروسہ کرنا بھی نقصان دہ ہے مثلاً جو مدرسین اپنے مضمون کو دلچسپ بنانے کیلئے کسی انعامی ترغیب سے کام لینے کے عادی ہو جاتے ہیں وہ کمرۂ جماعت میں ایک مصنوعی ماحول پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ انعامی ترغیب حصولِ انعام تک تو کارگر رہتی ہے مگر اس کے بعد یہ کیفیت بدل جاتی ہے اور طلباء کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر انعامی ترغیب کی صورت میں طلباء کو پڑھائی پر تیار کیا گیا تھا لیکن بعد میں انہیں پتہ چلا کہ کوئی انعام نہیں دیا جائے گا تو وہ کام میں دلچسپی لینا چھوڑ دیں گے۔

اسی طرح جب انعامی ترغیب پر اس قدر زور دیا جائے کہ وہ اصلی نصب العین کی جگہ لے لے تب بھی یہ محرک مضر ثابت ہوتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے مدارس میں امتحانی نتائج کو ترغیب کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس پر اس قدر زور دیا جاتا ہے کہ طلباء محض امتحانی کامیابی ہی کیلئے کام کرتے ہیں کسی مضمون یا فن کو سمجھنے کی کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ امتحان دے چکنے کے بعد وہ سب کچھ بھلا دیتے ہیں حتیٰ کہ بعض طلباء تو کتابوں کو اٹھا کر پھینکتے ہیں کہ اب ان سے جان چھوٹی، انہیں یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہمارا اصل مقصد امتحان نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ ظاہر ہے اس طرح علم کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طلباء علم سے محروم رہ جاتے ہیں۔ صرف اسی چیز کو یاد کرتے ہیں جو امتحانی نقطۂ نظر سے اہم ہو باقی مواد کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

اسی طرح جب ترغیب ہر طالبعلم کی تسکین نہ کر سکے تب بھی اس کے نتائج مضر ثابت ہوں گے مثلاً انعام کی صورت میں ذہین طلباء تو سر توڑ کوشش کریں گے جبکہ متوسط اور کند ذہن طلباء اس کو قابلِ التفات ہی نہ سمجھیں گے۔

اسی طرح بعض اوقات ترغیب کیوجہ سے کمرۂ جماعت میں جذباتی خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً تمام طلباء ایک ہی انعام کیلئے کوشاں ہوں گے تو ظاہر ہے کہ انعام تو ایک ہی کوئی پائے گا باقی سارے مایوس ہو جائیں گے خصوصاً حساس طلباء کیلئے یہ بہت بڑا مسئلہ ہوگا۔ بعض طلباء تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب ایک دفعہ مایوس ہو جائیں تو آئندہ وہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔

Marfat.com

اس سارے بیان سے یہ نتیجہ نہ نکالا جائے کہ تعلیمی عمل میں ترغیب کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ عملِ تعلیم میں ترغیب ایک نہایت مفید آلہ ہے، غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس کا استعمال نہایت محدود اور انتہائی حساس انداز میں ہونا چاہیئے تا کہ اس کے مفید ہونے کی سمت کو ترجیح حاصل ہو سکے۔

انعام بطورِ محرک:

عملِ تعلیم میں کامیابی کیلئے بے شمار محرکات میں سے انعام بھی نہایت اہم محرک ہے۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں تقریباً تمام تعلیمی ادارے انعام کو ایک موثر محرک کی صورت میں استعمال کر رہے ہیں۔ اس سے نہ صرف تعلیمی عمل کو موثر بنایا جا سکتا ہے بلکہ طلباء کی ذہنیت کو بڑی کامیابی کیساتھ تعلیم کیطرف لگایا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ''ترغیب'' کی بحث میں ہم نے انعام کو بطورِ محرک استعمال کرنے کے منفی اثرات کا ذکر کیا ہے مگر یاد رہے کہ وہ اثرات دائمی نہیں بلکہ عارضی اور حساس نوعیت کے ہیں۔ یہ معلم پر منحصر ہے کہ وہ ایسے منفی اثرات کو بہترین طریقۂ تدریس کے ذریعے زائل کر دے اور ایسے منفی اثرات کو سرے سے پیدا ہی نہ ہونے دے۔ آج کے اس دور میں صرف تعلیمی اداروں میں ہی انعام کو بطور محرک استعمال نہیں کیا جا رہا بلکہ نجی قسم کے ادارے بھی اپنے ادارے کی کارکردگی بہتر بنانے کیلئے اس محرک کو استعمال کر رہے ہیں۔ مثلاً تجارتی و صنعتی ادارے اس مقصد کیلئے بونس اور اضافی ترقیاں انعام کے طور پر دیتے ہیں۔ اسی طرح سول اور فوجی کارکردگی کو معیاری بنانے کیلئے بھی ہر سال انفرادی کارکردگی کا جائزہ لیا جاتا ہے اور منتخب افراد کو مختلف انعامات واعزازات سے نوازا جاتا ہے۔

انعام کو بطورِ محرک استعمال کرنے کے اصول:

انعام بطورِ محرک ایک مفید آلہ ہے مگر بعض اوقات بے احتیاطی کیوجہ سے متعلین کی سیرت و کردار متاثر ہونے کا خدشہ ہوتا ہے مثلاً ان میں حسد و لالچ کی عادات کا پیدا ہونا اور کتاب کو فقط انعام کے حصول کیلئے پڑھنا۔ اس لئے ماہرین نے انعام کو بطورِ محرک استعمال کرنے کے کچھ اصول وضع کیئے جن پر عمل کر کے مذکورہ خرابیوں سے بچا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

(i) کوشش کی جائے کہ انعام روپے یا کسی مادی شے کی صورت میں نہ ہو۔

(ii) کتابوں کی صورت میں انعام دینا نہایت مفید ہوگا۔

(iii) متعلم کو انعام اس وقت دیا جائے جب وہ حقیقتاً اس کا اہل ہو۔

(iv) انعامات کی تقسیم میں غیر جانبداری اور دیانت داری کا مظاہرہ کیا جائے۔

(v) سب سے بہترین صورت یہ ہے کہ انعام وظیفے کی صورت میں دیا جائے۔

(vi) انعام تھوڑا ہونا چاہیے تا کہ اس کی قدر و منزلت برقرار رہ سکے۔

(vii) تقسیمِ انعامات کی تقریب میں اگر متعلم کے والدین کو بھی دعوت دی جائے تو اس سے انعام کی تحریک مزید بڑھ جائے گی۔

(viii) متعلمین کو انعام انفرادی صورت میں نہیں بلکہ کسی اجتماعی تقریب میں پیش کیئے جائیں۔

سزا بطورِ محرک:

ماہرین نفسیات کے مطابق تعلیمی نظام میں متعلم کو مرکزیت حاصل ہے اور سارا نظام تعلیم اسے ہی کی تعمیر و تشکیل کیلئے موضوع ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں تعلیم کا کوئی عمل متعلم کے فطری تقاضوں کیخلاف نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ نفسیاتی تقاضا یہی ہے کہ متعلم کے فطری تقاضوں کو مدِ نظر رکھ کر تعلیمی عمل کے آگے بڑھایا جائے۔ اسے ادارے میں پیار و محبت اور تعمیری ماحول مہیا کیا جائے اور حتی الامکان سزا دینے سے گریز کیا جائے۔ درحقیقت سزا ایک سلبی قسم کا مہیج ہے، اگر سزا شدید قسم کی یا بغیر کسی معقول وجہ کے ہو تو اس سے نفرت اور بغاوت کے جذبات پیدا ہونے کا احتمال ہے اور یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اکثر طلباء تو تعلیم سے ہی متنفر ہو جاتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ سزا ایک محرک ہے تو سہی مگر اسے انتہائی حساس انداز میں استعمال کرنا چاہیے۔ یہ محرک صرف اسی وقت استعمال کیا جائے جب متعلم کی اصلاح کی کوئی اور صورت باقی نہ رہے اور اسے حسبِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت استعمال کیا جائے۔ سزا دیتے وقت یہ امر پیشِ نظر رہے کہ معلم کا ذاتی غصہ اس میں شریک نہ ہو۔ معلم کا کام ہے طالب علم کو پڑھائی پر آمادہ کرنا۔ اگر وہ بغیر سزا کے آمادہ نہیں ہوتا تو اسے تھوڑی بہت مناسب سزا دی جاسکتی ہے، اگر اس کے باوجود بھی وہ آمادہ نہیں ہوتا تو معلم اس سے بری الذمہ ہے لہذا زبردستی مار پیٹ کر اور سخت سزا دیکر متعلم کو

Marfat.com

تعلیم کیلئے آمادہ نہ کیا جائے کیونکہ جب تک وہ خود اپنی خوشی سے کسی چیز کو سیکھنا نہ چاہے گا تب تک آپ اسے زبردستی نہیں سکھا سکتے۔ بڑی عمر کے طلباء اور سمجھدار طلباء کیلئے تو یہ اصول کارگر ہے لیکن چھوٹے عمر کے طلباء فطرتاً اور عادتاً غیر شعوری طور پر پڑھائی کیلئے آمادہ نہیں ہوتے بلکہ پڑھائی کے اوقات میں کوئی نہ کوئی کھیل ڈھونڈ لیتے ہیں تو ایسے طلباء کو آمادہ کرنے کیلئے ایک اصول تو یہ ہے کہ ایک نگران ان پر مقرر کر دیا جائے جو ان کی سرگرمیوں کا خیال رکھے اور یہ اصول بھی اپنایا جا سکتا ہے کہ مار پیٹ کی بجائے انعامات و ترغیبات سے کام لیا جائے اس کے علاوہ بھی مختلف صورتیں استعمال کی جا سکتی ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ حتی الامکان انہیں سزا دینے سے گریز کیا جائے کیونکہ اگر ان پر سختی کی جائے گی تو ان کی ذہنی و جسمانی نشو ونما رک جائے گی، ان کی شخصیت بری طرح متاثر ہوگی اور وہ معاشرے میں کسی کام کے نہ رہیں گے۔ ماہرین نفسیات نے سزا کو بطورِ محرک استعمال کرنے کے بہت سے منفی اثرات ذکر کیئے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

(۱) ذہنی و جسمانی نشو ونما میں رکاوٹ: سزا سے متعلم کی ذہنی نشو ونما نہیں ہو پاتی وہ ہر دم ذہنی ٹینشن (کھچاؤ) کا شکار رہتا ہے۔ اسی طرح متعلم کی جسمانی نشو ونما بھی بری طرح متاثر ہوتی ہے، قد بہت چھوٹا رہ جاتا ہے وہ ہر وقت سوچتا رہتا ہے۔ لہذا جب یہ صورتِ حال ہوگی تو وہ تعلیمی میدان میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر سکے گا۔

(۲) شخصیت کا متاثر ہونا: سزا سے متعلم کی شخصیت بری طرح متاثر ہوتی ہے اور وہ عدمِ مطابقت کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہر متعلم کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ درسگاہ میں اس کا کردار مثبت رہے اور وہ اپنے ساتھیوں کی نظر میں اچھا سمجھا جائے۔ اگر ساتھیوں کے سامنے اسے سزا دی جائے تو وہ ان کے سامنے شرمندہ ہوتا ہے اور احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات متعلمین سزا کا بڑا گہرا اثر لیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی ذہنی و جسمانی نشو ونما رک جاتی ہے اور ان کی شخصیت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔

(۳) مجرمانہ رجحانات: مسلسل سزا دینے سے متعلم میں مجرمانہ رجحانات جنم لیتے ہیں اور طرح طرح کی بری عادات پیدا ہو جاتی ہیں۔ جب اسے مسلسل سزا دی جائے تو وہ مار کھا کھا کر اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ اسے سزا کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی اور وہ جان بوجھ کر غلط کام کرتا ہے ایسا اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جن بچوں کو روزانہ سزا دی جائے ان کے جرائم کی شرح بڑھ جاتی ہے اور وہ پہلے سے

Marfat.com

کا محتاج ہو جائے گا''۔

جس قوم نے اس قسم کے جبر و تشدد کیساتھ زندگی بسر کی اس میں یہ تمام بداخلاقیاں پیدا ہو گئیں۔ یہود کو دیکھو کہ ان کی بداخلاقیاں، خباثت اور مکاری کس قدر ضرب المثل ہو گئی۔ اسی بناء پر طالب علم کے متعلق معلم اور بچے کے متعلق باپ کا فرض ہے کہ ان کی تادیب میں جبر و استبداد کا طریقہ نہ اختیار کریں۔ محمد بن ابو زید نے احکامِ معلم و متعلم میں لکھا ہے کہ طلباء کو بوقتِ ضرورت تین چھڑیوں سے زیادہ لگانا جائز نہیں۔

تعلیم کا بہترین طریقہ وہ ہے جس کی تلقین ہارون الرشید نے اپنے بیٹے امین کے معلم کو کی تھی۔ اس نے کہا تھا: ''اے احمر! امیر المؤمنین نے اپنی روح اور اپنے دل کا پھل تیرے سپرد کر دیا اور تیرے ہاتھ کو اس پر دراز اور تیری اطاعت کو اس پر واجب کر دیا ہے۔ اب امیر المؤمنین نے تیرا جو درجہ قائم کیا ہے اس پر قائم رہ، اس کو قرآن پڑھا، اس سے اشعار کی روایت کروا، اس کو احادیث سکھا اور ہنسنے کے اوقات کے علاوہ اس کی ہنسی کو روک، کوئی وقت ایسا نہ گزرنے پائے کہ تو اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچائے۔ لیکن اس کے ساتھ اس کو غمگین بھی نہ کر کہ اس کا ذہن مردہ ہو جائے اور اس قدر نرمی بھی نہ اختیار کر کہ وہ عیش و فراغ کا خوگر ہو جائے۔ جہاں تک ممکن ہو پیار و محبت کے ساتھ اس کی تربیت کر لیکن اگر وہ اس سے متاثر نہ ہو تو تجھے سختی کا بھی اختیار ہے۔''

طلباء کی تعلیم کے بارے امام غزالیؒ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں، ''پیشۂ تعلیم کی باریکیوں میں سے چوتھا فرض یہ ہے کہ طالب علم کو بداخلاقی سے جہاں تک ممکن ہو اشارۃً اور کنایۃً سمجھایا جائے اس کی تصریح نہ کی جائے اور ڈانٹ ڈپٹ کی بجائے مہربانی کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ تصریح ہیبت کا پردہ چاک کر دیتی ہے، مخالفت کی جرأت دلاتی ہے اور اس بداخلاقی پر اصرار کرنے کی حرص پیدا کرتی ہے۔''

قاضی ابنِ جماعۃؒ لکھتے ہیں، ''اگر کسی طالبعلم سے کوئی غلط کام سرزد ہو جائے تو جھڑک دینے اور سختی کرنے کی بجائے نرمی اور مہربانی سے نصیحت کی جائے، جس کا مقصد اس میں حسنِ تربیت پیدا کرنا، اس کے اخلاق سنوارنا اور اس کی حالت درست کرنا ہو۔ اگر کوئی طالبعلم اشارہ سے سمجھ جائے تو اس کے لئے تصریح کی ضرورت نہیں۔ طلبہ کی تربیت بتدریج کی جائے، انہیں

Marfat.com

اچھی عادتیں سکھائی جائیں، عمدہ اخلاق اپنانے کا شوق دلایا جائے اور شرعی طریقے پر انہیں اچھی عادتیں اختیار کرنے کی تلقین کی جائے۔

محرکات کو کیسے مؤثر بنایا جائے:

عملِ تعلیم میں محرکات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اگر محرکات کو مؤثر طریقے سے بروئے کار لایا جائے تو تعلیمی عمل کی افادیت و اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ محرکات کی افادیت و اہمیت تو اپنی جگہ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ درسگاہ میں ان محرکات کو استعمال کیسے کیا جائے؟ تو ماہرین کی رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ کمرۂ جماعت میں محرکات کا انتخاب اور پھر ان کا موزوں استعمال معلم کی اپنی قابلیت پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر ایک استاد متعلمین کی نفسیات کو سمجھتا ہے تو وہ بطریق احسن ان محرکات کو استعمال کر سکتا ہے۔

ماہرین نے محرکات کو مؤثر طریقے سے استعمال کرنے کے کچھ قانون وضع کیئے ہیں جن کا جاننا ہر اچھے معلم کیلئے ضروری ہے۔

۱۔ محرکات کے استعمال میں متعلمین کی ذہنی و جسمانی عمر کا خیال رکھا جائے۔

۲۔ معلم کو چاہیے کہ تدریس میں جلدی نہ کرے اور نہ ہی کسی چیز کو قبول کرنے پر مجبور کرے۔

۳۔ متعلمین سے کام لینے کیلئے ایک محرک کی بجائے مختلف محرکات کو استعمال کرنا چاہیئے، کیونکہ ضروری نہیں کہ ایک ہی محرک تمام طلباء کیلئے مؤثر ہو۔

۴۔ معلم کو چاہیئے کہ کلاس روم میں مثبت جذباتی ردعمل کا اظہار کرے، منفی جذباتی ردعمل سے تعلیم کا عمل متاثر ہوتا ہے۔

۵۔ معلم کو چاہیئے کہ کامیابی کی صورت میں طلباء کے کارناموں کو ضرور سراہے اس سے ان کی حوصلہ افزائی ہوگی اور وہ مزید شوق، محنت، لگن اور دل لگی کیساتھ کام کریں گے۔

۶۔ معلم کے ہاں یہ امر پیشِ نظر رہے کہ اس کی اپنی شخصیت، قابلیت. پڑھانے کا انداز اور مؤثر تدریسی طریقوں کے استعمال سے عملِ تعلیم کو بہت تقویت ملتی ہے۔

۷۔ اگر معلم طلباء میں ہر دل عزیز ہوگا تو وہ طلباء کو کام کرنے پر آمادہ بھی کر سکے گا اور طلباء اس کا کام بہت شوق سے کریں گے۔

Marfat.com

نظامِ تعلیم

نظامِ تعلیم سے مراد تعلیم سے متعلقہ عناصر کا ایسا مجموعہ ہے جو باہمی طور پر مربوط اور منظم انداز میں تسلسل کے ساتھ مقاصد کے حصول کیلئے ایک یونٹ کی شکل میں کام کرتا ہے۔

نظامِ تعلیم کی اس تعریف سے ظاہر ہوا کہ تعلیمی عمل میں اصلِ حیثیت مقاصدِ تعلیم کی ہے۔ وطن عزیز میں چلنے والے مختلف تعلیمی نظاموں میں تمام عناصر مقاصد کے حصول کیلئے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ مقاصدِ تعلیم ہی نظامِ تعلیم کو مربطوط اور منظم بناتے ہیں اور تعلیمی عمل کی بہتری میں مدد دیتے ہیں نیز مقاصدِ تعلیم تعلیمی عمل میں روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مقاصد تعلیم

ویسے تو نظام تعلیم کے بہت سے عناصر ہیں مگر ان میں سے مرکزی اور اہم ترین عنصر ''مقاصد تعلیم'' ہے ذیل میں نظامِ تعلیم کے بنیادی عناصر ذکر کیئے جاتے ہیں۔

۱۔ مقاصدِ تعلیم ۲۔ متعلم ۳۔ معلم ۴۔ نصاب ۵۔ تدریس ۶۔ وسائل ۷۔ عمارتِ مدرسہ ۸۔ سامان مدرسہ ۹۔ اچھا ماحول ۱۰۔ بہتر قیام وطعام

درج بالا عناصر میں سے اہم ترین عنصر ''مقاصد تعلیم'' ہے کیونکہ تعلیم کے باقی تمام عناصر مقاصد ہی کے حصول کیلئے کام کرتے ہیں، یہ مقاصد ہی ہوتے ہیں جو بقیہ تمام عناصر کو آپس میں مربوط، مضبوط، مستحکم، پختہ اور ہم آہنگ کرتے ہیں۔ اگر ''مقاصد تعلیم'' کا تعین نہ کیا جائے تو سارا نظام بے کار ثابت ہوتا ہے۔ یہ پورے نظام تعلیم کی سمت کو درست رکھنے میں مدد کرتے ہیں۔

''مقاصد تعلیم'' کسی بھی معاشرے کے نظریۂ حیات اور فلسفیانہ تصورات سے ماخوذ ہوتے ہیں، دنیا میں جب بھی کوئی تعلیمی نظام وجود میں آتا ہے تو وہ اپنے ''مقاصد تعلیم'' کا تعین اپنے معاشرے کے نظریۂ حیات اور فلسفیانہ تصورات سے اخذ کرتا ہے۔ مزید یہ کہ اپنے ملک کے

Marfat.com

مذہبی، معاشی، معاشرتی، تاریخی اور سیاسی پسِ منظر کو بھی مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ مقاصد تعلیم میں سے کچھ مقاصد تو دائمی جبکہ کچھ عارضی ہوتے ہیں۔ دائمی مقاصدِ تعلیم تو وہ ہیں جن کا تعلق کسی قوم کے نظریہ حیات اور بنیادی تصورات پر ہوتا ہے اور عارضی مقاصد وہ ہیں جو وقتی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق بدلتے رہتے ہیں تاہم ملک میں چلنے والے کسی بھی نظامِ تعلیم کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ مقاصد قومی ضروریات سے ہم آہنگ ہوں اور وہ نظام تعلیم نئی نسل کو اپنی آبائی ورثے اور علوم وفنون سے آگاہ کر کے جدید دور کے تقاضوں کے مطابق معاشرے کیلئے مطلوب افراد تیار کر سکے جو زندگی کے مختلف شعبوں میں ماہرین اور کارکنوں کی حیثیت سے اپنے فرائض وذمہ داریاں خوش اسلوبی سے ادا کر سکیں۔

وطنِ عزیز پاکستان ایک عظیم تحریک کے نتیجے میں اسلامی نظریہ حیات کی بنیاد پر ایک نظریاتی مملکت کے طور پر وجود میں آیا جو بجائے خود اس خطہ کے مسلمانوں کیلئے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ اس مملکت کے حصول کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ یہاں قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق ایک حقیقی، اسلامی اور فلاحی معاشرہ قائم ہو۔ جہاں معاشرتی انصاف، رواداری، اخوت و مساوات کی بنیاد پر لوگ اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ کسی بھی ملک میں مقاصدِ تعلیم کے تعین کیلئے اس ملک کے نظریہ حیات اور اس کے بنیادی تصورات کا جاننا ضروری ہے۔ اسلامی نظریہ حیات کی رو سے مقاصدِ تعلیم یہ ہیں کہ زمین پر خدا کے حکم اور قانون کا اس طرح نفاذ کرنا کہ اس میں بسنے والے باشندے اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مطابق گزار سکیں۔

☆☆☆☆

Marfat.com

مقاصدِ تعلیم آیات قرآن کی روشنی میں

(۱) رضائے الٰہی کا حصول:

ترجمہ: اے نبی! کہہ دیجئے میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کیلئے ہے۔ (الانعام)

اس آیت قرآنی سے معلوم ہوا کہ عملِ تعلیم میں رضائے الٰہی کا حصول اولین شرط ہے لہٰذا تعلیم ایسی ہونی چاہئے جس کے ذریعے افراد رضائے الٰہی کے حصول کیلئے تیار ہوں۔ رضائے الٰہی سے مراد انسان کے تمام اعمال وافعال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ہونے چاہئیں، اس کی تجارت، کاروبار، پیشہ، ملازمت، عبادت، لین دین، اٹھنا بیٹھنا سب رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہونے چاہییں، یہی تعلیم کا اولین مقصد ہے۔

(۲) نیابت الٰہی کی تیاری:

ترجمہ: بے شک میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ (بقرۃ)

سب سے پہلے یہ خلافت انسان کے علاوہ دیگر عناصر کائنات کو پیش کی گئی مگر سب نے معذرت خواہی کی مگر حضرتِ انسان نے اس کو قبول کر لیا۔ نیابت الٰہی کا مطلب ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کا نائب ہے اور اس کے احکامات کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنے اور دوسروں کو بھی اس کا پابند کرنے کا ذمہ دار ہے نیز دستورِ الٰہی کو کائنات میں نافذ کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے لہٰذا تعلیم ایسی ہونی چاہئے جو افراد کو نیابت الٰہی کیلئے تیار کرے اور اس قابل بنائے کہ وہ کائنات میں خلیفہ اللہ کے منصب کا حق ادا کر سکیں۔

(۳) عبادت الٰہی:

ترجمہ: میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا۔ (ذاریات)

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے جن وانس کی تخلیق کا مقصد اپنی عبادت بتایا ہے لہٰذا تعلیم ایسی ہونی چاہئے جو افراد معاشرہ کو عبادت الٰہی کیلئے ابھارے۔ ان میں جذبۂ اطاعت پیدا کرے اور خدا بزرگ و برتر کی بندگی کا شعور اجاگر کرے۔ مزید یہ کہ تعلیم ایسی ہونی چاہئے جو افراد کو

Marfat.com

آخرت کی تیاری کیلئے تیار کرے اور اس کے اندر یہ احساس پیدا کرے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں اپنے کیئے ہوئے کا حساب دیا جائے گا جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔

(۴) ملتِ اسلامیہ کی تربیت:

ترجمہ: سو ہم نے نبیوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ (البقرۃ)

اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں مختلف انبیاء کو مختلف اقوام کی طرف نبی بنا کر بھیجا جن کا پیغام، مقصد، مشن، لائحہ عمل اور نصب العین صرف یہ تھا کہ وہ گمراہوں کو راہِ راست پر لانے کی دعوت دیتے اور جملہ انسانوں کی اصلاح کرتے تھے لہٰذا معلوم ہوا کہ تعلیم ایسی ہونی چاہئے جس کے ذریعے افرادِ ملتِ اسلامیہ کی تعمیر و تشکیل ہو سکے۔ اقوامِ عالم کی صلاحیت ان میں پیدا ہو اور وہ بین الاقوامی مصلح بن کر پوری دنیا کو امن و محبت کا گہوارہ بنا دیں۔ تعلیم ان میں اخوت و مساوات، عدل و انصاف جیسے جوہر پیدا کرے اور وہ اسلام کے ان اساسی اصول و ضوابط کو دنیا میں نافذ کر کے دینِ اسلام کی صحیح منظر کشی کریں۔ تعلیم ایسی ہونی چاہئے جو افراد میں جذبۂ ہمدردی پیدا کرے اور وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو اپنا ایک جزء تصور کریں لہٰذا کہیں بھی کسی بھی مسلمان کو کوئی تکلیف ہو تو وہ اس تکلیف میں برابر کے شریک ہوں۔

(۵) اخلاق حسنہ اور تزکیۂ نفس

ترجمہ: ”نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو“۔

اسلامی تعلیمات کا ایک سنہری اصول یہ ہے کہ ”نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو“ لہٰذا تعلیم ایسی ہونی چاہئے کہ جس کے حصول کے بعد متعلم میں یہ دونوں صفات پیدا ہو جائیں۔ وہ خود بھی ہر اچھے کام پر عمل پیرا ہو اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرے، اسی طرح وہ خود بھی برائی سے رکا رہے اور دوسروں کو بھی رکنے کی ترغیب دے۔ امر بالمعروف میں زندگی گزارنے کا ہر ہر طریقہ شامل ہے مثلاً اس میں رواداری، محبت، پیار، شفقت، کسی کے دکھ درد میں شریک ہونا، غریبوں یتیموں کی مدد کرنا، عدل و مساوات، ہمدردی، عفو و درگزر، احسان، ایفاءِ عہد، تعاون، خدا خوفی، امانت داری و دیانت داری، حق گوئی و بے باکی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی فکر، ادب و احترام

Marfat.com

وغیرہ یہ سب صفات امر بالمعروف میں شامل ہیں۔ اسی طرح نہی عن المنکر میں بھی ہر وہ فعل شامل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے مثلاً اخلاق مذمومہ، زنا، ڈاکہ زنی، قاتل گری، چوری، غیبت، ظلم وزیادتی، سنگدلی، رنگ ونسل کا امتیاز، احسان فراموشی، انتقام، وعدہ خلافی، بددیانتی، خیانت، الزام تراشی، جوا، شراب، قتل، تکبر، غرور، گھمنڈ، خود پسندی، خودنمائی، ریاکاری وغیرہ سب برائیاں نہی عن المنکر میں شامل ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ تعلیم یافتہ اور حقیقی متعلم وہ ہوگا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عملی تصویر ہو۔

اس کے علاوہ تعلیم کے مقاصد درج ذیل ہیں۔

(۶) انسان میں صبر، محنت، مشقت، مستقل مزاجی، اولوالعزمی اور ہمت وشجاعت جیسے اوصاف حمیدہ پیدا کرنا۔

(۷) اسلامی ریاست کے نظم ونسق کو سنبھالنے کیلئے رجالِ کار پیدا کرنا۔

(۸) ایسے علماء اور راسخین فی العلم پیدا کرنا جو معاشرے میں دعوت وتبلیغ کا کام جاری کریں۔

(۹) اسلامی ریاست کے تحفظ اور بقاء کیلئے جذبۂ حب الوطنی سے سرشار افراد تیار کرنا۔

(۱۰) اسلامی نظریۂ حیات کی ترویج اور اسلامی نظامِ حیات کے قیام کیلئے جذبۂ جہاد پیدا کرنا۔

(۱۱) علمی وادبی ذوق پیدا کرنا نیز تقریری وتحریری صلاحیتوں کو جلا دینا۔

(۱۲) رزق حلال کمانے کی تربیت دینا۔

(۱۳) انسان کو محنت اور مشقت کا عادی بنانا۔

(۱۴) ایسے افراد تیار کرنا جو قیادت عالم کی صلاحیت کے حامل ہوں۔

(۱۵) تعلیم کا ایک اہم مقصد خود شناسی وخدا شناسی بھی ہے۔

(۱۶) امت مسلمہ کا تصور اجاگر کرنا

مسلمان ماہرین تعلیم کی نظر میں ''مقاصد تعلیم''

☆ علامہ ابو یوسف ابن عبدالبر جو ۳۶۸ھ بمطابق 978ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے فنِ تعلیم پر ایک نادرِ روزگار کتاب لکھی جس کا نام ''جامع بیان العلم وفضلہ'' ہے اس میں وہ لکھتے ہیں: ''تعلیم کا اولین مقصد رضاءِ الٰہی کا حصول ہے۔''

Marfat.com

☆ علامہ برہان الدین رنوجیؒ جو تیرھویں صدی عیسوی کے ایک جید عالم تھے وہ اپنی کتاب ''الرفیق لفھیم بطریق التعلیم'' میں مقاصدِ تعلیم پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ''متعلم کیلئے ضروری ہے کہ حصول علم سے رضاءِ الٰہی کی طلب، جہالت کے ازالے، دین کے احیاء اور بقاءِ اسلام کی نیت رکھے۔

☆ ابن جماعۃ چودھویں صدی عیسوی کے ماہر تعلیم ہیں، ان کی کتاب ''تذکرۃ السامع والمتکلم فی آداب العالم والمتعلم'' دورِ وسطیٰ کی تعلیمی کتابوں میں بہت مشہور ہوئی۔ اس میں مقاصد تعلیم بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: ''متعلم کو چاہئے کہ تعلیم کے ذریعے اللہ کی خوشنودی حاصل کرے، اس کے احکامات پر عمل کرے، اس کی شریعت کو زندہ اور روشن کرے۔

☆ امام غزالی بھی ایک متبحر عالمِ دین اور ماہر تعلیم تھے ان کے نزدیک مقاصدِ تعلیم یہ ہیں۔

''معرفتِ الٰہی و رضاءِ الٰہی کا حصول، انسانی شخصیت کے ظاہر و باطن کی متوازن نشوونما اور اعلیٰ سیرت و کردار کی تکمیل، خوفِ خدا اور خوفِ آخرت پیدا کرنا''۔ اس کے علاوہ امام غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم میں ایک جگہ لکھتے ہیں: ''نبوت کے بعد اشرف اور افضل کام علم کی تعلیم دینا اور انسانوں کے نفس کو مہلک عادتوں اور خصلتوں سے بچانا ہے، نیز عمدہ اخلاق اور سعادت کی راہ پر ڈھالنا بھی تعلیم کا مقصودِ اصلی ہے''۔

☆ علامہ ابن خلدون نے جو مقاصدِ تعلیم پیش کیئے وہ تقریباً امام غزالی کے مقاصدِ تعلیم سے ملتے جلتے ہی ہیں۔

☆ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مقاصدِ تعلیم کا خاکہ بہت خوبصورت انداز، انتہائی جامعیت اور اختصار کیساتھ پیش کیا ہے اور یہ مقاصدِ تعلیم زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیئے ہوئے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے پیشِ نظر تعلیم کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ طلبہ کو خدا، کائنات اور انسان کے اس باہمی تعلق کا شعور دینا کہ انسان اور کائنات دونوں خدا کی مخلوق ہیں اور انسان کائنات میں خدا کا خلیفہ ہے۔

۲۔ طلبہ میں اطاعت الٰہی کا جذبہ پیدا کرنا۔

۳۔ طلبہ میں خودشناسی کی صلاحیت پیدا کرنا۔

Marfat.com

۴۔ طلبہ میں تسخیر کائنات کی صلاحیت پیدا کرنا۔

۵۔ طلبہ کو معاشرے کی ابتداء اور اس کے ارتقاء کا فہم دینا۔

۶۔ طلبہ کو آداب معاشرت کی تربیت دینا۔

۷۔ طلبہ کو فرد اور معاشرے کے اس تعلق کا شعور دینا کہ فرد کی صحیح نشو و نما کیلئے معاشرے کا وجود بہت ضروری ہے۔

۸۔ طلباء کو معاشرتی مطابقت پیدا کرنے کا اہل بنانا۔

۹۔ طلبہ میں تعاون و ہمدردی کا جذبہ اجاگر کرنا۔

۱۰۔ طلبہ میں سیاسی شعور پیدا کرنا۔

۱۱۔ طلبہ میں جذبۂ حب الوطنی پیدا کرنا۔

۱۲۔ طلبہ میں ایسا شعور پیدا کرنا کہ وہ بین الاقوامی تعلقات کو بخوبی سمجھ سکیں اور رنگ، نسل اور زبان وغیرہ کے تعصبات سے بالاتر ہو کر سوچیں۔

۱۳۔ طلبہ کو ذمہ دار شہری بنانا۔

۱۴۔ طلبہ کے اندر یہ صلاحیت پیدا کرنا کہ وہ امراضِ معاشرہ کی تشخیص کر سکیں اور ان کے علاج کیلئے مناسب جدوجہد کر سکیں۔

۱۵۔ طلبہ کو عملی زندگی میں بھرپور حصہ لینے کیلئے تیار کرنا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پیش کردہ مقاصد تعلیم کی روشنی میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ آج کل ہمارے دینی ادارے کس حد تک ''مقاصدِ تعلیم'' کی تکمیل کر رہے ہیں۔ ہم نے کچھ مقاصد کو تو لے لیا اور سارا زور صرف انہی مقاصد کے حصول میں صرف کر رہے ہیں جب کہ باقی ماندہ مقاصد کو ہم نے پسِ پشت ڈال دیا اور ہم یہ سمجھے ہیں کہ وہ مقاصد ہمارے نظامِ تعلیم کا حصہ نہیں بلکہ دنیاوی نظامِ تعلیم کا عنصر ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمارے اداروں سے فارغ ہونے والے متعلمین معاشرے سے مطابقت پیدا کرنے اور معاشرے میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے سے قاصر ہیں۔

Marfat.com

نبوی نظامِ تعلیم

آپ کی آمد سے قبل عرب کی کیا حالت تھی

ایک فاضل مصنف اس کا تعارف یوں کرواتے ہیں:

''عرب جو روحانیوں کی نگاہ میں ہزار حسن اور لاکھ جلووں کی جنت گاہ ہے، چشمِ دنیادار اس کے نظارۂ ظاہرہ سے گھبرا اٹھتی ہے اور زبان پکار کر کہتی ہے کہ عرب تو سرتاسر صحرا ہے۔ جہاں تپتی ریت سے آتش زبان بگولے اٹھتے ہیں اور زہریلی ہوائیں جھکڑ بن کر چلتی ہیں۔ کوہستانی سلسلے جو دوسری جگہ ہمیشہ روح افزاء اور نظر افروز ہوتے ہیں یہاں چٹیل پہاڑیاں بن کر رہ جاتے ہیں۔ پانی کی نایابی انسانی آبادی کیلئے مشکلات پیدا کرتی ہے۔ لو کی لپیٹ میں کھجوروں کے سوا کوئی درخت سرسبز نہیں ہوتا، ہاں سمندروں کے کنارے کچھ جان پرور سرسبزی و شادابی دکھائی دیتی ہے جہاں آوارہ و سرگرداں قبائل ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔ کہیں کہیں چھوٹی بستیاں بھی ہیں، ان کی کھیتی باڑی کی ساری امید بارانِ رحمت پر ہے۔ وقت پر برس گیا تو جنگل میں منگل ورنہ انتظار ہی میں موسم ختم ہو جاتا ہے۔

عرب دنیا سے تقریباً بالکل جدا اور اس کے ملکی حالات دوسرے ملکوں سے بالکل مختلف ہیں۔ اس کے گرد پانی کے قلزم اور اندر ریت کے سمندر ہیں۔ اس میں سیاح کیلئے کوئی دلچسپی ہے نہ فاتح کیلئے کوئی کشش۔ ضروریاتِ زندگی کی کمیابی اور اوقات کی فراغت نے ہر عرب کو شاعر، شجاع اور شوریدہ سر عاشق بنا رکھا تھا۔ مشاغل کی کمی کی وجہ سے ان وسیع فرصتوں کو گزارنے کا طریقہ اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔ شاعر مضامین کے دریا سے موتی نکال نکال کر وقت گزارتا، بہادر خون کی ہولی کھیلنے میں عمر کھوتا اور عاشق کسی آہوئے صحرا کے خیال میں صبح سے شام کر دیتا، دنیا کے بے کاروں کیلئے یہی کام ہیں جو عمر کھو کر بھی انجام نہیں پاتے۔ علم جو اصلی جوہر ہے اس سے تمام عرب محروم تھا۔ تمام آبادی نوشت و خواند سے بے بہرہ تھی۔ ہاں شاعروں نے عربی زبان کے جوہر خوب چمکائے چونکہ قبیلے قبیلے میں شاعر موجود تھا اس لئے ہر کہ و مہ کی زبان ایسی منجھ گئی کہ اہلِ عرب فصاحت میں اوروں کو اپنا ہمسر نہ سمجھتے اور اپنی بلاغت کی بناء پر باقی دنیا کو ''عجم'' یعنی گنگ کہتے تھے۔ عربی کی شاعری کی کل کائنات فخرِ نسب، اظہارِ عشق اور اعلانِ جنگ تھی۔ ان کے تخیل کی پرواز

Marfat.com

قصائد، رجز اور غزل کی محدود دنیا سے بلند نہ تھی۔ ان کا جذبہ خودستائی اپنے یا اپنے قبیلے کے کار ہائے نمایاں بیان کرتے وقت شریفانہ جذبات اور پاک اخلاق کا حامل نہ ہوتا تھا بلکہ اکثر اوقات عورتوں کی عصمت بگاڑنے، ڈاکہ ڈالنے اور ظلم کرنے پر بھی فخر کیا جاتا تھا۔ عوام کی بدذوقی کا یہ عالم تھا کہ اخلاقِ ذمیمہ کی اس اعلانیہ تبلیغ پر بھی شاعری کی گرمیٔ سخن کی داد دیتے اور واہ واہ کرتے تھے۔

بے شک عرب جنگجو اور شجاع تھے مگر جنگ وجدال کے محرکات عموماً رزیل احساسات ہوا کرتے تھے۔ بعض اوقات تو قبائل میں وجہ جنگ موجود بھی نہ ہوتی مگر جنگ جاری رہتی تھی۔ کبھی کھڑے کھڑے کسی ادنیٰ سی بات پر دو دوست بگڑ جاتے اور تلواریں سونت کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے اور مدد کیلئے اپنے قبیلوں کو پکارتے تھے جو سنتا شمشیر برہنہ علم لئے شریک جنگ ہو جاتا۔ کوئی پوچھتا نہ تھا کہ وجہِ نزاع کیا ہے؟

مخلوق کی محبت خدا کی رحمت ہے۔ مگر جب محبت کی بے پایانی کو محدود کر کے کسی فرد واحد میں مرکوز کر دیا جائے اور اس حد بندی کی محرک شہوت ہو تو عصمت اور پاکبازی سر پیٹ لیتی ہے۔ عشق و عاشقی کو جب جوانی کی بے قیدی اور بے عنانی کے سپرد کر دیا جائے تو ڈر فتنہ باز ہو جاتا ہے اور اس کا ماحصل خسر الدنیا والآخرۃ ہوتا ہے۔ اہلِ عرب کے عشق کی وارفتگیاں محبوب کے محاسن کی گرویدگی تک محدود نہ تھیں بلکہ یہ لوگ عورت کی التفات کے شجرِ ممنوعہ کے حصول کیلئے علانیہ حلف لیتے اور خواہشات نفسانی پر فخر کیا کرتے تھے۔ ہو نہ ہو ان عشاق کے معیارِ شرافت سے گرے ہوئے اقوال وافعال سے پناہ پا کر بعض ناعاقبت اندیش، خدا ناترس اور بزعمِ خویش خوددار افراد نے دختر کشی کی ابتداء کی ہوگی۔ کیونکہ اگر ایک طرف عشق یوں بے باک تھا تو دوسری طرف حسن بے حجاب ہر وقت سیاہ کاری کے دامن میں پناہ پانے کیلئے آمادہ تھا۔ میلوں میں بے نقاب عورتوں کی نگاہیں فتنے اٹھاتی اور ان کی مسکراہٹیں بجلیاں گراتی تھیں۔ غرض عشق، شاعری اور شجاعت جو جذبۂ عالیہ کے ساتھ مل کر قوموں کی قسمت کو بدل سکتے ہیں ان میں موجود تو تھے مگر رزیل اخلاق سے مل کر ان کی تباہی کا باعث بن چکے تھے۔'' (محبوب خدا ﷺ)

جب پورے عرب کی یہ صورت حال تھی تو نبی کریم ﷺ نے ان کی معاشرتی زندگی کی درستگی اور ان کے اخلاق کی تکمیل کیلئے سب سے پہلے جس چیز پر زور دیا وہ حصولِ علم تھا۔ آپؐ نے

Marfat.com

علم کی اہمیت و فضیلت کو بیان کیا اور معاشرے کے ہر فرد کیلئے اس کا حصول لازمی قرار دیا۔

اسلام کی تعلیمی تحریک کا آغاز تو اسی وقت ہو گیا تھا جب سورۂ علق کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں لیکن اس کا باقاعدہ آغاز کوہِ صفا پر واقع ارقم بن ابی ارقمؓ کے گھر میں ہوا۔

پہلی درسگاہ:

آپ ﷺ کے صحابی ارقم بن ابی الارقم کا مکان کوہِ صفا کی بلندی پر واقع اور عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل تھا۔ پہلے پہل جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا تو وہ اس مکان میں جا کر بنیادی عقائد و عبادات سے واقفیت حاصل کرتا۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی درسگاہ تھی جہاں سے اسلامی تعلیمی تحریک کی ابتداء ہوئی۔

مسجد نبویؐ پہلی اسلامی یونیورسٹی:

نبوت کے تیرھویں سال جب آپؐ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں جا کر آپؐ نے سب سے پہلے جس کام کی ابتداء کی وہ مسجد نبوی کی تعمیر تھی اور یہی مسجدِ نبوی اسلام کا پہلا باقاعدہ مدرسہ تھا۔ نمازِ فجر کے بعد آپؐ مسجد ہی میں قیام فرماتے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو تعلیم دیتے تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ جائے نماز سے اٹھ کر اسطوانہ کے قریب بیٹھ جاتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور درس و تدریس کا یہ سلسلہ طلوع آفتاب تک جاری رہتا۔ ایک صحابی روایت کرتے ہیں:

''نماز کے بعد ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور سامعین میں سے کوئی شخص قرآن کے متعلق سوال کرتا تھا، کوئی وراثت کے مسائل دریافت کرتا تھا اور کوئی خواب کی تعبیر دریافت کرتا تھا۔ (طبرانی)

طریقہ تعلیم انتہائی سادہ، آسان فہم، دلچسپ اور آزادانہ تھا۔ درس و تدریس کا سارا کام زبانی چلتا تھا۔ تلاوتِ قرآن مجید، تفسیر، انبیاء کے قصے، اخلاقی کہانیاں، نصائح گویا تمام موضوعات پر گفتگو ہوتی رہتی تھی۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے ساتھ ساتھ بائیں جانب ایک چبوترہ بنایا گیا جسے ''صفہ'' کا نام

Marfat.com

دیا گیا۔ مدینہ سے باہر سے آنے والوں کا قیام یہیں ہوتا تھا۔ یہاں رہ کر وہ لوگ دین کی تعلیم حاصل کرتے، اپنی تعلیم مکمل کرتے اور پھر واپس جا کر اپنے قبیلوں میں تبلیغِ دین اور اشاعتِ علم کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ یہ طلباء عام طور پر غریب و نادار ہوا کرتے تھے۔ اہل مدینہ اصحابِ صفہ کو کبھی اپنے گھر لے جاتے اور کبھی وہیں ان کیلئے کھانا بھجوا دیتے۔ متعلمین میں سے اکثر طلباء جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور انہیں بیچ کر اپنا گزارہ کرتے تھے۔ معلمین میں آپ ﷺ کے علاوہ ایک انصاری صحابی عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اور ان کو بھی دار العلوم صفہ میں پڑھانے کا شرف حاصل تھا۔

لازمی اور اختیاری تعلیم:

مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد جب آپ ﷺ نے یہاں خود مختار اسلامی ریاست قائم کر لی تو سب سے پہلے آپؐ نے یہاں ایک نظامِ تعلیم قائم کیا۔ اس نظامِ تعلیم میں قرآن مجید لازمی subject (مضمون) کے طور پر شامل تھا اور اس کے علاوہ اختیاری مضامین بھی شاملِ نصاب تھے مثلاً اپنی قومی زبان کے علاوہ دیگر زبانیں سیکھنے کی تعلیم اختیاری تھی۔ آپ ﷺ کے پاس سربراہ کی حیثیت سے غیر زبانوں میں خط آتے تھے جنہیں یہودیوں سے پڑھوایا جاتا تھا۔ ان خطوط میں بعض معاملات پوشیدہ ہوتے تھے۔ ان حالات میں آپؐ نے اپنے قابلِ اعتماد صحابی حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ نے صرف عبرانی ہی نہیں بلکہ سریانی، فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانیں بھی سیکھ لیں اور وہ زبان دانی میں ایک ماہر کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے۔

اس کے علاوہ جسمانی تربیت کی تعلیم بھی اختیاری تھی۔ آپ نوجوانوں میں دوڑ لگواتے اور تیر اندازی کے مقابلے کرواتے تھے۔ کشتی لڑنے میں آپ کو بہت دلچسپی تھی۔

خلافت راشدہ کے دور میں نظامِ تعلیم

خلافتِ صدیقیؓ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بہت سے فتنوں نے جنم لیا اور آپ کی مدتِ حکومت ان فتنوں کی سرکوبی میں ہی ختم ہو گئی۔ اس لئے آپ کو اتنا موقع ہی نہ ملا کہ

Marfat.com

آپ نظامِ تعلیم کی طرف توجہ فرمائیں۔ بہرحال تھوڑی بہت تعلیمی سرگرمیاں جاری رہیں اور تعلیم و تدریس کا وہی نبوی طریقہ رائج رہا یعنی تمام بزرگ صحابہ مساجد میں اپنا اپنا حلقۂ درس بنا کر بیٹھ جاتے اور متعلمین کو تعلیم دیتے تھے۔

خلافتِ فاروقیؓ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت جس طرح دیگر شعبوں میں اپنی مثال آپ اور ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے اسی طرح فروغِ تعلیم کیلئے بھی ان کا دورِ حکومت سنہری دور کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کے دور میں باقاعدہ ایک نظامِ تعلیم مرتب کیا گیا اور دنیا کے کونے کونے تک اسلامی تعلیم کو عام کرنے کیلئے ایک منظم کوشش کی گئی۔ آپ کے دور میں بھی درس و تدریس کا وہی نبوی طریقہ رائج رہا اور مسجد کو بنیادی حیثیت حاصل رہی۔ تمام مفتوحہ ممالک میں کثرت سے مساجد (تعلیمی ادارے) قائم کی گئیں۔

آپ نے تعلیم کو عام کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے بڑے بڑے عالم صحابہ کرام کو مختلف ممالک اور صوبوں کی طرف روانہ فرمایا۔ ملک بھر میں معلمین و قراء کا تقرر فرمایا، ان کو باقاعدہ تنخواہیں جاری کی۔ آپ نے نظامِ تعلیم کی نگرانی کا بھی بندوبست فرمایا تھا۔ صوبوں کے حاکموں کو حکم تھا کہ وہ اپنے علاقوں میں تعلیم کی طرف بھرپور توجہ دیں۔ آپ نے قرآن کی تعلیم کو لازمی قرار دیا حتیٰ کہ خانہ بدوش بدوؤں کیلئے بھی قرآن کی تعلیم لازمی تھی۔ صاحبِ علم لوگوں کی بہت قدر کی جاتی اور اہلِ علم ہی کو حاکم و گورنر مقرر کیا جاتا تھا۔

آپ کے زمانے میں طریقۂ تدریس میں قدرے بہتری لائی گئی، حضرات معلمین اور فقہاء ایسا طریقۂ تدریس اختیار کرتے جو متعلمین کے لئے مناسب و موزوں ہوتا تھا۔ حضرت ابوالدرداءؓ کا طریقۂ تدریس یہ تھا کہ صبح فجر کی نماز کے بعد مسجد ہی میں بیٹھ جاتے جب متعلمین حاضر ہو جاتے تو آپؓ دس دس آدمیوں کی ٹولی بنا دیتے اور ہر ٹولی پر ایک قاری مقرر کرتے جو ان کو قرآن پڑھاتا۔

خلافتِ عثمانیؓ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا سب سے اہم تعلیمی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کے رسم الخط کا تعین کیا اس پر زبر، زیر، پیش لگوا کر املاء اور تلفظ کی غلطیوں کی درستگی فرمائی اور پھر اسے اپنی ساری مملکت میں نافذ کیا۔

Marfat.com

خلافت علیؓ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خانہ جنگی کا زور رہا مگر اس کے باوجود تعلیم وتعلم کا سلسلہ پورے آب وتاب کے ساتھ چلتا رہا۔

آپ کے زمانہ میں نومسلم امیوں کی تعلیم کا مسئلہ سامنے آیا۔ نومسلم چونکہ عجمی تھے اس لئے ان کیلئے عربی زبان سیکھنا بہت مشکل تھا چنانچہ اس مسئلے کے حل کیلئے عربی زبان کے کچھ قواعدو ضوابط وضع کیئے گئے جنہیں ہم ''صرف ونحو'' کے نام سے جانتے، سنتے اور پڑھتے ہیں۔

اموی دور میں نظامِ تعلیم

اموی دور میں نظامِ تعلیم یہ رہا کہ علماء وفقہاء مسجد کے صحن میں بیٹھ جاتے اور متعلمین ان کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور مختلف فقہی مسائل دریافت کرتے۔

اموی دور کا نصاب تعلیم بھی وقتی تقاضوں اور قومی ضروریات کو مدنظر رکھ کر مقرر کیا گیا تھا۔ اموی دور کے نظامِ تعلیم میں جو علوم وفنون شاملِ نصاب تھے وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔قرآن مجید ۲۔قرأت ۳۔حدیث ۴۔فقہ ۵۔مغازی وسیرت ۶۔انساب
۷۔لغت ۸۔صرف ونحو ۹۔فلسفہ وکیمیا ۱۰۔علم طب

اموی دورِ خلافت میں طریقۂ تدریس یہ تھا کہ معلم کسی ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جاتا اور متعلمین اس کے دائیں بائیں سامنے گول دائرے کی شکل میں بیٹھ جاتے۔ استاذ سبق شروع کرنے سے پہلے قرآن مجید کی چند آیات کی تلاوت کرتا پھر نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھتا، پھر اس کے بعد سبق شروع ہو جاتا۔

اموی دورِ خلافت میں سب سے بڑا تعلیمی کارنامہ یہ ہوا کہ اس دور میں عربی رسم الخط کی اصلاح اور اعراب کی اختراع ہوئی۔ اس سے پہلے عربی رسم الخط پر نقطے تھے نہ زبر، زیر، پیش۔ اس لیے عجمیوں کو عربی رسم الخط پڑھنے میں انتہائی دشواری ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں ابوالاسود دؤلی نامی شخص نے اس کام کا آغاز کیا اور مشہور نحوی ولغوی امام ''امام خلیل بن احمدؒ'' کے ہاتھوں اس کی تکمیل ہوئی۔

☆☆☆☆

Marfat.com

عباسی دور میں نظامِ تعلیم

اسلام کی دوسری صدی کے پہلے نصف میں حکومت کی باگ ڈور بنو عباس کے قبضے میں چلی گئی اور یہ دور اسلامی تہذیب وتمدن کا سنہری دور کہلایا بنو عباس کا دار الخلافہ بغداد تھا۔ نامور عباسی خلفاء منصور، ہارون الرشید اور مامون الرشید نے علم وحکمت کے موتیوں کو یہاں اکٹھا کردیا۔ منصور بذاتِ خود علم کا ماہر تھا۔ اس نے اپنی سلطنت میں طب اور قانون کی تعلیم کو بہت فروغ دیا۔ ہارون الرشید کے تعلیمی کارناموں کی شہرت یورپ میں بھی تھی۔ س کے دورِ حکومت میں بغداد میں سب سے پہلا میڈیکل کالج قائم ہوا۔ مامون الرشید نے بغداد کو سائنسی تحقیقات کا مرکز بنادیا۔ عظیم الشان کتب خانے قائم کیئے اور اپنے دربار میں علماء وفضلاء کو جگہ دی، عباسیوں کا ناقابلِ فراموش کارنامہ بغداد میں دار الحکمہ کا قیام تھا، دار الحکمہ وہ ادارہ تھا جس کے ذریعے دیگر اقوام کے علوم وفنون اور منتخب ادبیات کو عربی میں ترجمہ کر کے علمی ورثے کو آئندہ نسلوں تک محفوظ کیا جاتا تھا۔

موجودہ دینی نظامِ تعلیم (درس نظامی)

ہمارے موجودہ دینی نظامِ تعلیم (درس نظامی) کا تعارف حضرتِ اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ یوں کرواتے ہیں:

"درس نظامی ملا نظام الدین سہالویؒ (متوفی ۱۱۶۱ھ بمطابق ۱۷۴۷ء) کے نام نامی سے منسوب ہے۔ آپ عظیم مسلمان فلسفی "رسائل الارکان، فواتح الرحموت، شرح مسلم الثبوت اور شرح سلم العلوم" جیسی بلند پایہ کتب کے مؤلف بحر العلوم علامہ عبد العلی کے فرزندِ ارجمند تھے۔ آپ لکھنؤ کے ایک مضافاتی قصبے سہالہ میں ۱۰۸۸ھ میں پیدا ہوئے۔ وحید عصر شیخ غلام نقشبندی لکھنوی (متوفی ۱۱۲۶ھ) شیخ امان اللہ بنارسی جیسے عظیم اساتذہ اور ماہرین تعلیم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیئے اور علوم وفنون میں گہری بصیرت حاصل کی۔ فراغت تعلیم کے بعد اپنے والد ماجد کی مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کے زیرِ نگرانی اس مدرسہ نے تمام علوم وفنون میں اپنے دور میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام حاصل کرلیا اور ہندوستان میں سب سے بڑا علمی مرکز قرار پایا۔

Marfat.com

ملا نظام الدین سہالویؒ نے اپنے مدرسے کیلئے تعلیم کا ایک نظام اور نصاب مرتب کیا اور اس کو عمل کے تجربہ میں لائے۔ اس نظامِ تعلیم کی اہم خصوصیات کے پیشِ نظر ہندوستان کے باقی مدارس نے بھی اس کو اپنا لیا اور ہندوستان پر انگریزی سامراج کے تسلط تک ہندوستان کے تمام تعلیمی اداروں میں یہی نظام تعلیم بنیادی حیثیت سے نافذ تھا۔

یہ نظامِ تعلیم علوم عربیہ، تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد و کلام، فلسفہ و منطق، ریاضی و طب اور ہندسہ وغیرہ تمام علوم کو جامع تھا۔ درسِ نظامی چونکہ تمام دینی و دنیاوی علوم پر مشتمل تھا، اس لیے اس نظامِ تعلیم کے فارغ التحصیل مسلمان طلباء عملی زندگی کے ہر شعبے کی ذمہ داریاں اٹھا لینے کی استعداد رکھتے تھے۔ چنانچہ ہر شخص اپنے ذوق اور صلاحیتوں کے مطابق زندگی کے جس شعبے کو پسند کر کے اختیار کر لیتا اس میں اس کو ترقی کے تمام تر مواقع میسر رہتے تھے۔ غرضیکہ اس نظامِ تعلیم کے زیر تربیت کبار علماء، مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین، فلاسفہ، ادباء اور مصنفین کی طرح ماہرین طب و سائنس، بڑے بڑے آفیسر اور ماہرینِ قانون بھی پیدا ہوئے، یہ لوگ علم و فن کے میدان میں مکمل دسترس رکھتے تھے۔

اس نظام تعلیم کا بنیادی اور اساسی مقصد یہ تھا کہ آدمی اپنے دین میں مکمل رسوخ حاصل کرے اور اپنے عقائد میں پختگی پیدا کر کے اپنی عملی زندگی کو دینی بنیادوں پر استوار کرے نیز اپنے معتقدات اور عمل کی صحت و درستگی کے دلائل سے کماحقہ واقف ہو سکے تاکہ اجنبی نظریات اس کو کسی دھوکہ میں مبتلاء نہ کر سکیں اور ہوا و ہوس غلط راستوں پر ڈال دینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس وجہ سے فراغت کے بعد طالب علم بے خوف و خطر طب و سائنس کا شعبہ اختیار کر لے یا فلسفہ و منطق کا۔ خواہ وہ تفسیر و حدیث اور فقہ و قانون کے شعبے کو اپنا لے اس کے راہِ راست سے بھٹک جانے کا کوئی اندیشہ نہ ہوتا تھا۔

مذکورہ بالا کتب (درس نظامی کی کتب) اس نظام تعلیم کے اسی اساسی اور بنیادی مقصد کی طرف مکمل راہنمائی کرنے کے ساتھ ساتھ طلباء میں صحیح علمی ذوق بھی پیدا کر دیتی ہیں۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ اس نظامِ تعلیم کا اساسی اور بنیادی مقصد طلباء میں صحیح ذوق پیدا کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظامِ تعلیم کے ماہرین نے نصابی کتب کے تغیر و تبدل

Marfat.com

میں کسی جمود سے کام نہیں لیا کہ انہی مخصوص کتب پر انحصار کیئے رکھتے بلکہ اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہندوستان کے ارباب مدارس دینیہ اس نصاب کو درس نظامی کی اساس کے طور پر تو اختیار کیئے ہوئے ہیں لیکن حالات وواقعات کے تغیر وتبدل کے ساتھ اس میں حذف واضافہ بھی کرتے رہے ہیں۔ البتہ اس ضمن میں اس بات کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے کہ ''درس نظامی'' کی حقیقی روح اور اغراض ومقاصد کسی بھی طور پر متاثر نہ ہونے پائیں چنانچہ سلطنتِ مغلیہ کے زوال تک ہندوستان کے تقریباً تمام مدارس میں ''درس نظامی'' کی یہی روح کئی صدیوں تک یوں ہی کارفرما رہی۔

برصغیر ہند پر انگریزی سامراج کے مسلط ہو جانے کے بعد انگریزوں نے یہاں پر ایک جدید نظام تعلیم کے نفاذ کا پروگرام مرتب کیا۔ یہاں اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وقت کے مروجہ نظامِ تعلیم (درس نظامی) میں بعض جدید علوم وفنون کو شامل کرنا اشد ضروری تھا کیونکہ مغربی فلاسفہ اور سائنس دانوں نے فلسفہ وسائنس کے بہت سے جدید موضوعات اور مباحث کا اضافہ کیا تھا۔ یہ تغیر اگر مسلم حکمرانوں کے عہد میں ہوتا تو یقیناً وہ اس جدید فلسفہ وسائنس کا درس نظامی میں اس انداز سے اضافہ کرتے کہ اس سے ان کے نظامِ تعلیم کی حقیقی روح بھی متاثر نہ ہوتی اور نہ اس کے اغراض ومقاصد کو کوئی نقصان پہنچتا۔

لیکن بدقسمتی سے یہ تغیرات انگریزی دورِ حکومت میں رونما ہوا اور انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس نظامِ تعلیم کے اغراض ومقاصد کی کچھ پرواہ نہ کی بلکہ اس کے علی الرغم اپنی تمام تر کوشش اس کام میں لگا دی کہ مسلمانوں کے قلوب سے دین اسلام اور اللہ ورسول سے محبت کے ہر پہلو کو محو کر دیا جائے............الخ

الغرض (انگریز کا مرتب کردہ) یہ جدید نظامِ تعلیم یکے بعد دیگرے ہر علاقے میں پھیلتا چلا گیا حتیٰ کہ پورے ہندوستان میں اس کا رواج ہو گیا۔ مسلمانوں نے اس خوش فہمی سے اسے خوش آمدید کہا کہ اس طرح جدید علوم اور ٹیکنیکل صنعتوں سے وہ بھی فوائد حاصل کر سکیں گے اور دیگر ہندوستانی اقوام کے شانہ بشانہ چلنے کی ان میں بھی استعداد پیدا ہو جائے گی۔ دوسری طرف حکومت نے تمام سرکاری ونیم سرکاری ملازمتوں کیلئے صرف اس جدید نظام تعلیم کے تربیت

Marfat.com

یافتہ افراد کے قبول کیئے جانے کا اعلان کر کے درس نظامی کے فارغ التحصیل تمام افراد کیلئے معاش کے دروازے بند کر دیئے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ہندوستانی (مسلم) باشندوں کی عظیم اکثریت انہی سرکاری تعلیمی اداروں کی جانب اُمڈ پڑی اور ایک انتہائی قلیل تعداد کے سوا پوری قوم نے قدیم طرز کے دینی تعلیمی مدارس کے بارے میں مکمل طور پر سرد مہری بلکہ بے توجہی کا رویہ اختیار کر لیا جس کا اثر یہ ہوا کہ درس نظامی کے تحت چلنے والے مدارس کی تعداد روز بروز گھٹتی چلی گئی۔

اس صورتحال نے ہندوستان کے علماء کو چونکا دیا۔ ان کو علوم دینیہ کے ضائع ہونے کا شدت سے احساس ہونے لگا چنانچہ علومِ دینیہ کی حفاظت اور ان کی نشر و اشاعت کے پیشِ نظر ان حضرات نے درس نظامی کی تعلیم کیلئے نئے مدارس کھولنے کی طرف پوری توجہ دینی شروع کر دی۔ علماء کی ایک جماعت نے ان حضرات کی دعوت پر لبیک کہا، کم آمدنی حتیٰ کہ فقر و تنگدستی کو گلے لگایا اور علوم اسلامیہ کی حفاظت کیلئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ (بحوالہ ماہنامہ البلاغ کراچی)

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کے درج بالا مضمون سے معلوم ہوا کہ ہندوستانی علماء نے دوبارہ درسِ نظامی کی بنیاد کسی خاص مقصد کے تحت رکھی تھی۔ جب انگریز نے دینی علوم وفنون میں ردوبدل اور حذف و اضافہ کا بہانہ بنا کر علوم شرعیہ کو سرے سے ہی ختم کرنا چاہا تو ہندوستانی علماء نے انگریز کی اس چال کو سمجھ لیا اور علوم شرعیہ کے تحفظ و بقاء کیلئے درس نظامی کی بنیاد ڈالی اور اس میں کوئی جدید فن شامل نہ کیا گیا کیونکہ ان کے پیش نظر محض علوم شرعیہ کا تحفظ و بقاء تھا۔ چنانچہ اللہ کا احسان ہوا کہ اس نے ہمیں ایک آزاد اسلامی مملکت عطا کر دی۔ اب اس اسلامی مملکت میں علوم شرعیہ کا تحفظ و بقاء یقینی تھا ان کے ختم یا ضائع ہونے کا خدشہ تک نہ تھا تو اس صورت میں اب چاہئے تو یہ تھا کہ منتظمین مدارس ملا نظام الدینؒ والے نصاب کی طرح کوئی نصاب رائج کرتے جس میں علومِ شرعیہ کے ساتھ جدید علوم وفنون بھی شامل ہوں مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا۔

ہمارے منتظمین مدارس آج تک وہی نصاب رائج کیئے ہوئے ہیں جو محض علوم دینیہ و علوم شرعیہ کے تحفظ کیلئے ترتیب دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم صدیوں پرانا نصاب پڑھانے کی وجہ سے ایسے رجال کار پیدا کرنے سے قاصر ہیں جو معاشرے میں اسلام کا صحیح تصور اجاگر کرسکیں اور

Marfat.com

معاشرے کی دینی ضروریات کو پورا کر سکیں۔

تعلیم کی بنیادیں

جاننا چاہیئے کہ عملِ تعلیمی خلا میں سرانجام نہیں پاتا بلکہ یہ انسانی معاشرے اور کسی نظریۂ حیات کی روشنی میں تربیت پا کر عملی صورت اختیار کرتا ہے۔ ہر قوم یا فرقہ پہلے اپنا نظریۂ حیات طے کرتا ہے اس نظریۂ حیات کے مطابق نظامِ تعلیم وضع کرتا ہے۔ نظریۂ حیات کیا ہے؟ کسی بھی قوم کا طرزِ فکر، طرزِ عمل اور اخلاقی اقدار و روایات کے مجموعے کو نظریۂ حیات کہا جاتا ہے، دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ کسی بھی قوم کا زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر اس قوم کا نظریۂ حیات کہلاتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ عملِ تعلیم اور نظریۂ حیات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ نظریۂ حیات کسی بھی نظامِ تعلیم کے وضع کرنے کیلئے نظریاتی بنیاد فراہم کرتا ہے جبکہ تعلیم اس نظریۂ حیات کے مطابق افرادِ معاشرہ کی تعمیر و تشکیل کرتی ہے، نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تعلیم نظریۂ حیات کی نسلِ نو تک منتقلی کا عمل ہے۔

نظریۂ حیات کی بنیاد کیسے ڈلتی ہے اور یہ کیسے وجود میں آتا ہے؟

کوئی بھی نظریۂ حیات زندگی کے متعلق چند بنیادی سوالات کے جوابات کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے، مثلاً یہ کائنات کیسے وجود میں آئی؟ اس کائنات کو کب تک باقی رہنا ہے؟ کیا اس کائنات کا کوئی خالق ہے یا یہ خود بخود وجود میں آ گئی؟ اس کائنات کی تخلیق کا کیا مقصد ہے؟ اس کائنات میں انسان کو کیا مقام حاصل ہے؟ کیا موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور کیئے ہوئے کا حساب دینا ہے یا بس موت ہی اس زندگی کا انجام ہے؟

یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جن کے نتیجے میں کسی بھی قوم یا فرقے کے نظریۂ حیات کا تعین ہوتا ہے اور اس نظریۂ حیات کے تعین کے بعد اس کے احیاء، اس کے تحفظ و بقاء اور اس کی نسلِ نو تک منتقلی کیلئے نظامِ تعلیم وضع کیا جاتا ہے۔ گویا نظریۂ حیات کسی بھی نظامِ تعلیم کے تعین میں نظریاتی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔

اگر ہم کسی بھی نظامِ تعلیم کی نظریاتی بنیادیں جاننا چاہیں تو ہمیں سب سے پہلے یہ جاننا پڑے گا کہ یہ نظامِ تعلیم کس ملک سے متعلق ہے اور اس ملک کا نظریۂ حیات کیا ہے؟ جب ہمیں نظریۂ حیات کا پتہ چل جائے گا تو ہم اس نظریۂ حیات کی روشنی میں متعلقہ نظامِ تعلیم کی نظریاتی

Marfat.com

بنیادیں بآسانی جان سکیں گے۔ دنیا کے مختلف ممالک نظریۂ حیات رکھتے ہیں مثلاً چین اور روس کا سارا نظام سوشلزم پر مبنی ہے، جبکہ امریکہ کا سارا نظام سرمایہ دارانہ نظام پر مبنی ہے۔ اسی طرح اسلامی ممالک ایک اسلامی نظریۂ حیات رکھتے ہیں، مثلاً پاکستان اسلامی نظریاتی ریاست ہے، اس کا نظریۂ حیات اسلام ہے لہٰذا ہم نے اسی نظریۂ حیات کے مطابق اپنا تعلیمی نظام وضع کیا اور اپنی قومی تعلیمی پالیسی جاری کی ہے۔

کہنے کو تو تعلیمی عمل کی بہت سی بنیادیں ہیں مگر چونکہ ہمارا تعلق تعلیمی عمل کی نظریاتی بنیاد سے ہے لہٰذا ہم فقط تعلیمی عمل کی نظریاتی بنیاد سے بحث کریں گے۔

آپ جانتے ہیں کہ ہمارا نظامِ تعلیم اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ اسلامی نظریۂ حیات نے ہمیں ہمارے نظام تعلیم کیلئے نظریاتی بنیادیں فراہم کی ہیں اسلئے پہلے ہم اسلامی نظریۂ حیات پر بات کرتے ہیں۔

اسلامی نظریۂ حیات

اسلامی نظریۂ حیات کا تعلق دینِ اسلام سے ہے۔ دینِ اسلام کے چند بنیادی نظریات ہیں جو مسلمانوں کا نظریۂ حیات ہیں۔ اسلامی نظریۂ حیات زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیئے ہوئے ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ اس سے مخفی نہیں، اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق زندگی گزارنے سے انسان اللہ کا بندہ بن جاتا ہے۔ اسلامی نظریۂ حیات کیا ہے؟ اس کے چند اہم تصورات درج ذیل ہیں۔

۱۔ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آئی ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے سوچنے، سمجھنے اور جاننے کی طاقتیں دی ہیں تاکہ وہ نیکی اور بدی میں تمیز کر سکے۔ اسے سوچ، ارادے اور اس پر عمل کی آزادی ہے۔ یہ آزادی دراصل اس کا امتحان ہے کہ آیا وہ اپنے نفس کی مانتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ طرزِ زندگی کے مطابق اپنی زندگی گزارتا ہے۔

۲۔ اس کائنات اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اس تصور کا تقاضا ہے کہ انسان اس کی مرضی کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔

۳۔ انسان کیلئے معیارِ عمل وہ تعلیمات ہیں جو قرآن مجید اور اسوۂ رسول ﷺ پر مشتمل ہیں۔

Marfat.com

۴۔ اسلامی نظریۂ حیات دین و دنیا کو دو الگ خانوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ دونوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلنے کی ہدایت و تلقین کرتا ہے۔ اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق روحانیت و مادیت کی وحدت سے انسانی شخصیت کی تشکیل ہوتی ہے۔ اسی وحدت سے انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر و تشکیل ہوتی ہے خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشرتی ہو یا تمدنی، معاشی ہو یا سیاسی، ملکی ہو یا بین الاقوامی، اسلام کا اصل مدعا تمام روئے زمین پر خدا کے حکم اور اس کے قانون کا نفاذ کرنا اور انفرادی و اجتماعی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع کرنا ہے۔

تعلیم کا اسلامی تصور

تعلیم کا عمومی تصور ایک ایسا تصور ہے جس پر عمل کر کے انسان اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار بندہ بن جاتا ہے، جس پر عمل کرنے کی صورت میں اسلامی معاشرہ پائیدار، مفید اور کارآمد بن جاتا ہے، تعلیم کا اسلامی تصور کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ اسلامی تعلیم فرد کی اس طرح تعمیر و تشکیل کرتی ہے کہ وہ خلافتِ الٰہی کے قابل ہو جاتا ہے۔ ایک طرف تو وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرتا ہے اور دوسری طرف اپنے رب کی رضا کے حصول کیلئے سرگرداں رہتا ہے۔

۲۔ عام تعلیم فرد کو ایک اچھا شہری جبکہ اسلامی تعلیم فرد کو ایک اچھا مسلمان شہری بناتی ہے۔

۳۔ اسلامی تعلیم انسان کے بنیادی تصورات و اعتقادات کو اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق بناتی ہے اور اس کی سیرت و کردار کو اسلامی نقطۂ نظر سے سنوارتی ہے۔

۴۔ اسلامی تعلیم فرد کا تزکیہ اس طرح کرتی ہے کہ وہ جنت کا مستحق بن سکے۔

۵۔ اسلامی تعلیم انسان کو خدا شناس، خود شناس اور کائنات شناس بناتی ہے۔ یہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور اس کے احکامات ماننا اور ان پر عمل کرنا سکھاتی ہے۔

۶۔ اسلامی تعلیم اسلامی احکامات کے تحت انسان کی روحانی، ذہنی، جذباتی، جسمانی، معاشی و معاشرتی صلاحیتوں کو اجاگر کرتی ہے جس سے فرد کی شخصیت جامع اور متوازن بنتی ہے۔

Marfat.com

تعلیم کی اسلامی بنیادیں

تعلیم کی اسلامی بنیادوں میں سے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ اسلامی نظریہ حیات کے مطابق علم کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ سب سے اعلیٰ اور قطعی ذریعہ علم وحی الٰہی ہے۔

۲۔ اسلامی تعلیم کا ایک بنیادی نقطہ یہ ہے کہ یہ کائنات خود بخود وجود میں نہیں آئی بلکہ کائنات کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی سوچ، منصوبے اور علم کی بنیاد پر ہے۔ کائنات میں انسان کا مقام خلیفہ اور نائب کا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد فقط رضائے الٰہی کا حصول ہے اور وہ اپنے ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہے۔

۳۔ اسلام زندگی کو دین و دنیا دو الگ خانوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ انسان کو ایک کل کی حیثیت سے ایک جامع زندگی کیلئے تیار کرتا ہے۔ گویا اسلام مادہ و روح کی الگ الگ حیثیت کی بجائے دین و دنیا کی وحدت کا قائل ہے۔

۴۔ دین کی سربلندی، ملک اور ملتِ اسلامیہ کا تحفظ اور دعوتِ دین اسلامی تعلیم کی روح ہے۔

۵۔ دینِ اسلام کی اساس وہ بنیادی تصورات اور عقائد ہیں جن سے اسلامی نظریہ حیات تشکیل پاتا ہے۔

۶۔ تعلیمی مقاصد، نصابِ تعلیم، طریقہ تدریس اور سارے تعلیمی عمل کا فکری سرچشمہ قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ ہے لہذا انہی کی روشنی میں عملِ تعلیم کو بروئے کار لایا جائے گا۔

۷۔ اسلامی تعلیم کے تیار کردہ افراد دینی و دنیوی علوم کے حامل ہوں گے اور وہی اسلامی ریاست میں قیادت کا فریضہ سرانجام دیں گے۔

۸۔ اسلامی تعلیم کی ایک اہم نظریاتی بنیاد آخرت کی فلاح کا حصول بھی ہے۔

عملِ تعلیم اور تعلیمی نفسیات

''نفسیات'' علم کا ایسا شعبہ ہے جس میں انسانی فطرت، رجحانات، رویے، ذہن اور اس کے طرزِ عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ نفسیات کردار کا سائنسی

Marfat.com

مطالعہ ہے۔ کردار سے مراد کسی انسان کی ایسی سرگرمیاں ہیں جن کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہو۔ آپ جانتے ہیں کہ تعلیم فرد کے کردار کی اصلاح و ترمیم کا عمل ہے، لہٰذا کردار کی نئے سرے سے تشکیل یا اصلاح کی غرض سے اس میں تبدیلیاں لانے سے قبل یہ ضروری ہے کہ کرداری سائنس یعنی ''علم نفسیات'' کا مطالعہ کیا جائے۔ ایک کامیاب معلم وہ ہے کہ جو متعلمین کی جسمانی، معاشی و معاشرتی، تمدنی اور ذہنی نشوونما کی مختلف منازل اور ان کی خصوصیات سے آگاہ ہو۔ ایک استاذ علم نفسیات سے آگاہی کی بناء پر ہی متعلمین کے کردار میں بامعنیٰ، مثبت و مستحکم اور تعمیری تبدیلیاں پیدا کرنے کے قابل ہوگا۔

یہ تو تھیں نفسیات کے متعلق ابتدائی باتیں اب ''تعلیمی نفسیات'' کیا ہوتی ہیں؟ مختلف مفکرین نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں، جن میں سے اہم درج ذیل ہیں۔

جامع تعریف: ''تعلیمی نفسیات'' وہ علم ہے جو علمِ تعلیم کو مؤثر اور متحرک بنانے والے اصول اور ترکیبیں دریافت کرتا ہے۔ یہ انسانی کردار کا سائنسی مطالعہ ہے جس کے ذریعے اسے سمجھا جا سکتا ہے اس کے رویے اور عادتوں کی پیشن گوئی کی جا سکتی ہے اور زندگی کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے تعلیم کے ذریعے اس کی رہنمائی کی جا سکتی ہے۔

ایک ماہر نفسیات نے ''تعلیمی نفسیات'' کی تعریف یوں کی ہے:

''تعلیمی نفسیات'' علم نفسیات کی ایک ایسی شاخ ہے جو نظامِ تعلیم کے تمام عناصر کا نفسیاتی مطالعہ کرتی ہے۔ ایسے عناصر جو انسان کے تعلیمی عمل کو فروغ دیتے ہیں یا اس کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

ایک انگریز ماہر نفسیات کہتا ہے:

''تعلیمی نفسیات'' یہ ایک ایسا عمل ہے جس کا تعلق کمرۂ جماعت کی تعلیمی حقیقت، اس پر اثر انداز ہونے والے عوامل اور اس سے حاصل شدہ نتائج کے جائزے سے ہے۔

تعلیمی نفسیات کا ارتقاء

اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں صنعتی انقلاب کے نتیجے میں تعلیم عام ہو چکی تھی۔ تعلیم کے فروغ کے ساتھ ساتھ ایسے مسائل میں بھی اضافہ ہوتا گیا جو تعلیمی اداروں اور تعلیمی

Marfat.com

نظام کی پیداوار تھے۔ ان متعلمین کی طرف خاص توجہ دی جانے لگے جو پڑھائی میں پیچھے رہ جاتے تھے یا مختلف نفسیاتی کمزوری یا مسائل کا شکار تھے۔ ابتداء میں اساتذہ وانتظامیہ نے خودان مسائل کے حل کی کوشش کی مگر یہ ان کے بس کی بات نہ تھی چنانچہ اس سلسلے میں ماہرین نفسیات سے خدمات حاصل کی گئیں۔ جب ان ماہرین نے تربیت اور تجربے کو تعلیمی میدان میں پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے کیلئے استعمال کیا تو نفسیات کی ایک نئی شاخ ''تعلیمی نفسیات'' نے جنم لے لیا۔

ماہرینِ نفسیات نے تعلیمی عمل کی بہتری کیلئے مختلف انداز سے کام کیا۔ کچھ ماہرین نے خود متعلمین، اساتذہ اور والدین سے مل کر ان مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی اور کچھ ماہرین نے تعلیمی نفسیات کے موضوع پر اساتذہ کو تربیت دی۔ غرضیکہ آہستہ آہستہ اساتذہ کی تربیت میں نفسیاتی تحقیقات اور اصولوں کو شامل کیا گیا حتی کہ تعلیمی نفسیات اساتذہ کے تربیتی نصاب کا ایک اہم جز بن گئیں۔ ماہرین نے عمومی نفسیات کی مختلف تحقیقات اور ان سے اخذ کردہ نظریات کو بھی تعلیمی میدان میں استعمال کیا۔ اس سلسلے میں ماہرین نے آموزش، یاداشت، توجہ اور محرکات کے نظریات سے خاص طور پر فائدہ اٹھایا۔ ماہرین نے آموزش کی نوعیت اور سیکھنے کیلئے درکار ضروری حالات کا جائزہ لیا اور نتیجہ اخذ کیا کہ آموزش کا عمل مخصوص حالات کے تحت قائم ہوتا ہے مثلاً سیکھنے کا مواد کس طرح ترتیب دیا جاتا اور پیش کیا جاتا ہے؟

آموزش کی جانچ پڑتال کیسے کی جاتی ہے؟ فرد کو کس قسم کی رہنمائی اور ماحول مہیا کیا جاتا ہے؟ مزید یہ کہ اس سلسلے میں ماہرین نے مختلف تجاویز پیش کیں، مثلاً متعلم کی جسمانی، ذہنی اور معاشرتی سطح کا تعین کیا جائے تاکہ اسے اس کی صلاحیت کے مطابق استعمال کیا جاسکے، متعلم کی فطری صلاحیتوں کو مدِ نظر رکھا جائے تاکہ اسمیں سیکھنے کیلئے دلچسپی پیدا ہو، نئے فن کو ماضی کے تجربات اور ماحول کے مطابق پیش کیا جائے، جزاء اور سزا کا طریقہ احتیاط سے استعمال کیا جائے، متعلم میں کامیابی اور ناکامی برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کی جائے وغیرہ، ماہرین نے تحقیقات سے یہ بھی ثابت کیا کہ متعلم میں تحریک پیدا کرنے والا اہم عنصر استاذ کی شخصیت ہے۔ کچھ ماہرین نے ''تعلیمی نفسیات'' کے اس موضوع پر تحقیق کی کہ ''کس لحاظ سے متعلمین ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں'' ماہرین نے متعلمین کی شخصیت، ذہانت اور تخلیقی صلاحیتوں کا

Marfat.com

مطالعہ کیا اور نتیجہ اخذ کیا کہ دو متعلم کبھی بھی ایک جیسے نہیں ہوتے بلکہ ان میں تفاوت کا پایا جانا ایک یقینی امر ہے۔

متعلمین میں ذہنی اختلافات کے علاوہ شخصی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں۔ کچھ متعلمین سیماب صفت ہوتے ہیں یعنی وہ آرام سے نہیں بیٹھتے بلکہ ان کے اندر ہر دم حرکت ہی حرکت ہوتی ہے اور وہ ایک کام پر زیادہ دیر تک توجہ نہیں دے سکتے۔ اس کے برعکس بعض متعلمین بالکل خاموش رہنے کے عادی ہوتے ہیں اور کلاس کی سرگرمیوں اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ کچھ اساتذہ سیماب صفت طلباء کی بجائے خاموش طبع متعلمین کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ انہیں کنٹرول کرنا آسان ہوتا ہے جبکہ سیماب صفت متعلمین کو کنٹرول میں رکھنے کیلئے ہر وقت ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔

کئی ممالک میں ماہرین نفسیات کو خاص طور پر تعلیمی اداروں کے متعلمین کے نفسیاتی اور تعلیمی مسائل حل کرنے کیلئے رکھا گیا ہے۔ ایسے ماہرین درسگاہ کے اندر و باہر متعلمین کے کردار کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کے مسائل کا حل تلاش کر کے ان کے اساتذہ یا متعلمین کو مشورہ دیتے ہیں۔ ماہرین نے اس حقیقت کیطرف بھی توجہ دینا شروع کی ہے کہ کلاس کے ماحول اور خاص طور پر معلم کی شخصیت اور اس کا متعلمین کے ساتھ رویہ متعلمین کی کارکردگی کو متاثر کرتا ہے۔

ایک ماہر نفسیات نے ایک دلچسپ تجربہ کیا۔ ہوا یوں کہ ایک دفعہ اس نے کلاس کے طلبہ کی ذہانت کی پیمائش کی اور اس کے بعد کلاس کے معلم کو متعلمین کی ذہانت کا درجہ بتایا اور معلم کو یہ تاکید کی کہ طلباء کے ساتھ اس موضوع پر بات نہ کرے۔ حقیقت یہ تھی کہ اس ماہر نفسیات نے طلبہ کی ذہنی پیمائش کی ہی نہیں تھی بلکہ خود ہی فرضی طور پر ان کی ذہانت مقرر کر کے معلم کو بتا دیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد جب متعلمین کی ذہانت کی دوبارہ پیمائش کی گئی تو دیکھا گیا کہ ان متعلمین کی ذہانت میں واقعی اضافہ ہوا جنہیں ماہر نفسیات نے ذہین ظاہر کیا تھا اور ان متعلمین کی ذہانت میں کمی ہوئی جنہیں کم ذہین قرار دیا تھا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر ایک معلم یہ خیال کرتا ہے کہ یہ متعلم ذہین ہے تو وہ اس کے ساتھ اس طرح پیش آتا ہے کہ اس کی ذہانت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور اگر کسی متعلم کے بارے میں یہ خیال ہو کہ یہ کند ذہن ہے تو وہ اس کے ساتھ اس طرح پیش آتا ہے کہ اس کی

Marfat.com

ذہانت مزید کمزور ہو جاتی ہے۔ اس تجربے سے ثابت ہوا کہ معلم کے خیالات، رویے اور توقعات کا متعلم کی صلاحیتوں پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

عملِ تعلیم میں تعلیمی نفسیات کی ضرورت واہمیت

عملِ تعلیم اور تعلیمی نفسیات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک معلم کے لیے تھوڑا بہت تعلیمی نفسیات کا ادراک نہایت ضروری ہے کیونکہ اس ادراک سے وہ طلبہ کی ذہنی، جسمانی اور معاشرتی صلاحیتوں سے آگاہ ہوگا اور ان کی استعداد کے مطابق تعلیمی عمل کی منصوبہ بندی کر سکے گا۔ اس ادراک سے تعلیمی مقاصد کا حصول بھی بآسانی ممکن ہوگا اور عملِ تعلیم میں آسانی بھی ہوگی۔

ہر انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے بہت پیچیدہ ہے اور اپنے طبیعت، دلچسپیوں، صلاحیتوں اور ضروریات کے لحاظ سے کسی نہ کسی طرح دیگر انسانوں سے مختلف ہے۔ ہمارے ہاں تعلیمی اداروں میں طلبہ مختلف گھرانوں، مختلف علاقوں اور مختلف ماحول سے تعلق رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ایک معلم کو مختلف شخصیتوں، مختلف طبائع، رجحانات، دلچسپیوں اور صلاحیتوں سے واسطہ پڑتا ہے اس معرکے میں کامیابی کا ایک ہی طریقہ ہے کہ معلم ''تعلیمی نفسیات'' کی مدد سے ان کے انفرادی اختلافات کو سمجھے اور پھر اس کے مطابق طریقۂ تدریس اختیار کر کے ان کی سیرت و کردار کی تشکیل کرے۔ اس نقطۂ نظر سے بھی ''تعلیمی نفسیات'' کو عملِ تعلیم میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔

اس کے علاوہ عملِ تعلیم کے دوران معلم کے سامنے جو تعلیمی مسائل پیش آتے ہیں ''تعلیمی نفسیات'' کا علم ان کے حل میں بھی مناسب اور مؤثر رہنمائی کرتا ہے نیز ادارے کے نظم و ضبط، تدریسی مشکلات اور تنظیم جماعت کے مسائل کے حل میں بھی ''تعلیمی نفسیات'' کا علم بہت مفید اور مؤثر ثابت ہوا ہے۔

عملِ تعلیم میں تعلیمی نفسیات کا کردار

زندگی کے جس شعبے میں بھی انسانی روابط کی ضرورت ہوتی ہے وہاں نفسیاتی اصولوں سے کام لیا جاتا ہے۔ تدریس کے شعبے میں علمِ نفسیات کی ضرورت واہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ

Marfat.com

استاذ کو ایسے افراد سے واسطہ پڑتا ہے جو ذہنی طور پر اتنے ناپختہ ہوتے ہیں کہ اپنے برے بھلے کے متعلق قبل از وقت سوچ نہیں سکتے۔ بعض اوقات ان کی معصوم شرارتیں نہ صرف ان کی تعلیمی کمزوری کا باعث بنتی ہیں بلکہ بعض اوقات ان کیلئے تباہ کن ثابت ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ تعلیمی عمل اس قدر پیچیدہ ہے کہ ضروری مہارتوں کے بغیر اسے انجام دیا ہی نہیں جا سکتا۔ نفسیاتی اصول اور نفسیاتی طریقے ادارے میں پیدا ہونے والے تعلیمی اور انتظامی مسائل، انفرادی اختلافات کے مسائل، تدریسی طریقوں کی مشکلات، نظم و ضبط کے مسائل، طلباء کی ذہنی، جسمانی اور معاشرتی نشوونما کے مسائل، محرکاتِ تعلیم کے مسائل، جماعت کی تنظیم اور نظم و نسق برقرار رکھنے وراس جیسے دیگر مسائل کے حل میں مدد دیتے ہیں۔ غرضیکہ تعلیمی عمل کے دوران معلم کے سامنے جو بھی امور یا مسائل ہوتے ہیں اس کے حل میں ''تعلیمی نفسیات'' اس کا ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ آموزش یا تعلم کا عمل اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک استاد کو متعلم کی ذہنی، جسمانی اور معاشرتی نشوونما کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہوں۔ ایک معلم کیلئے نشوونما اور نشوونما کے مختلف درجوں میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں اور کسی خاص عمر کے متعلم کی خصوصیات کا جاننا نہایت ضروری ہے۔

نشوونما ایک ارتقاء پذیر عمل ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی ضروریات بھی بدلتی رہتی ہیں اور متعلم نئی نئی ذہنی، جسمانی اور معاشرتی خصوصیات حاصل کرتا رہتا ہے۔ اگر معلم کو ان تبدیلیوں، خصوصیتوں اور تقاضوں کا علم نہ ہو تو اپنے پیشہ ورانہ فرائض کو کما حقہ ادا نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی یاد رہے کہ ایک معلم کیلئے عملِ تعلیم کو سمجھنا بھی بہت ضروری ہے تا کہ اس ادراک کے بعد وہ اس میں آسانی اور تیزی پیدا کرنے کے قابل ہو سکے۔ ایک انسان کو جس عمل کے طریقۂ کار ہی کا علم نہ ہو تو وہ اس کو پایۂ تکمیل تک کیسے پہنچائے گا۔ استاذ کیلئے ضروری ہے کہ اسے اس بات کا ادراک ہو کہ متعلم کس حالت میں تعلم کیلئے تیار ہوتا ہے تعلم کے محرکات و عوامل کیا ہیں؟

یہ سب ایسے سوالات ہیں جن کا جواب استاذ کو ''تعلیمی نفسیات'' ہی میں مل سکتا ہے۔

اپنے تدریسی پروگرام کا جائزہ لینے کے بعد معلم کو معلوم ہوتا ہے کہ کس طالبعلم نے

Marfat.com

تدریس سے کس حد تک فائدہ اٹھایا ہے۔ جو طلبہ اوسط درجے کے طلبہ سے بھی پیچھے رہ گئے ہوں استاد ان پر بھرپور توجہ دیتا ہے تاکہ وہ اپنی کمزوریوں پر قابو پاسکیں۔ استاد کے اس فرض کے دو پہلو ہیں۔ اول تو اسے تشخیص کرنا پڑے گا کہ طلباء کی پسماندگی کی وجہ کیا ہے؟ یہ معلوم ہونے کے بعد اس کا مناسب علاج تجویز کرنا ہوگا۔ یہ دونوں پہلو خاصے مشکل اور محنت طلب ہیں ان کیلئے باقاعدہ ایک طریقہ کار کی ضرورت ہے جو تعلیمی نفسیات استاد کو فراہم کرتی ہیں۔

تعلیمی نفسیات کا عمل مقاصدِ تعلیم کے تعین میں بھی استاد کی مدد کرتا ہے۔ تعلیمی نفسیات کی روشنی میں متعلمین کی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے، انہیں موزوں سمت پر لے جانے اور مقاصدِ تعلیم کا تعین کرنا آسان ہوگیا ہے۔ تعلیمی نفسیات کی مدد سے معلم یہ معلوم کرسکتا ہے کہ متعین مقاصد کا حصول کس حد تک ممکن ہے۔ مزید یہ کہ تعلیمی نفسیات کا علم طریقۂ تدریس کی اصلاح میں بھی معلم کی مدد کرتا ہے۔ تعلیمی نفسیات کے اصولوں سے واقفیت کے بغیر موزوں طریقۂ تدریس ممکن نہیں۔ کیونکہ تدریس ایک پیچیدہ عمل ہے اور اس کی کامیابی کا دار و مدار تعلیمی نفسیات کے اصولوں سے واقفیت کی بناء پر ہے۔ تعلیمی نفسیات اس سلسلے میں معلم کی کافی رہنمائی کرتی ہیں کہ طلباء کو کب، کس طرح اور کیسے سکھایا جاسکتا ہے۔

تعلیمی نفسیات کا علم معلم کو اپنی شخصیت کی اصلاح کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔ وہ تعلیمی نفسیات کی مدد سے یہ معلوم کرتا ہے کہ اس نے کہاں تک متعلم کے کردار میں تبدیلیاں پیدا کی ہیں اور مزید تبدیلیاں پیدا کرنے کیلئے کن اصولوں کو بروئے کار لانا ہے۔ ایک معلم اسی وقت کامیاب ہوتا ہے جب وہ متعلمین کے ساتھ ایک دوست یا رہنما کے سے تعلقات قائم کرے۔ وہ متعلمین کی نشوونما کے اصولوں اور ان کے انفرادی اختلافات سے واقف ہو اور یہ تمام معلومات علمِ نفسیات کے مطالعہ سے ہی حاصل ہوتی ہیں۔

تعلیمی نفسیات کے مطالعہ سے معلم تدریس کے بہتر طریقے تلاش کر لیتا ہے اور اس سے متعلمین میں دلچسپی پیدا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ معلم کو کلاس میں نظم و ضبط قائم رکھنا ہوتا ہے تو تعلیمی نفسیات کے مطالعے سے اسے معلوم ہوتا ہے کہ کلاس روم میں نظم و ضبط کیسے قائم کیا جائے تاکہ طلباء کی اچھی تعلیم و تربیت ہوسکے۔ تعلیمی نفسیات کا علم ہمیں بتاتا ہے کہ درسگاہ میں استاذ

Marfat.com

کے ڈر کی وجہ سے مکمل خاموشی کا نام نظم و ضبط نہیں بلکہ متعلمین کے دلوں میں قانون کی عزت و احترام کا احساس پیدا کرنا اور طلبہ کا اپنی خوشی سے اس قانون کو ماننا اور اس کا احترام کرنا یہ نظم وضبط ہے۔ قانون سازی کرتے وقت متعلمین کی رائے لینے سے ان کے دل میں اس قانون کی عزت و احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ بخوشی ایک اچھے نظم وضبط کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

استاد کا کام محض طلباء کو رسمی طور پر کتابیں پڑھانا نہیں بلکہ طلباء کی شخصیت کی ہمہ پہلو تعلیم و تربیت اور تعمیر و تشکیل اس کی ذمہ داری ہے۔ ہر انسان قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرتا ہے اور اسے مصائب و مشکلات سے عہدہ برآء ہونے کیلئے اپنی رہنمائی و مشاورت کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک معلم تعلیمی نفسیات کے مطالعہ سے طلبہ کی ذاتی، تعلیمی اور پیشہ ورانہ رہنمائی کر سکتا ہے جس سے طلبہ کی شخصیت سنورتی اور نکھرتی ہے۔ مزید یہ کہ تعلیمی نفسیات متعلمین کی تعلیمی ترقی کا جائزہ لینے میں بھی استاذ کی مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

تعلیمی نفسیات کا عمل تعلیمی اداروں میں نظام الاوقات مرتب کرنے میں بھی ہماری مدد کرتا ہے مثلاً تعلیمی نفسیات کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ روزانہ کا تعلیمی دورانیہ، دن کی لمبائی، موسم اور ماحول کے مطابق ہونا چاہئے تاکہ مکمل نصاب وقتِ مقررہ تک ختم ہو سکے۔ تعلیمی نفسیات کا مطالعہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ مضامین کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہو کہ متعلمین تھکن اور بوریت نہ محسوس کریں مثلاً وقفے سے پہلے مشکل مضامین جبکہ وقفے کے بعد آسان مضامین دیئے جائیں تاکہ طلبہ تھکن اور بوریت محسوس نہ کریں۔ مزید یہ کہ یک رنگی خشک مضامین کے تسلسل سے بھی بوریت کا سماں پیدا ہو جاتا ہے لہذا مضامین کی تقسیم میں اس امر کا خیال رکھا جائے کہ ایک جیسے مضامین مسلسل نہیں ہونے چاہیں۔

تعلیمی نفسیات کا مطالعہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ پڑھائی کے ساتھ متعلمین کی جسمانی صحت اور ذہنی تفریح کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ متعلمین مسلسل پانچ چھ گھنٹے تک نہیں پڑھ سکتے لہذا ہر پیریڈ کے ابتدائی چار پانچ منٹ طلبہ کو دے دیئے جائیں تاکہ وہ گپ شپ وغیرہ کے ذریعے یا اور کسی بھی طریقے سے ذہنی طور پر فریش ہو جائیں اور آئندہ سبق کیلئے تیار اور مستعد ہو کر بیٹھیں۔ عملِ تعلیم میں تعلیمی نفسیات کا کردار درج ذیل نکات سے مزید واضح ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

۱۔ تعلیمی نفسیات کی مدد سے طلباء کی نشوونما کا مطالعہ معلم کو ایسے اصولوں سے آگاہ کرتا ہے جن پر عمل کر کے تعلم کے عمل کو مؤثر اور آسان بنایا جا سکتا ہے۔

۲۔ تعلیمی نفسیات کے مطالعہ سے تعلیمی عمل کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ متعلمین کی ذہنی سطح، کردار، جذبات اور رجحانات کو پیشِ نظر رکھ کر تعلیمی عمل کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

۳۔ تعلیمی نفسیات کے مطالعہ سے متعلمین کے انفرادی اختلافات اور ان کے مسائل سے آگاہی حاصل کر کے تدریسی عمل کو مضبوط، مستحکم، مؤثر، محرک، دلچسپ، دیرپا اور مفید بنایا جا سکتا ہے۔

۴۔ تعلیمی نفسیات کے مطالعہ سے مدارس میں نظم و نسق کے مسائل، تدریسی مشکلات، جماعتی تنظیم، معاشرتی و معاشی تفاوت اور طلبہ کی ذہنی، جسمانی اور معاشرتی مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔

۵۔ تعلیمی نفسیات کی مدد سے استثنائی متعلمین (کند ذہن متعلمین وغیرہ) کے انفرادی مسائل کا مطالعہ کر کے ان کو حل کرنے میں مدد ملتی ہے تاکہ ایسے متعلمین بھی تعلیمی عمل میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں۔

آخر میں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ تعلیمی نفسیات کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ خود تعلیمی عمل۔ وقتاً فوقتاً بہت بڑی تعداد میں علماء اور مفکرین نے تعلیمی نفسیات کی تعمیر و ترقی میں نہایت اہم کردار ادا کیا اور اپنے اپنے خیالات سے اسے تقویت دی۔ اسی طرح آج کے عصری اداروں میں بھی تعلیمی نفسیات کا مضمون ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے شاملِ نصاب ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اساتذہ کے تربیتی کورس میں بھی یہ مضمون لازمی حیثیت سے داخل ہے۔ نیز جدید مفکرین نے اس موضوع پر بہت بڑے پیمانے پر ایک شاندار علمی کام کیا ہے جس کی وجہ سے عصرِ حاضر میں تعلیمی ترقی دوچند ہو گئی ہے، مگر افسوس صد افسوس کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں اس جیسے مفید اور تعلیمی ترقی میں معاون مضمون کی ہوا بھی نہیں لگی، نتیجتاً ہماری تعلیمی رفتار انتہائی سست اور زوال کی طرف گامزن ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک معلم کو اس بات کا ادراک ہی نہیں کہ تعلیمی نظام کے بنیادی عناصر کون کون سے ہیں؟ تعلم کے محرکات و عوامل کیا ہیں، متعلمین کے انفرادی اختلافات کیا ہیں، طریقہ تدریس کو مؤثر اور مفید کیسے بنایا جا سکتا ہے، نصاب کی تقسیم کیسے کرنی ہے، متعلمین کی ذہنی، جسمانی اور معاشی و معاشرتی نشوونما سے کیا مراد ہے، درسگاہ میں نظم و ضبط

Marfat.com

کیسے قائم کیا جا سکتا ہے، عملِ تعلیم کو مؤثر اور دلچسپ بنانے کے کیا اصول ہیں، ہمارے نظامِ تعلیم کی بنیادیں کیا ہیں؟ تعلیمی نفسیات عمل تعلیم میں کیا اور کیسے کردار ادا کرتی ہیں؟ ادارے کے نظام الاوقات مرتب کرتے وقت کس چیز کا خیال رکھنا پڑتا ہے، ہمارے اس نظام تعلیم کے مقاصد کیا ہیں اور ان کا حصول کیونکر ممکن ہے؟ متعلمین کو پڑھنے پر کیسے آمادہ کیا جا سکتا ہے، متعلمین کی بنیادی ضروریات کیا ہیں، سمعی وبصری آلات کا استعمال کیونکر ضروری ہے، تعلم کے عمل کو آسان اور سہل کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ عملِ تعلیم میں معلم کی شخصیت کا کیا کردار ہے، آیا عملِ تعلیم میں معلم کی شخصیت کا بھی اثر پڑتا ہے، متعلمین کو سزا دینے کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے؟ سزا کس حد تک دی جائے، زیادہ سزا کے کیا نقصانات ہوتے ہیں، موجودہ دور میں ترک مدرسہ کی بنیادی اور اہم وجوہات کیا ہیں، متعلمین میں معاشرتی مطابقت کیسے پیدا کی جا سکتی ہے اور اس کیلئے کون کون سی سرگرمیوں کی ضرورت ہے، اسلامی نظریۂ حیات کیا ہے اور اس کے بنیادی تصورات کیا ہیں، آیا ہمارا دینی تعلیمی نظام اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق ہے، تعلیمی نفسیات اور عملِ تعلیم کا آپس میں کیا تعلق ہے، تعلیمی نفسیات عملِ تعلیم میں کیا کردار ادا کرتی ہیں، عملِ تعلیم میں تعلیمی نفسیات کی کیا ضرورت واہمیت ہے، تعلیمی نفسیات کا موضوع کیا ہے، اداروں میں تعلیمی وتدریسی مسائل، جماعتی تنظیم ومعاشی ومعاشرتی مسائل کیا ہیں اور ان کا حل کیونکر ممکن ہے، تعلیمی عمل میں تعلیمی تفسیات معلم کی کیا مدد کرتی ہیں اور کیونکر مدد کرتی ہیں، تعلیمی نفسیات معلم ومتعلم کی رہنمائی کیسے کرتی ہیں؟ تعلیمی نفسیات نصاب سازی وطریقۂ تدریس میں کیا اور کیونکر مدد کرتی ہیں، غرضیکہ اس کے علاوہ لامحدود ایسے سوالات ہیں جن کا ادراک پیشۂ تدریس سے وابستہ ہر فرد کیلئے ناگزیر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جو فرد ان سوالات کا ادراک نہیں رکھتا وہ اس مقدس پیشۂ تدریس کا اہل نہیں کیونکہ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ معلم صرف طلباء کا ہی معلم نہیں بلکہ وہ پورے معاشرے کا معلم ہوتا ہے اور اس کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ ایسے افراد تیار کرے جو معاشرے کی اصلاح اور قیادت عالم کی اہلیت کے حامل ہوں۔

☆☆☆☆

Marfat.com

طریقہ تدریس

''طریقہ تدریس'' تعلیم کے بنیادی عناصر میں سے اہم ترین عنصر ہے کیونکہ طریقہ تدریس ہی وہ ذریعہ ہے جسے استعمال کر معلم اپنے نظریات وافکار اور نفسِ مضمون کو طلباء تک پہنچاتا ہے۔ گویا طریقہ تدریس معلم و متعلم کے درمیان ایک رابطے اور واسطے کا کام کرتا ہے اور یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ جانبین کے درمیان رابطہ جس قدر مؤثر، مضبوط، مستحکم، دلچسپ اور دلنشین ہو گا جانبین کو اتنے ہی زیادہ فوائد وثمرات حاصل ہوں گے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ معلم و متعلم کے درمیان رابطہ (طریقہ تدریس) جس قدر مؤثر اور دلچسپ ہوگا کامیابی کا حصول بھی اسی تناسب سے ہوگا۔ دراصل تدریس ایک ایسا فن ہے جس کے ذریعے معلم مختلف طریقے اختیار کر کے عمل تعلیم میں کامیابی کا مناسب انتظام کرتا ہے۔ تدریسی عمل انتہائی مہارت کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ معلم کے سامنے مختلف اہلیتوں وصلاحیتوں کے حامل طلباء بیٹھے ہوتے ہیں اب معلم کو ان کی ذہانت اور ان کے انفرادی اختلافات کو مدنظر رکھ کر طریقہ تدریس اپنانا پڑتا ہے اور اگر کوئی معلم ان صلاحیتوں، ذہانت اور انفرادی اختلافات کا خیال نہ رکھے تو عملِ تعلیم محض ایک رسم بن کر رہ جاتی ہے جس سے معلم کو کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ ہی متعلمین کو۔ معلمین کو مختلف مضامین کی تدریس کیلئے مختلف طریقے اپنانے پڑتے ہیں اگر تمام علوم وفنون ایک ہی طریقے سے پڑھائے جائیں تو کامیابی کی منزل بہت دور چلی جاتی ہے۔ مثلاً صرف کا فن کسی اور طریقے سے پڑھایا جاتا ہے جب کہ نحو کا فن کسی اور مہارت کا تقاضا کرتا ہے، فقہ پڑھانے کا الگ انداز ہے جب کہ ترجمہ و حدیث پڑھانے کیلئے دوسرا طریقہ کار اختیار کرنا پڑتا ہے غرضیکہ اگر ایک معلم یہ چاہے کہ ایک ہی طریقہ تدریس اختیار کر کے تمام مضامین ایک ہی طریقے سے پڑھائے تو وہ ایسا کر تو سکتا ہے مگر ایک تو وہ اپنے پیشے سے خیانت کر رہا ہے دوسرا متعلمین کو اس کے پڑھانے کا چنداں فائدہ نہ ہوگا اور مقاصدِ تعلیم کا حصول ممکن نہ ہوگا۔

آیئے! ہم قرآن وحدیث کی روشنی میں دیکھیں کہ ہمارا طریقہ تدریس کیسا ہونا چاہئے، آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ ﷺ طریقہ تدریس اختیار کرنے میں ہماری مدد کرتے ہیں یا نہیں۔

Marfat.com

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں طریقہ تدریس

۱۔نصاب کی تقسیم: قرآن کی روشنی میں ہمیں طریقہ تدریس اختیار کرنے کیلئے سب سے پہلی اور اہم ہدایت یہ ملتی ہے کہ ہمیں نصاب کو پورے سال پر تقسیم کرنا چاہئے جس طرح قرآنی نصاب ۲۳ سالوں میں تقسیم کیا گیا تھا اسی طرح ہمیں کتابی نصاب کو پورے سال پر تقسیم کر کے پڑھانا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نصاب پوری وضاحت کے ساتھ پڑھانا چاہئے اگر چہ پیریڈ میں کچھ سطریں ہی کیوں نہ پڑھائی جائیں کیونکہ آپؐ نے قرآنی نصاب کے ایک ایک لفظ کی وضاحت فرمائی تھی اگر چہ قرآنی نصاب ۲۳ سال کے لمبے عرصے پر محیط ہو گیا مگر آپؐ نے توضیحِ نصاب کو نہ چھوڑا، لہذا معلم کو چاہئے کہ (۱) نصاب کو پورے سال پر تقسیم کرے۔ (۲) نصاب وضاحت کے ساتھ پڑھائے۔

۲۔مثالوں سے وضاحت: طریقہ تدریس اختیار کرنے میں قرآن ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ سبق کو مثالوں کے ذریعے واضح کر کے سہل اور آسان انداز میں متعلمین کو پیش کرنا چاہئے۔قرآن مجید مکھی، مچھر اور تار عنکبوت جیسی عام فہم مثالیں دیکر بلیغ مفہوم کو سمجھانا چاہتا ہے لہذا معلم کو بھی چاہیے کہ تدریس کرتے وقت مثالوں سے وضاحت کرے۔

۳۔تکرار: چھوٹی جماعتوں میں الفاظ اور جملوں کے تکرار سے سبق کو محفوظ کیا جائے۔اہم مضامین کو مختلف کتابوں میں مختلف پیراؤں میں سمویا جائے قرآن مجید نے اہم مضامین کو کئی کئی بار بیان کیا ہے مثلاً قرآن مجید میں نماز کا اہم فریضہ سات سو بار دہرایا گیا ہے۔

۴۔غیر مبہم کلام: قرآن مجید میں احکامات کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے لہذا درسی کتاب واضح اور معلم کا طریقہ تدریس جامع اور غیر مبہم ہونا چاہئے۔

۵۔شیریں زبان: قرآن مجید میں ادب کے تمام اسلوب اپنائے گئے ہیں بلکہ بڑے بڑے شعراء وفصحاء تو ایمان لائے ہی قرآن کے ادبی اسلوب کو دیکھ کر تھے لہذا معلم کو چاہئے کہ وہ بھی حقائق ومعارف، نفسِ مضمون اور افکار ونظریات ایک اچھے انداز اور ادبی شان سے پیش کرے تاکہ متعلمین استاد کے شیریں کلام سے مستفید ہو سکیں۔

Marfat.com

۶۔ قصص کا بیان: انسان کی فطرت ہے کہ وہ قصے سننے کا مشتاق ہوتا ہے اور ایسا کلام جس مین قصص وغیرہ شامل ہوں اسے پسند کرتا ہے اس میں نسبتاً کم بوریت محسوس کرتا ہے، اس سے اس کی توجہ قائم رہتی ہے اور وہ آمادگی سے سنتا ہے۔ قرآن مجید نے بار بار گزشتہ اقوام کی قصص گوئی کی ہے تا کہ مخاطبین یک رنگی کلام سے بوریت محسوس نہ کریں لہذا معلم کو بھی چاہئے کہ موقع ومناسبت کے لحاظ سے، طلباء کی بوریت کے پیشِ نظر سبق سے متعلقہ مناسب وموزوں قصہ گوئی کرے تا کہ متعلمین تھکان، بوریت اور سستی کا شکار ہو کر جاری سبق سے محروم نہ رہ جائیں۔

۷۔ مکالمہ: قرآن مجید نے طریقہ تدریس اختیار کرنے میں مکالمہ کا انداز بھی اپنایا ہے اس انداز کے اپنانے سے تعلیمی عمل میں دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے مثلاً سورہ بقرۃ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا مکالمہ پیش کیا گیا ہے لہذا متعلم کو بھی چاہیے کہ طریقہ تدریس اختیار کرتے وقت موقع ومحل کے لحاظ سے مکالمے کا انداز بھی اپنائے تا کہ متعلمین سے سبق کا کوئی گوشہ مخفی نہ رہے۔

۸۔ اسلوب حکیم: قرآنی طریقہ تدریس میں اسلوب حکیم بھی شامل ہے۔ ''اسلوب حکیم'' کا مطلب یہ ہے کہ سوال تو کچھ ہو مگر اس سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے جواباً کوئی اور بات بتا دی جائے جس سے پتہ چلے کہ اصل پوچھنے کی بات یہ تھی نہ کہ وہ جو پوچھی گئی۔

۹۔ ربط وتسلسل: نزولِ آیات کی ترتیب پر غور کیا جائے تو انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ آیات مبارکہ میں کس قدر ربط وتسلسل اور برجستگی پائی جاتی ہے۔ ہر آیت لوگوں کے ذہنوں اور ان کے ماحول کے مطابق مناسب موقع ومحل پر نازل ہوئی۔ لہذا معلم کو بھی چاہئے کہ موقع ومحل کو مدِ نظر رکھ کر طریقہ تدریس اختیار کرے اور اس کے ساتھ ساتھ ربط وتسلسل کا دامن بھی ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

۱۰۔ مہیجات کا استعمال: قرآن مجید فن تدریس کو مؤثر بنانے کیلئے مہیجات کا استعمال بھی سکھاتا ہے مثلاً کبھی قرآن سوالیہ انداز اختیار کرتا ہے، کبھی قسم کا انداز، کبھی چونکا دینے والا انداز اور کبھی خبردار کرنے والا انداز لہذا معلم کو بھی چاہئے کہ طریقہ تدریس کو مؤثر بنانے کیلئے مہیجات کا خوب استعمال کرے۔

۱۱۔ آسان سے مشکل کی طرف: قرآن مجید کی موجودہ ترتیب توقیفی ہے۔ ابتدائی سورتوں کی

Marfat.com

عبارت آسان جبکہ آخری سورتوں کی عبارت مشکل ہے، لہذا معلم کو چاہئے کہ فنِ تدریس کے اس اصول کو بھی نظر انداز نہ کرے بلکہ اس پر عمل کرتے ہوئے طلبہ کو بتدریج آسان سے مشکل کی طرف لے جائے۔

۱۲۔ سادہ و سہل انداز: آپ جانتے ہیں کہ بناوٹ کی بجائے سادہ زبان کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور اس میں تعلیم و تدریس زیادہ کامیاب رہتی ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے "اور ہم نے یاد کرنے والوں کیلئے قرآن آسان کر دیا" لہذا معلم کو چاہیے کہ طریقہ تدریس کو کامیاب بنانے کیلئے سادہ اور آسان فہم زبان اختیار کرے تاکہ متعلمین اس کی بات سے کماحقہ فیض یاب ہوسکیں۔

۱۳۔ سوالیہ انداز: قرآن مجید میں بعض مواقع پر سوالیہ انداز میں بات سمجھائی گئی ہے سوال کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ متعلم کی تمام تر توجہ بیدار ہو جاتی ہے اور وہ دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ سوال کے جواب کے متعلق سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ اول تو وہ اس سوال کا جواب خود ڈھونڈے گا اور اگر اسے اس کا جواب نہیں آتا تو وہ استاد سے اس سوال کا جواب سننے کیلئے مشتاق و بے چین نظر آئے گا اور یہ صورتِ حال اسے عمل تعلیم میں دلچسپی اور اس کی تحریک کا باعث بنے گی۔ مگر یاد رہے کہ قرآن نے فضول قسم کے سوالات کہ جن سے موضوع سے کوئی تعلق نہ ہو پوچھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ معلم کو طریقہ تدریس مؤثر بنانے کیلئے سوالیہ انداز اختیار کرنا چاہیے اس سے نہ صرف طلبہ کی دلچسپی، آمادگی اور تحریک بڑھے گی بلکہ سبق کے خفیہ گوشے بھی بے نقاب ہو جائیں گے۔

۱۴۔ تجسس کا پہلو: قرآن مجید نے بعض جگہوں پر مخاطبین کو سمجھانے کیلئے تجسس اور غور و فکر کا انداز اپنایا ہے، اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مخاطب ہمہ تن گوش ہو کر متکلم کی بات سننے کیلئے مستعد ہو جاتا ہے لہذا معلم کو چاہئے کہ کمرۂ جماعت میں تجسس کا ساماں پیدا کرے تاکہ متعلمین تخیلات کی دنیا سے نکل کر ہمہ تن متوجہ ہو جائیں اور معلم کے ہمرکاب ہوسکیں۔

۱۵۔ شک و شبہ سے بالا کلام: قرآن مجید میں شک و شبہ سے بالا کلام پیش کیا گیا ہے لہذا معلم کو چاہئے کہ اپنا مضمون پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ پیش کرے ورنہ معلم کی بے یقینی کی کیفیت

Marfat.com

پوری درسگاہ میں بے یقینی کا باعث بنے گی اور مذکورہ مضمون کی تدریس میں متعلمین کی دلچسپی اور لگاؤ انتہائی زیادہ حد تک کم ہو جائے گا۔

۱۶۔ معلم و ماحول میں مطابقت: قرآن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس قسم کے لوگوں کو تعلیم دینا مقصود ہو اسی ماحول سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کو معلم مقرر کیا جائے جو ان کی افتادِ طبع، میلانات و رجحانات، طور طریقوں، خوبیوں اور خامیوں سے اچھی طرح واقف ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ معلم کے تقرر میں معلم کی شخصیت اور ماحول کا خیال یعنی ان میں مطابقت کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔

۱۷۔ آمادگی پیدا کی جائے: قرآن ہمیں یہ پوائنٹ بھی بتاتا ہے کہ زبردستی کسی کو تعلیم نہیں دی جا سکتی لہٰذا معلم کو چاہیے کہ پہلے وہ متعلمین کے دلوں میں علم کی سچی طلب اور پھر اس طلب کے حصول کیلئے آمادگی کا عنصر پیدا کرے۔ مفید اور محفوظ تعلیم وہی ہوگی جو متعلم نے خود اپنی مرضی، جستجو اور آمادگی سے حاصل کی ہو۔

۱۸۔ مشفقانہ تدریس: قرآن نے یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ اچھی تدریس کی خوبی یہ ہے کہ وہ مشفقانہ اور ہمدردانہ ہو اس میں محبت، پیار اور تعاون کے جذبات کارفرما ہوں۔ متعلمین پر بے جا جبر اور ان پر خوف کی کیفیت مسلط نہ کی جائے۔ اگر ایسی صورت اپنائی گئی تو تدریس بجائے خود ایک زحمت بن جائے گی۔

۱۹۔ مناسب رہنمائی: قرآن کی روشنی میں تدریس کی ایک اہم صفت یہ بھی ہے کہ یہ متعلمین کی مناسب و موزوں رہنمائی کرتی ہے۔ تدریس متعلمین کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکنے کا نام نہیں بلکہ تدریس اس چیز کا نام ہے کہ متعلمین کی مناسب رہنمائی کی جائے تاکہ وہ خود کام کرنے کے قابل ہو سکیں۔

۲۰۔ معالجاتی تدریس: تدریس ہمیشہ معالجاتی ہونی چاہیے اگر کوئی متعلم کوئی غلطی کرے یا اس میں کوئی کمزوری پائی جاتی ہو تو معلم کو چاہیے کہ مناسب و موزوں طریقے سے اس کی اصلاح کرے۔

Marfat.com

سنتِ رسول ﷺ کی روشنی میں طریقہ تدریس:

ا۔ موزوں لب ولہجہ: آپؐ ہمیشہ مناسب لب ولہجہ میں بات کرتے تھے آپؐ کی آواز نہ زیادہ دھیمی ہوتی تھی نہ زیادہ بلند بلکہ آپؐ گفتگو میں میانہ روی اختیار فرماتے تھے لہذا معلم کو بھی چاہئے کہ وہ موزوں لب ولہجہ اختیار کرے۔ ہمارے ہاں بعض اساتذہ تو اتنا زور لگاتے ہیں کہ وہ لاؤڈ سپیکر کے نام سے مشہور ہو جاتے ہیں اور بعض اساتذہ اتنی دھیمی آواز میں پڑھاتے ہیں کہ فقط اگلی نشستوں کے طلباء ہی استفادہ کر پاتے ہیں پچھلی نشستوں کے طلباء یا تو مراقبے کی حالت میں ہوتے ہیں یا ایک دوسرے کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہوتے ہیں۔

۲۔ مختصر کلام: آپؐ جماعت کے تمام ارکان کو سامنے رکھ کر مختصر کلام فرماتے تھے، طول کلامی سے بیزاری بڑھ جاتی ہے بعض اساتذہ طلباء کو چھٹی کے بعد بھی روک لیتے ہیں اس طرح وہ طلباء پر ناقابلِ برداشت بوجھ ڈالتے ہیں۔ استاذ کے ادب کیوجہ سے استاذ کے سامنے تو وہ بھیگی بلی بنے بیٹھے رہتے ہیں مگر اندر سے وہ بہت بے چین ہوتے ہیں چھٹی کے بعد طلباء کو روکنا ایک سزا ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ایک اچھا معلم نہ تو اپنا وقت ضائع کرتا ہے اور نہ ہی طلباء کیلئے وبالِ جان بنتا ہے۔

۳۔ کھلے کلاس روم: صفہ کی درسگاہ ایک مثالی درسگاہ تھی، باہر سے آنے والے صحابہ کرامؓ کیلئے یہاں مناسب قیام وطعام کا انتظام تھا اوران کی ضروریات زندگی کی تکمیل کا ذریعہ مخیر صحابہ کرامؓ تھے۔ صحابہ کرامؓ کی کلاس بھی اسی درسگاہ میں لگتی تھی اس سے ایک کھلے کلاس روم کا تصور سامنے آتا ہے۔

۴۔ آلات کا استعمال: ایک دفعہ آپ ﷺ اپنے ایک صحابی کے ساتھ باہر نکلے، خزاں کا موسم تھا، آپؐ نے ایک خزاں رسیدہ درخت کی ٹہنی پکڑی اور اسے ہلایا جس کی وجہ سے بہت سے پتے جھڑ کر نیچے گر گئے تو آپؐ نے فرمایا جس شخص نے اچھی طرح وضو کیا اور نماز پڑھی اس کے گناہ اسی طرح جھڑ جاتے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ عملِ تعلیم میں تعلیمی آلات کا استعمال افہام وتفہیم کیلئے انتہائی ضروری ہے۔ اس کے بغیر تعلیمی عمل کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچایا جاسکتا۔

Marfat.com

۵۔تدریس میں اعتدال: آپؐ ہمیشہ تعلیم و تبلیغ میں اعتدال فرماتے ایسا نہ تھا کہ ہفتہ ہفتہ کوئی علمی محفل منعقد ہی نہ ہوئی اور بعض اوقات دن میں کئی کئی نشستیں ہوتیں۔آپؐ باقاعدہ ہر روز مدرسہ صفہ تشریف لے جاتے اور باقاعدگی کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول ہوتے۔لہذا معلم کو چاہیے کہ سبق کا ناغہ نہ ہونے دے ایک دن کے ناغے سے سبق چالیس دن پیچھے چلا جاتا ہے۔

۶۔تدریس میں ادب و تعظیم: آپؐ درسگاہ میں اپنا وقار قائم رکھتے تھے اور صحابہ کرام دل سے آپؐ سے محبت کرتے تھے۔لہذا معلم کو بھی چاہیے کہ کلاس روم میں اپنا وقار قائم رکھے اور محض رعب اور دبدبہ کے ذریعے طلباء کو اپنے احترام پر مجبور نہ کرے بلکہ ان کے دل جیت لے تاکہ وہ دل سے اپنے استاذ کا ادب واحترام کرنے والے بنیں۔

یاد رکھیں! اگر آپ کو نفسِ مضمون پر عبور اور طریقۂ تدریس پر مکمل دسترس حاصل ہے تو واقعی آپ ایک جاندار استاذ ہیں اور آپ کا رعب و دبدبہ آپ کی اسی تعلیمی قابلیت اور ملکۂ تدریس پر موقوف ہے۔اگر آپ کو نفسِ مضمون بھی سمجھ نہیں آرہا اور تدریسی طریقے سے بھی آپ ناواقف ہیں تو یہ بھول جائیں کہ طلباء محض آپ کے رعب و دبدبے سے آپ سے مرعوب ہو جائیں گے۔

۷۔سوالات کی اجازت: آپ کی محفل میں مسائل پوچھنے کی عام اجازت تھی۔آپ مخاطب کے معاشرتی ماحول اور ذہنی استعداد کے مطابق تکلم فرماتے تھے۔لہذا اساتذہ کو بھی طلباء کے معاشرتی ماحول اور ان کی ذہنی سطح کو ملحوظ خاطر رکھ کر سوالات کے جوابات دینے چاہیں۔اعتراض و سوالات باقاعدہ سبق کا حصہ ہوتے ہیں انہیں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔اکثر اوقات دیکھنے میں آیا ہے کہ سوالات کرنے والے طلباء کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اور انہیں خاموش رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے یاد رکھیں کہ یہ فعل تعلیمی عمل کا گلا دبانے کے مترادف ہے۔ہاں اس میں کچھ کلام ہے کہ اگر سائل سوال کے ذریعے معلم کو آزمانا چاہتا ہے یا اسے لاجواب کرنے کا ارادہ ہے تو بلاشبہ یہ فعل قابل مذمت اور علم سے محرومی کا باعث ہے اور اگر سائل سوال کے ذریعے اپنے تجسس کی تکمیل، اپنی معلومات کی زیادتی اور اپنی تشنگی دور کرنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں سائل کو ڈانٹ کر خاموش کرادینا تعلیمی عمل کی روح کو کچلنا ہے۔مشاہدے سے ثابت ہے کہ اول الذکر صورت کا وقوع شاذ و نادر جب کہ اکثر

Marfat.com

سائکلین کا تعلق مؤخر الذکر صورت سے ہوتا ہے۔

۸۔قومی امنگوں کے مطابق نصاب: نصاب کو قومی امنگوں اور وقتی ضرورتوں کے مطابق ہونا چاہیے۔صفہ کا نصاب نہ صرف اخروی زندگی پر مشتمل تھا بلکہ دنیاوی زندگی کو بھی محیط تھا۔آپؐ نے مکمل نظامِ حیات کا عملی نمونہ پیش کیا،اس سے ثابت ہوا کہ صفہ کا نصاب صرف اخروی زندگی پر ہی مشتمل نہیں بلکہ وقتی ضرورتوں کے بھی مطابق تھا۔صفہ کے نصاب کے تناظر میں ہم اپنے موجودہ نصاب کو پرکھ سکتے ہیں کہ آیا نصابِ صفہ کی طرح ہمارا نصاب وقتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہے یا نہیں؟

۹۔عملی نمونہ: یوں تو صفہ کی درسگاہ میں تقریری طریقہ ہی اختیار کیا جاتا تھا لیکن مسجد نبوی ایک ''عملی تجربہ گاہ'' تھی جہاں پڑھے ہوئے سبق کا عملی مظاہرہ کیا جاتا تھا۔لہٰذا معلم کو چاہیے کہ اگر سبق ایسا ہے جس میں عملی مظاہرے کی ضرورت ہے تو وہاں عملی مظاہرہ بھی پیش کیا جائے تاکہ سبق طلباء کے ذہن میں اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

۱۰۔نفسیات کا مطالعہ: آپ علیہ السلام نے ابلاغ کو مؤثر بنانے کیلئے فطرت انسانی کے اہم تقاضوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور ساتھ ہی طلباء کی ذہنی اور فطری صلاحیتوں کو بھی اہمیت دیتے۔ ماحول اور حالات کے مطابق اپنے اندازِ تعلیم کو مرتب کرتے۔آپ ﷺ طلباء میں حصولِ علم کیلئے ذہنی آمادگی کو ضروری قرار دیتے۔آپ علیہ السلام عموماً صبح کی نماز کے بعد خطبہ دیتے۔آپ وعظ و تقریر میں طوالت سے اجتناب کرتے۔آپ دعوت و تعلیم میں اس بات کا خیال رکھتے کہ کونسی چیز پہلے اور کونسی بعد میں ہونی چاہیے۔آپ علیہ السلام لوگوں کی نفسیات، مخصوص ماحول اور علاقائی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے طریقہ تعلیم میں حسب ضرورت تبدیلی فرماتے یہ تنوع اس لیے ضروری تھا تاکہ تعلیم مؤثر ہو اور مقاصد کے حصول میں آسانی ہو۔

ایک اور اہم بات یہ کہ کسی بھی پیچیدہ مسئلہ کو سمجھنے کیلئے سوال و جواب کا سلسلہ انتہائی مؤثر ہوتا ہے۔اس کی خوبی یہ ہے کہ معلم طلباء کو بے جان سامع نہیں بننے دیتا بلکہ ایک متحرک شخصیت بنانے میں کردار ادا کرتا ہے۔آپ کے اسوۂ معلمی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ

Marfat.com

السلام کو مخالفین کی طرف سے بھی سوالات آتے تھے لیکن آپ کمال تحمل سے جواب دیتے تھے۔ بعض مواقع پر آپ متعلمین کے جذبۂ تجسس کو ابھارنے کیلئے معلوماتی سوالات کرتے، ایسے ہی ایک موقع پر آپ علیہ السلام نے فرمایا ''ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے بتاؤ وہ کونسا درخت ہے؟ متعلمین نے اپنی دانست میں بہت سے صحیح جواب دیئے لیکن آپ نے سب رد کر دیئے اور فرمایا، ''وہ درخت کھجور کا درخت ہے۔''

۱۱۔ اشارات وتمثیلات: آنحضرت ﷺ کی حکمت تدریس کا درخشاں پہلو یہ تھا کہ آپ اپنی بات کی وضاحت کیلئے اشارات وتمثیلات استعمال فرماتے تھے۔ آپ لوگوں کو بات سمجھانے اور حقائق ذہن نشین کرانے کیلئے ہاتھوں اور انگلیوں کے اشارات سے بات سمجھاتے تھے۔ دو چیزوں کے اکٹھے ہونے کی وضاحت کیلئے شہادت کی انگلی اور درمیان کی انگلی کو ملا کر دکھاتے۔ بعض مواقع پر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آر پار کر کے مضبوطی کا مفہوم واضح کرتے۔ اگر تعجب کا اظہار کرنا ہوتا تو ہتھیلی کو الٹ دیتے۔ استاد کیلئے صاحب کردار اور باعمل ہونے کی اہمیت اس تمثیل کے ذریعے بیان فرمائی کہ ''عالم بے عمل چراغ کی مانند ہے جو دوسروں کو تو روشنی پہنچاتا ہے لیکن خود کو جلاتا رہتا ہے۔''

۱۲۔ ذوق مزاح: معلم کو اپنی تدریس مؤثر بنانے کیلئے ضروری ہے کہ ذوق لطیف رکھتا ہو۔ خوش اخلاقی کی صفت سنت نبوی ہے۔ حضور علیہ السلام اپنی مبارک گفتگو سے شگفتگی کا ماحول پیدا کرتے تھے لیکن خلاف حق بات نہیں کرتے تھے اور نہ ہی کسی کا دل دکھانے والی بات کہتے۔

۱۳۔ عملی تربیت: آپ نے لوگوں کو صرف تعلیم ہی نہیں دی بلکہ متقی اور سلیم الفطرت لوگوں کو ایک تنظیم میں جمع کیا، ان کی اخلاقی تربیت کی۔ آپ نے طلباء کو صرف تعلیم ہی نہیں دی بلکہ ان کو اپنے ساتھ فکری اور سیاسی میدانوں میں بھی شامل کیا۔ انہوں نے فنِ حرب کی تعلیم حاصل کی اور غزوات میں حضور علیہ السلام کے شانہ بشانہ بہادری کے جوہر دکھائے۔ آپ نے نہ صرف انہیں مسلمان بنایا بلکہ خدا سے انکار کرنے والوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا سلیقہ بھی سکھایا۔ اسلامی نظریۂ حیات کو قائم کرنے، چلانے اور زمین پر وسعت دینے کیلئے لوگوں کو تیار کیا۔ لہذا ایک معلم کیلئے ضروری ہے

Marfat.com

کہ وہ کتابی مواد کے ساتھ طلباء کو عالمی حالات سے بھی آگاہ کرے اور انہیں اقوامِ عالم کی قیادت کا اہل بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے۔

۱۴۔ طلباء کی علمی سطح کو مدنظر رکھنا: آپؐ ہمیشہ مخاطب کی علمی سطح کو مدنظر رکھ کر کلام فرماتے تھے اگر مخاطب کوئی پڑھا لکھا شخص ہے تو اس کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو فرماتے اور اگر مخاطب کوئی دیہاتی ہے تو اس کے ماحول اور اس کی ذہنی سطح کے مطابق تکلم فرماتے تھے۔ لہذا معلم کو چاہیے کہ ذہین، متوسط اور کند ذہن متعلمین کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھ کر سبق پڑھائے اگر تدریس کا معیار زیادہ اونچا ہوگا تو متوسط اور کند ذہن طلباء بات سمجھ نہ سکیں گے اور اگر تدریس کا معیار انتہائی مفصل ہے تو ذہین طلباء بوریت محسوس کریں گے اور سبق پر توجہ نہ دیں گے۔ اسی طرح اگر ابتدائی درجات میں معلم کسی فن کی اصطلاحات استعمال کرنا شروع کر دے تب بھی متعلمین سبق کو اچھی طرح سمجھ نہ پائیں گے اور اگر آخری درجات میں معلم اصطلاحات کی تفصیل بیان کرنا شروع کر کے تو وقت کے ضیاع کے ساتھ ساتھ طلباء کی بوریت کا بھی سامان ہوگا لہذا معلوم ہوا کہ ہر درجہ اور مختلف ذہنی سطحوں میں یکساں اندازِ بیان موثر نہیں ہوتا۔

۱۵۔ سوالیہ انداز۔ آپؐ کبھی کبھی سوالیہ انداز سے بات سمجھاتے تھے۔ مثلاً منافق کون ہے؟ میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں......؟ لہذا معلم کو چاہیے کہ تدریس کے دوران سوالیہ انداز اپنا کر متعلمین کو اپنی طرف متوجہ کرے پھر نفسِ مضمون کو پیش کرے۔

۱۶۔ تدریسی معاونات کا استعمال: کبھی کبھار بات سمجھانے کیلئے آپ ﷺ معاونات کا استعمال بھی فرماتے تھے مثلاً ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا، "جس شخص نے بچیوں کی اچھی پرورش کر کے انہیں باعزت طریقے سے سسرال رخصت کیا تو وہ اور میں (آپؐ نے دو انگلیوں کو اکٹھا کر کے فرمایا کہ) اس طرح جنت میں ہوں گے۔ اسی طرح آپ کا قول "انا والساعۃ کھاتین" بھی معاونات کے استعمال پر دال ہے۔ لہذا معلوم ہوا عملِ تعلیم میں تدریس معاونات کا استعمال ناگزیر ہے۔

اس دور کی نت نئی ایجادات نے تختہ سیاہ اور وائٹ بورڈ سے لیکر پروجیکٹر تک ہماری رسائی

Marfat.com

کردی ہے اس لیے معلم کو چاہیے کہ سبق کی وضاحت اور سبق سمجھانے کیلئے تدریسی معاونات کا بھرپور استعمال کرے۔ چارٹ اور نقشہ جات کے ذریعے سبق کی مکمل وضاحت کرے۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں اگر ہم جدید سائنسی ایجادات سے مدد لیکر سبق کی مکمل وضاحت نہیں کرتے یا تدریسی معاونات کا بھرپور استعمال نہیں کرتے تو ہم پیشۂ تدریس کا کما حقہ فریضہ سرانجام نہیں دے رہے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ دنیاوی علوم وفنون تو تدریسی معاونات کے بھرپور استعمال کیساتھ مکمل وضاحت کیساتھ پڑھائے جائیں جب کہ اسلامی علوم کی تدریس کیلئے وہی قدیم طریقہ رائج ہو۔ آپ خود اندازہ لگائیں کیا قرآن وسیرت کو سمجھنے کیلئے نقشہ جات کی اشد ضرورت نہیں۔ قرآن میں کئی دریاؤں، سمندروں، پہاڑوں اور مختلف خطہ اراضی کا ذکر آیا ہے۔ کیا یہ سب چیزیں ہم بغیر نقشے کے سمجھ سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو ہم جدید نقشہ جات کو قرآنی تفسیر سمجھنے کیلئے کیوں استعمال نہیں کرتے؟ آپؐ کی زندگی میں مختلف مقامات پر غزوات وسرایا پیش آئے، آپؐ نے مختلف ممالک کی طرف قاصد روانہ فرمائے، صحابہ کرام نے حبشہ کی طرف دو دفعہ ہجرت کی، آپ تجارت کی غرض سے شام گئے، اس کے علاوہ مزید یہ کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کس طول بلد اور عرض بلد پر واقع ہیں۔ دونوں شہروں کا درمیانی فاصلہ کتنا ہے؟ طائف کے وہ پہاڑ کہاں ہیں جہاں آپ کو لہولہان کیا گیا۔ عتبہ شیبہ کا وہ باغ کہاں ہے جہاں آپؐ نے آرام فرمایا، وہ دونوں پہاڑ کونسے اور کہاں ہیں جن کے متعلق جبرائیل نے آکر آپ کو کہا تھا کہ اگر آپ حکم دیں تو اہل طائف کو ان دونوں پہاڑوں کے درمیان مسل دوں، غار ثور کہاں ہے جہاں آپؐ نبوت سے پہلے جا کر عبادت کیا کرتے تھے، غار حرا کہاں ہے جہاں آپؐ اور آپؐ کے ساتھی سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہجرت کے موقع پر چھپے تھے اور ان پہاڑوں کی اونچائی کتنی ہے، مقام ابواء (جہاں آپ کی والدہ دفن ہیں) مکہ اور مدینہ کے درمیان کس جگہ پر واقع ہے شعب ابی طالب کی گھاٹی کہاں ہے جہاں آپؐ کو تین سال تک محبوس رکھا گیا۔ کلثوم بن الہدم کا مکان کہاں واقع ہے جہاں ہجرت کے بعد آپؐ نے قیام فرمایا، بیعت عقبہ اولیٰ وعقبہ ثانیہ کہاں ہوئی۔ ہجرت حبشہ اولیٰ وثانیہ کی روانگی اور واپسی کس بحری راستے سے ہوئی، غزوۂ بدر واحد کہاں واقع ہوئے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر خندقیں کہاں کھودی گئیں، غزوۂ تبوک کہاں واقع ہوا۔ غزوۂ حنین کس وادی میں پیش آیا، غزوہ خیبر میں

Marfat.com

یہود نے کن قلعوں میں پناہ لی اور وہ کہاں واقع ہیں؟ بیعت رضوان کہاں ہوئی؟ غزوۂ فتح مکہ کے وقت اسلامی لشکر کن راستوں سے مکہ میں داخل ہوا؟

اس کے علاوہ حضرت آدمؑ جنت سے زمین پر کس جگہ اترے؟ قوم نوح کہاں بستی تھی، جودی پہاڑ کہاں واقع ہے، نوحؑ کی کشتی کہاں جا کر ٹھہری، عاد، ثمود، لوط اور مدائن کی بستیاں کہاں واقع ہیں، اصحاب کہف کس غار میں سوئے رہے، موسیٰ علیہ السلام کے مفصل واقعے میں مصر و شام کے کن علاقوں کا ذکر ہے، ابراہیمؑ کے مفصل واقع میں کن کن مقامات کا ذکر ہے، فرعون و نمرود کی حدودِ سلطنت کہاں تک تھیں اور ان کے زیرِ نگین کون کون سے علاقے تھے، حضرت موسیٰؑ و خضر کے واقعے میں "مجمع البحرین" کا ذکر ہے یہ کونسا مقام ہے اور کہاں ہے، حضرت یونسؑ کی قوم کہاں بستی تھی، غرضیکہ اس کے علاوہ قرآن و حدیث میں بیسیوں مقامات مذکور ہیں مگر ہماری کوتاہ بینی دیکھئے کہ ایک فارغ التحصیل طالبعلم بلکہ طالب علم کو چھوڑیئے ایک معلم کو ان مقامات کے بارے میں پوچھ لیں، سو میں سے ایک دو ہی ہوں گے جو ان مقامات کی نشاندہی کر سکیں گے۔

درج بالا سوالات کے تناظر میں آپ اندازہ لگائیں کہ آیا تدریسی معاونات کے استعمال کے بغیر قرآن و حدیث، سیرت و تاریخ کا سمجھنا ممکن ہے؟

عام طور پر تدریسی معاونات کے عدمِ استعمال کیلئے وسائل کی کمیابی کا بہانا تراشا جاتا ہے، اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ تدریسی معاونات کا حصول اتنا مشکل نہیں جتنا ہم سمجھ بیٹھے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تدریسی معاونات کے عدم استعمال اور اپنے تعلیمی نظام کو جدید خطوط پر استوار نہ کرنے میں ہماری سستی و کاہلی، لاپرواہی، مستقبل کے چیلنجوں کا عدمِ ادراک، مستقبل کی منصوبہ بندی سے لاابالی پن، مستشرقین کے عزائم سے بے خبری اور عالم کفر کی فکری و نظریاتی یلغار سے چشم پوشی جیسے عناصر شامل ہیں۔

۱۷۔ جامع انداز: آپ ﷺ کا کلام مختصر مگر جامع ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کا طریقہ تھا کہ ٹھہر ٹھہر کر بات فرماتے تا کہ سامعین زیرِ لب دہرا کر یاد رکھ سکیں، آپ ﷺ اہم بات کو دوبارہ دہرا دیتے تھے، لہٰذا معلم کو بھی چاہیے کہ کلام مختصر اور جامع ہونے کے ساتھ ساتھ آہستگی اور تسلسل کے ساتھ ہو۔

Marfat.com

طریقۂ تدریس کی ضرورت واہمیت

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ دنیا کا ہر کام کسی نہ کسی طریقۂ کار کے تحت چلتا ہے اور جس کام کا طریقۂ کار بہتر اور مفید ہوگا وہی شعبہ ترقی کرے گا۔ مثلاً صنعت وحرفت کے ماہرین، کارخانوں کے مالکان اور فورمین، کمپنیوں کے منیجر، بڑے بڑے بینکرز، ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، نفسیاتی امراض کے معالجین، اس کے علاوہ ہر شعبے کے فنکار و ماہرین سب کسی نہ کسی طریقۂ کار کے تحت کام سرانجام دیتے ہیں، نیز وہ اپنے طریقۂ کار کی بدولت ترقی کرتے چلے جاتے ہیں اور کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ''طریقہ کار'' ایک آفاقی تقاضا ہے لہٰذا اس آفاقی تقاضے کے اعتبار سے تعلیم و تدریس کا کام بھی کسی طریقۂ کار کے تحت ہونا چاہیے۔ تدریس ہمارے تہذیبی و ثقافتی ورثے کو نسلِ نو تک منتقلی کا عمل ہے۔ اس لیے منتقلی کا یہ طریقہ کار جس قدر مؤثر اور بہتر ہوگا انتقال کا عمل اتنا ہی زیادہ کامیاب ہوگا۔ طریقہ تدریس، ''عمل تعلیم'' کو بہتر اور مؤثر بنانے کا ایک وسیلہ ہے اگر ایک معلم نفس مضمون کو خاطر خواہ انداز میں پیش نہ کر سکے تو وہ ایک ناکام معلم کہلائے گا۔

''طریقہ تدریس'' کی ضرورت واہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے ذریعے نہ صرف کتاب پڑھائی جاتی ہے بلکہ طلباء کے اندر نظم وضبط بھی پیدا کیا جاتا ہے۔ بہتر طریقہ تدریس کے ذریعے ان کے نفسیاتی تقاضوں کی تسکین ہوتی ہے۔ معلم کا کام صرف نفسِ مضمون کو طلبہ تک پہنچانا نہیں بلکہ مختلف تدریسی تکنیکوں اور تدریسی معاونات کے ذریعے نفسِ مضمون کو آسان، دلکش اور مؤثر بنا کر پیش کرنا ہے۔ معلم کو چاہیے کہ کبھی تو طلبہ کی سابقہ معلومات سے مربوط کر کے سوال کرے اور کبھی حالات حاضرہ سے مربوط کر کے معلومات دے۔ کبھی تو ان کی دلچسپیوں کے مطابق لطیفوں، کہاوتوں اور مثالوں کے ذریعے نفسِ مضمون کو دلکش بنا کر پیش کرے اور کبھی ان کے خیالات کا تبادلہ کر کے سبق کو جاندار اور قابل فہم بنانے کی کوشش کرے۔ متعلمین کی نفسیات کو طریقہ تدریس میں بڑا عمل دخل ہے لہٰذا معلم کو چاہیے کہ ان کے فطری تقاضوں، رجحانات اور اس کی نفسیات کو مدنظر رکھ طریقہ تدریس اپنائے۔

اچھی اور مؤثر تدریس کا انحصار اس کے ''طریقۂ تدریس'' پر ہوتا ہے۔ اگر تدریس کا طریقہ کار بہتر اور نفسیاتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو تو وہ طلباء کے دل و دماغ پر گہرے نقوش مرتب

Marfat.com

کرتا ہے۔موثر اور غیر موثر تدریس کا اندازہ لگانے کیلئے کبھی آپ بے تکلف کلاس فیلوز کے ساتھ تعلیمی زمانے کا ذکر کریں اور اپنے اساتذہ کے بارے میں تبادلۂ خیال کریں۔آپ کو اندازہ ہوگا کہ اکثر طلباء ان اساتذہ کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرتے ہیں جو بہتر طریقہ تدریس سے اپنے مضامین پڑھاتے ہیں بالفاظ دیگر جن اساتذہ کی تدریس طلباء کو متاثر کرتی ہے ان کا تذکرہ نہایت اچھے الفاظ میں کرتے ہیں اس کے برعکس ان اساتذہ کا تذکرہ مضحکہ خیز اور منفی انداز میں کریں گے جن کی تدریس نے ان کے دل و دماغ پر کوئی خاطر خواہ نقوش نہیں چھوڑے بالفاظ دیگر جنہوں نے بہتر طریقہ تدریس اختیار نہیں کیا۔

یاد رکھیں! وہ اساتذہ ہمیشہ یاد رکھے جاتے ہیں جن کی تدریس طلباء کے دل و دماغ پر گہرے نقوش چھوڑتی ہے اور وہ اپنی تدریس کو دلچسپ اور قابلِ قبول بنا کر پیش کرتے ہیں۔

ایک انگریز مفکر ''جیمس مائیکل'' کا کہنا ہے کہ معلم اچھے طریقہ تدریس کے بغیر معلم نہیں بلکہ اس صورت میں وہ محض معلومات فراہم کرنے والا اجنبی شخص ہے، نفسِ مضمون، رجحانات، تدریس، متعلمین کی سیرت و کردار کی تشکیل اور ان کی شخصیت کی تکمیل براہ راست وحی الہیٰ سے نہیں ہوتی بلکہ یہ استاذ کی تدریسی عبارت کے باعث ہی ممکن ہے۔

ایک اور انگریز مفکر ''ایم جوکیم'' کا کہنا ہے کہ بعض نوجوان ٹیچر خلاف معمول نفسِ مضمون پر زیادہ زور دیتے ہیں جبکہ طریقۂ تدریس کو یکساں طور پر نظرانداز کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف تدریس کے اثرات کم ہوجاتے ہیں بلکہ ادارے کا نصاب اور مقاصد تعلیم بھی غیر موزوں ہوجاتے ہیں، نفسِ مضمون اس وقت تک بے اثر ہوگا جب تک اسے پہنچانے یا سمجھانے والا معلم بہتر طریقۂ تدریس نہ اختیار کرے۔

تدریس میں ''طریقہ تدریس'' کی اہمیت انفرادی اختلافات کے تحت بھی محسوس کی جاتی ہے۔درسگاہ میں مختلف ذہنوں کے حامل طلباء ہوتے ہیں کوئی ذہین کوئی متوسط اور کوئی کند ذہن ہوتا ہے اسی طرح ان کے اندر معاشی و معاشرتی اور جسمانی اختلافات بھی پائے جاتے ہیں ایسی صورت میں ہم کسی ایک طریقۂ تدریس کو قطعی قرار نہیں دے سکتے اور نہ ہی ایک طریقۂ تدریس سے نفسِ مضمون کو ذہن نشین کرایا جاسکتا ہے۔اگر ہم ایک ہی طریقہ تدریس اختیار کریں گے تو

Marfat.com

ایک تو طلباء کے ذہنوں پر ناگوار بوجھ پڑے گا جب کہ دوسری طرف جماعت کا نظم وضبط بھی متاثر ہوگا جو متعلمین نفسِ مضمون کو سمجھنے سے قاصر ہوں وہ عدمِ دلچسپی کا اظہار کریں گے اور شرارتوں میں مصروف ہو جائیں گے اس کے برعکس اگر استاذ زیادہ تفصیل میں جائے گا تو بعض متعلمین بوریت محسوس کریں گے اور سبق میں دلچسپی نہ لیں گے۔

بعض اساتذہ کو شکایت رہتی ہے کہ جماعت میں تدریس کے دوران طلباء شور مچاتے ہیں، خاموش نہیں بیٹھتے، سبق میں دلچسپی نہیں لیتے، بالالفاظ دیگر جماعت کا نظم وضبط خراب کرتے ہیں تو اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ معلم جو طریقہ تدریس اختیار کرتا ہے وہ مؤثر نہیں ہوتا اور طلباء نفسِ مضمون سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اگر طریقہ تدریس مؤثر ہو تو ایک طرف تو جماعت میں نظم و ضبط قائم ہوگا اور دوسری طرف طلبہ بھی تدریس میں دلچسپی کا اظہار کریں گے۔

نظامِ تعلیم میں ''طریقہ تدریس'' کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ''طریقہ تدریس'' کو مقاصدِ تعلیم کے حصول کا ذریعہ قرار دیا جاتا ہے، جس طرح ہم اپنی زندگی کے نظام میں مختلف طریقوں سے اپنی ضروریات اور نفسیاتی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اسی طرح ''طریقہ تدریس'' کی مدد سے تعلیم کے مقاصد کو پورا کیا جاتا ہے۔ متعلمین طریقہ تدریس سے نہ صرف نفسِ مضمون کو سمجھتے ہیں بلکہ اپنے ذاتی تقاضوں کی تشفی بھی کرتے ہیں۔

تقریری طریقہ تدریس

آپ جانتے ہیں کہ ہمارے اداروں میں تعلیم و تعلم کیلئے تقریری طریقہ تدریس رائج ہے اور عموماً اسی طریقہ تدریس کے ذریعے معلمین اپنا علم آگے طلباء کو منتقل کرتے ہیں، اس لیے مناسب ہے کہ ایک نظر اس طریقہ تدریس پر بھی ڈال لی جائے تاکہ اس کی خوبیاں اور خامیاں واضح ہو جائیں۔ تقریری طریقہ تدریس کی سب سے پہلی خوبی یہ ہے کہ یہ معاشرتی زندگی کو کمرۂ جماعت کے قریب تر لے آتا ہے۔ وہ اس طرح کہ معاشرت کا تعلق گزشتہ واقعات سے ہوتا ہے مختلف کہانیاں انہی واقعات کی عکاسی کرتی ہیں۔ زندہ معاشروں میں معاشرتی تعمیر کا عمل جاری رہتا ہے۔ کمرۂ جماعت میں واقعات بیان کرنا، کہانیاں سنانا، نظریات پیش کرنا اور ان کی تعریف یا تنقید کرنا معاشرتی عمل کا حصہ ہیں۔ کمرۂ جماعت میں جب تقریری طریقہ تدریس کے ذریعے

Marfat.com

معلم ان معاشرتی عوامل کو پیش کرتا ہے یا ان پر بحث کرتا ہے تو در حقیقت وہ کمرہ جماعت سے باہر کی عمومی معاشرتی زندگی کو پیش کر رہا ہوتا ہے۔

تقریری طریقہ تدریس کی دوسری خوبی یہ ہے کہ استاد اپنے خصوصی انداز سے تقریر کر کے متعلمین کی دلچسپی کو بڑھا سکتا ہے، وہ اپنے وسیع تجربے اور تخیل کی مدد سے واقعات کی لفظی تصویر پیش کر کے متعلمین کو اپنے ساتھ لیکر چلتا ہے اور ہر واقعہ کی جزئیات بیان، کرتا چلا جاتا ہے۔ اس سے نہ صرف طلباء حقائق کا ادراک کرتے ہیں بلکہ اپنے اپنے نقطہ نظر کے مطابق اپنے آپ کو ان واقعات کے مختلف کرداروں کے ساتھ مماثل قرار دیکر ان کی خوشیوں اور غموں میں شریک ہو جاتے ہیں۔

تقریری طریقہ تدریس کی تیسری بڑی خوبی یہ ہے کہ عموماً درسی کتابوں میں مواد کی پیشکش کا طریقہ ناقص ہوتا ہے لہذا معلم ایک اچھا لیکچر تیار کر کے کتاب کی اس کمی کو پورا کر سکتا ہے۔

تقریری طریقہ کی بہتری کے اصول:

تقریری طریقہ تدریس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معلم ایک ڈیڑھ گھنٹہ مسلسل کسی ایک موضوع پر بولتا چلا جائے اس طرح بوریت پیدا ہو جاتی ہے اور اصلی مقصد کا حصول ناممکن ہوتا ہے۔ ایسے متعلمین جن کی عمریں کم ہوتی ہیں ان کی توجہ کا عرصہ بھی کم ہوتا لہذا ایسے متعلمین کیلئے ایک طویل لیکچر صرف تکان کا سبب ہی ہو سکتا ہے۔ معلم کو چاہیے کہ تقریر کے مختصر، جامع، آسان فہم ہونے کے ساتھ اسے لطیفے، کہانیوں، سچے واقعات اور تشریحات کے ذریعے نہایت دلچسپ بنائے اور سوالات کے ذریعے متعلمین کی معلومات کا جائزہ لیتا رہے۔ یاد رہے کہ اس امر کا انحصار معلم کی اپنی تدریسی صلاحیت پر ہے کہ وہ کس طرح اپنے اسباق کو دلچسپ بنا سکتا ہے اور کس حد تک طلباء میں آمادگی پیدا کر سکتا ہے۔ پائیدار تعلم متعلم کی بخوشی شرکت سے حاصل ہوتا ہے۔ تقریری طریقہ کی ایک بنیادی خرابی یہ ہے کہ اس میں اکثر متعلمین بخوشی سبق میں شریک نہیں ہوتے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ استاذ طلبہ کی ذہنی استعداد اور دلچسپی کو نظرانداز کر کے تمام وقت صرف اور صرف

Marfat.com

معلومات کی منتقلی میں صرف کر دیتا ہے لہذا طلبہ موضوع کی طوالت کے پیش نظر کماحقہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔صرف استاذ متحرک رہتا ہے جب کہ طلباء ساکت و مجہول اور خاموش تماشائی کی حیثیت سے تعلیم میں شریک رہتے ہیں۔عموماً پچھلی نشستوں پر بیٹھی طلباء کی ایک بڑی تعداد کو سونے اور نیند پوری کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔دوران سبق اگر کبھی معلم کوئی سوال کرے تو ذہین طلباء پہلے سے ہی اس کیلئے تیار بیٹھے ہوتے ہیں نتیجتاً بقیہ کلاس کو پریشان ہونے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی۔

تقریری طریقہ تدریس کی دوسری بڑی خامی یہ ہے کہ معلمین تقریری طریقہ تدریس کی تکنیک سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتے،انہوں نے اس سلسلے میں کوئی تربیت نہیں حاصل کی ہوتی اور اگر کسی شخص کو فنِ تقریر آتا بھی ہے تو یہ ضروری نہیں کہ ہر فنِ تقریر جاننا والا شخص تقریری طریقہ تدریس میں بھی کامیاب ہو۔بعض لوگ پیدائشی خصوصیات کی بناء پر کسی قسم کی تربیت کے بغیر تربیت یافتہ معلمین سے بہتر طریقہ تدریس اختیار کر لیتے ہیں۔نیز بعض اوقات معلم اصل موضوع سے ہٹ کر غیر ضروری معاملات میں الجھ جاتا ہیں جس سے نفسِ مضمون کی تدریس ادھوری رہ جاتی ہے اور نصاب بروقت ختم نہیں ہوتا۔یاد رہے کہ تقریر ایک فن ہے جس میں مہارت ایک اچھے معلم کی پہچان ہے۔بہترین تیاری اور فنِ تقریر پر عبور کے باوجود معلم کو چاہیے کہ وہ درج ذیل نکات کو مدنظر رکھ کر سبق کی منصوبہ بندی کرے۔

۱۔دوران تقریر پیش آنے والے ایسے نکات جن پر چند منٹ سے زیادہ وقت لگنے کی توقع ہو ان کا خاکہ تیار کر لیا جائے اور ان پر خوب غور و خوض کر لیا جائے۔

۲۔توضیحات کیلئے تدریسی معاونات کا انتظام کیا جائے۔

۳۔اگر ممکن ہو تو تقریر کا آغاز ایک مسئلے کی صورت میں کیا جائے تاکہ طلباء کی دلچسپی بڑھے۔

۴۔رفتار کا خیال رکھا جائے عموماً مقرر بہت تیز بولتے ہیں انہیں اس بات کا ادراک نہیں ہوتا کہ متعلمین ان کی بات سمجھ رہے ہیں یا نہیں۔ایک اچھے معلم کی یہ خوبی ہے کہ وہ اس طرح بولے کہ طلباء اس کی بات کو سمجھ کر اہم ضروری نکات تحریر کر سکیں،وقفوں کے ذریعے متعلمین کو سوچنے کا موقع دیا جائے۔

۵۔وقتاً فوقتاً متعلمین کی تفہیم کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔معلم کو کبھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا

Marfat.com

چاہیے کہ جو وہ کہہ رہا ہے وہ دوسروں کیلئے بھی اتنا ہی واضح ہے جتنا کہ اس کے اپنے لیے۔

۶۔ تقریر کا آغاز ایسا ہونا چاہیے کہ جیسے وہ اپنے دوستوں سے باتیں کر رہا ہو یعنی انتہائی مشفقانہ اور ہمدردانہ۔

۷۔ طلباء کا ردعمل معلوم کرنے کیلئے مناسب وقفہ کرنا چاہیے اور اکتا دینے والی مسلسل تقریر سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۸۔ یہ بہت ہی بہتر ہوگا کہ اگر تقریر سے پہلے طلباء کو اس سبق کا خاکہ دے دیا جائے۔ دستی چھاپہ کی شکل میں یا وائٹ بورڈ پر لکھ کر۔

۹۔ دورانِ تقریر اچھے اور بلند پایہ مذاق سے کام لے کر سبق کو دلچسپ اور دلکش بنایا جا سکتا ہے، مذاح کا یہ عنصر اگر گفتگو کے چند جملوں یا چند کلمات پر محیط ہو تو بہت ہی بہتر ہے بہت لمبی مزاحیہ کہانیوں سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے۔

۱۰۔ تقریری طریقۂ تدریس میں اس بات کی ظرف توجہ دی جائے کہ طلباء سبق کے اہم موضوعات سے آگاہ ہوں اس مقصد کیلئے معلم سبق کا خاکہ تیار کرے اور سبق کا تعارف پیش کرتے وقت اس خاکہ کو وائٹ بورڈ پر تحریر کر دے یہ خاکہ نہ صرف سبق سمجھنے میں مدد ہوگا بلکہ طلباء کو ''سبق کے نکات'' نوٹ کرنے میں بھی آسانی ہوگی۔

العبداری کا طریقۂ تدریس

''العبداری'' نے تقریری طریقۂ تدریس اختیار کرنے والے اساتذہ کیلئے درج ذیل ہدایتیں لکھی ہیں۔

۱۔ معلم سبق کے آغاز میں ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ'' پڑھے۔

۲۔ بے خیالی میں زبان سے غلط باتوں کے نکلنے سے اللہ سے دعا کرے۔

۳۔ اس کے بعد نفسِ مضمون پر گفتگو شروع کر دے۔

۴۔ دورانِ تدریس معلم دوسرے اساتذہ اور علماء کی کتابوں کا حوالہ دے۔

۵۔ معلم اپنے مطمع نظر کو واضح کرے اور اسے دلیلوں کے ساتھ ثابت کرے۔

۶۔ سبق کے دوران معلم طلباء کو بحث کا موقع دے۔

Marfat.com

۷۔ سوالات کی بوچھاڑ کے درمیان معلم اپنا توازن برقرار رکھے۔

قدیم مسلم مفکرین کا طریقۂ تدریس

امام غزالیؒ

امام غزالیؒ نے اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق تدریسی اصولوں کی وضاحت کی ہے۔ آپ کے نزدیک تعلیم کا عمل بحیثیت مجموعی افضل ترین عمل ہے۔ طریقۂ تدریس پر آپ نے اس قدر زور اس لئے دیا ہے کہ تعلیم و تعلم آپ کے نزدیک نہایت ہی بابرکت، قابل عزت اور مسلسل ترقی پزیر عمل ہے۔

تعلیم و تدریس کے سلسلہ میں امام غزالی نے طلبہ کے نفسیاتی اصولوں کا لحاظ رکھنے، ان کے فطری جذبۂ تحسین، ان کی ذہنی استعداد و دلچسپی اور صفتِ نقالی کو بڑی اہمیت دی ہے۔ آپ معلم کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ وہ متعلم کے حال، عمر اور مزاج کے مطابق ان کے لیے راستہ تجویز کرے نیز یہ کہ معلم خود اپنے افعال و کردار کا خاص خیال رکھے کیونکہ کم عمر متعلمین میں نقل کا مادہ بہت زیادہ ہوتا ہے اور ان کے نزدیک معلم ایک معیاری انسان ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام غزالی نے تعلیم و تربیت کے جو طریقے پیش کیئے تھے وہ بالکل وہی ہیں جن کی جدید دور میں ماہرین تعلیم نے سفارش کی ہے۔

امام غزالی نے تدریس کے سلسلے میں جو اصول بیان کیئے ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۔ کلاس روم میں جانے سے پہلے معلم اپنے سبق کی اچھی طرح تیاری کر کے جائے۔

۲۔ طلباء کی ذہنی استعداد کا خیال رکھا جائے۔

۳۔ بتدریج آسان سے مشکل کی طرف بڑھا جائے۔

۴۔ سابقہ معلومات کی مدد سے سبق کو ذہن نشین کرایا جائے۔

۵۔ سبق کو آسان اور دلچسپ بنا کر پیش کیا جائے۔

۶۔ زبانی علم کی فراہمی کے ساتھ ساتھ تجربات کو بھی اہمیت دی جائے۔

۷۔ معلم کو اپنے علم کے مطابق عامل ہونا چاہیے۔

Marfat.com

۸۔ تدریس کے دوران جبر وتشدد نہ اپنایا جائے بلکہ شفقت سے کام لیا جائے۔
۹۔ معلم کو ایسی کوئی بات نہیں کرنی چاہیے جو متعلم کی عقل میں نہ آئے۔
۱۰۔ متعلمین کو سوالات کرنے کی طرف راغب کیا جائے۔

ابن خلدونؒ

ابن خلدونؒ اپنے زمانہ کے مروجہ نظام تعلیم سے مطمئن نہ تھے اس لئے جہاں انہوں نے نصاب تعلیم کی اصلاح کی غرض سے بنیادی اصولوں کی وضاحت کی وہاں انہوں نے طریقہ تدریس کو نفسیات سے ہم آہنگ کرنے کی خاطر بعض اہم بنیادی باتیں بھی بتائیں۔

ابن خلدون نے تدریس کے جن طریقوں کی نشاندہی کی وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ دورانِ تدریس متعلم کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تا کہ وہ ذہنی طور پر شراکت کر کے اپنی دلچسپی برقرار رکھ سکے۔
۲۔ علوم کو رفتہ رفتہ اور تھوڑا تھوڑا ذہن نشین کرایا جائے کیونکہ نفسیاتی اعتبار سے علم کو سمجھنے کی استعداد رفتہ رفتہ پیدا ہوتی ہے۔
۳۔ حقائق کی تفصیل پیش کرنے سے قبل زیر بحث حقیقت کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے اس طرح جب اس کی جزئیات پر بحث ہوگی تو متعلم "جزئیات وکلیات" کے باہمی رشتوں کو سمجھ جائے گا۔
۴۔ تدریس کو مؤثر و دلچسپ بنانے اور افہام و تفہیم کیلئے متعلم کے ماحول سے مثالیں پیش کی جائیں تا کہ نفسِ مضمون اسے بآسانی سمجھ آ سکے۔
۵۔ معلوم سے نامعلوم اور مقرون سے مجرد کیطرف بڑھنا چاہیے۔
۶۔ پڑھاتے وقت متعلمین کی ذہنی استعداد اور آمادگی کو بھی مدنظر رکھا جائے۔
۷۔ تسلسل کا خیال رکھا جائے ایک فن کی تعلیم مختلف مجلسوں میں نہ بانٹی جائے۔
۸۔ متعلمین پر سختی سے گریز کیا جائے اور ان کے ساتھ شفقت و ہمدردی سے پیش آیا جائے۔
۹۔ دورانِ تدریس اس بات کا خیال رکھا جائے کہ متعلمین کے ذہن محدود نہ رکھے جائیں بلکہ انہیں اپنے ذہن کا آزادانہ استعمال سکھایا جائے تا کہ وہ اپنے مسائل کا حل خود تلاش کر سکیں۔

Marfat.com

اچھی تدریس کی خصوصیات

عملِ تعلیم میں کامیابی کے حصول کا دار و مدار ایک اچھی تدریس پر منحصر ہے۔ اگر تدریس متعلم کے فطری تقاضوں اور اس کی نفسیات کے مطابق ہو تو وہ کامیابی کے حصول میں مددگار و معاون ثابت ہوگی۔

اچھی تدریس کی چند خصوصیات:

دلچسپ تدریس: اچھی تدریس وہ ہوتی ہے جو دلچسپ ہو اور متعلمین کو سیکھنے پر آمادہ کر سکے۔ کوئی بھی تعلیم متعلم کو اس وقت تک نہیں دی جا سکتی جب تک وہ خود اسے حاصل کرنے کیلئے آمادہ نہ ہو۔ آمادگی پیدا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ عملِ تعلیم میں دلچسپی پیدا کی جائے۔ دورانِ تدریس ایسا انداز اپنایا جائے جو متعلمین کی دلچسپی کا باعث ہو نیز معلم کو چاہیے کہ ایسا ماحول پیدا کرے جس میں متعلمین خود بخود تعلیم میں دلچسپی لیں۔

فکر انگیز: اچھی تدریس وہ ہوتی ہے کہ جس کے ذریعے طلباء میں غور و فکر کا مادہ پیدا ہو اور ان کے جذبہ تجسس کی تسکین ہو سکے نیز وہ نئی نئی راہوں کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ اس سے متعلمین میں مطالعہ کی عادت پیدا ہوگی۔ وہ لوگوں سے مختلف قسم کی معلومات حاصل کریں گے اور اس طرح ان میں بہت سی معاشرتی اقدار بھی پیدا ہو جائیں گی۔

منصوبہ بندی: انسان جو کام بھی منصوبہ بندی کے بغیر کرتا ہے اس کے نتائج اچھے نہیں ہوتے اور پھر تدریس تو بہت ہی نازک مسئلہ ہے اس میں منصوبہ بندی کی اشد ضرورت ہے۔ معلم کو چاہیے کہ پڑھانے سے قبل تدریس سے متعلقہ امور کی منصوبہ بندی کرے کہ اسے کون سا طریقہ کار اختیار کرنا ہے اور کس طرح اختیار کرنا ہے، کونسی معاونات کا استعمال کرنا ہے اور کہاں کہاں کرنا ہے۔

اشتراکِ عمل: اچھی تدریس وہ ہوتی ہے جس میں طلباء اور اساتذہ دونوں حصہ لیں۔ اچھی تدریس وہ ہے کہ جس میں صرف استاد ہی نہیں بلکہ طلباء بھی بولتے ہیں۔ استاد متعلمین سے جبکہ متعلمین استاد سے سوالات کر کے اپنے علمی سرمائے میں اضافہ کرتے ہیں۔ اچھی تدریس اسے کہا جا سکتا ہے جس میں معلم و متعلم دونوں سرگرمِ عمل رہیں۔

Marfat.com

انصاف پسند: معلم کیلئے ہر طالبعلم ایک جیسا ہوتا ہے چاہے وہ امیر ہو چاہے غریب، لہذا معلم کو چاہیے کہ تمام طلباء کو ایک جیسا سمجھے اور انکی انفرادیت کا خیال رکھے نیز سب سے ایک جیسا سلوک کرے ہاں البتہ اگر کوئی متعلم معذور ہو تو وہ خصوصی توجہ کا مستحق ہوتا ہے۔

خوداعتمادی: اچھی تدریس کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ متعلمین کو خودمختار و خوداعتماد بناتی ہے۔ تعلیم کا اہم مقصد متعلمین کو آئندہ زندگی کیلئے تیار کرنا ہے اور انہیں معاشرے کیلئے کارآمد اور مفید بنانا ہے۔ تعلیم ان میں احساس ذمہ داری پیدا کرتی ہے جس کے بعد وہ خودمختار ہو کر زندگی کے بہتر فیصلے کرتی ہیں۔ خودمختاری سے ہی وہ اپنے مسائل کو حل کرنے کے قابل ہوتے ہیں اور دوسروں کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

ہمدردانہ تدریس: اچھی تدریس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ مشفقانہ اور ہمدردانہ ہو اس میں محبت، پیار اور تعاون ہو۔ معلم ایک ظالم جابر نہیں بلکہ ایک رہبر و رہنما بن کر ان کی تعلیم و تربیت کا فریضہ سرانجام دے، متعلمین پر جبر اور ان میں بے جا خوف نہ پیدا کیا جائے بصورت دیگر وہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔

معالجاتی تدریس: یہ امر پیش نظر رہے کہ تدریس ہمیشہ معالجاتی ہونی چاہیے، اگر متعلم کوئی غلطی کرے یا اسمیں کوئی کمزوری پائی جاتی ہو تو نرم خوئی سے اس کی اصلاح کی جائے۔ بعض اوقات متعلمین کچھ چیزوں میں یا اسباق میں کمزور ہوتے ہیں مثلاً کسی کی لکھائی صحیح نہیں یا اس میں کوئی اور خامی پائی جاتی ہے تو معلم کو چاہیے کہ ان چیزوں کا فوری ازالہ کرے اور دوران تدریس ان باتوں کا خیال رکھے۔

بتدریج: مؤثر تدریس کا اہم عنصر تدریج ہے، تدریس میں مواد کو تدریجاً پیش کرنا چاہیے۔ معلم کو چاہیے کہ وہ معلوم سے بتدریج نامعلوم کی طرف بڑھے اس سلسلے میں متعلم کی ذہنی استعداد اور صلاحتیں مدنظر رہیں۔

معلم جدید طریقۂ تدریس کیسے اپنائے

نظام تعلیم میں معلم کئی حیثیتوں سے اپنا کردار ادا کرتا ہے مثلاً معلم بحیثیت مربی،

Marfat.com

بحیثیت محسن، بحیثیت ممتحن وغیرہ۔ معلم کا بحیثیت استاذ یہ فرض ہے کہ دنیاوی ترقی کے نتیجے میں نت نئی ایجادات، مختلف چیزوں کے بارے میں معلومات اور تجربات وحقائق سے طلباء کو آگاہ کرے اوران کی ترقی وکامیابی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ اسے چاہیے کہ وہ نت نئی ایجادات اور جدید افکار ونظریات کا مطالعہ کرے اور نئے علوم وفنون اور تجربات سے متعلمین کو آگاہ کرتا رہے۔ موجودہ دور میں نئے نئے انکشاف ہو رہے ہیں، اس لیے ایک معلم کو ان سے ضرور آگاہ رہنا چاہیے کیونکہ جن افراد کی تعلیم وتربیت میں وہ سرگرم عمل ہے انہیں دینی معلومات کے ساتھ دنیاوی معلومات بہم پہنچانا، جدید افکار ونظریات سے آگاہ کرنا، جدید مسائل سے روشناس کرانا اور موجودہ زمانے کا طرزِ زندگی بتانا ناگزیر ہے بصورت دیگر وہ مسجد ومدرسہ کی حد تک ہی محدود ہو کر رہ جائیں گے اور معاشرہ انہیں قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہوگا نیز اس سے نہ صرف وہ دنیا میں ناکام ہوں گے بلکہ آخرت میں بھی انہیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔

ایک عالِم ایک عالَم کو ساتھ لیکر چلتا ہے لیکن اگر عالِم کو عالَم کے بارے میں کچھ خبر ہی نہیں اس کے افکار ونظریات، اس کا طرز زندگی اور اس کے مسائل تو وہ عالَم کو خاک اپنے ساتھ لے کر چلے گا۔ اگر ایک معلم یہ ہی نہیں جانتا کہ جدید افکار ونظریات کیا ہیں؟ معاشرے کا طرزِ زندگی کیا ہے؟ اور معاشرے کے مسائل کیا ہیں؟ تو وہ طلباء کی رہنمائی اوران کی سیرت وکردار کی تکمیل کیسے کرے گا؟ نیز انہیں معاشرے کیلئے قابلِ قبول کیسے بنا سکتا ہے؟ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایک معلم آفاقی قدروں سے واقف، ہر لحہ چست، تڑپ اور دردِ دل رکھنے والا ہو کیونکہ اس کا کام ہی ایسا ہے جس میں ان خصوصیات کی اشد ضرورت ہے۔

معلم کو چاہیے کہ جدید تدریس اپنانے کیلئے درج ذیل سرگرمیوں میں حصہ لے۔

۱۔ نئے علوم وفنون کا مطالعہ کرے۔

۲۔ نئی نئی تشریحات کا جائزہ لے۔

۳۔ نئے تدریسی طریقوں کے متعلق آگاہی حاصل کرے، ان کا جائزہ لے اوران پر عبور حاصل کرے۔

۴۔ تجدیدی کورسز میں شرکت کرے تاکہ نئی معلومات حاصل ہوں۔

Marfat.com

۵۔ مختلف تعلیمی کانفرنسوں میں شریک ہو کر ماہرین کے خیالات سے مستفید ہو۔

۶۔ مختلف کامیاب اور معیاری اداروں کا سروے کرے اور ان کی کامیابی کے اسباب ڈھونڈے اور اپنانے کی کوشش کرے۔

۷۔ دیگر تجربہ کار اساتذہ سے مشورہ اور بحث ومباحثہ کرے۔

۸۔ مختلف قسم کے تحقیقاتی کام کا جائزہ لے۔

۹۔ مختلف سماجی سرگرمیوں میں حصہ لے اس سے اسے بہت سی سماجی معلومات حاصل ہوں گی۔ اگر معلم مندرجہ بالا امور کو مدنظر رکھ کر تدریس اپنائے گا تو اس کی تدریس کو چار چاند لگ جائیں اور متعلمین دل سے اس کیلئے دعا کریں گے بصورت دیگر قدیم طریقہ تدریس سے متعلمین کو کوئی خاص فائدہ پہنچے گا اور نہ ہی وہ جدید معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو سکیں گے نیز وہ اپنے استاذ کو پرانا استاذ کہہ کر پکاریں اور یاد کریں گے۔

نصاب

عملِ تعلیم میں ''نصاب'' کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، نصاب وہ شاہراہ ہے جس پر چل کر متعلم اپنے منزل کو پاتا ہے۔ نصاب ایک راستے کی مانند ہے، اگر ایک سوار کے پاس منزل تک پہنچنے کا سارا سامان موجود ہے اس کے پاس گھوڑا بھی ہے زادِ راہ بھی ہے اس کے علاوہ دیگر ضروریات بھی اس کے پاس وافر مقدار میں موجود ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اسے راستے کا نہیں پتہ کہ اسے کس راستے پر چل کر منزل تک پہنچنا ہے تو ایسا شخص ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا یہی مثال نظامِ تعلیم کی ہے کہ متعلم کے پاس تمام ضروریات موجود ہیں، کلاس روم بھی ہے، کمرے بھی ہیں، وائٹ بورڈ بھی ہے، تدریسی معاونات بھی ہیں، معلم بھی ہے، طریقہ تدریس بھی ہے غرضیکہ نظامِ تعلیم کی ہر شے موجود ہے مگر ''نصاب'' موجود نہیں تو بقیہ تمام چیزیں کسی کھاتے کی نہیں، وہ کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

نصاب کے لغوی معنی راستہ کے ہیں انگریزی میں اس کیلئے کریکولم کا لفظ بولا جاتا ہے جبکہ عربی میں نصاب کو منہاج کا نام دیا گیا اور اس کے معنی بھی راستہ کے ہیں۔ لغت میں نصاب کے معانی جڑ، بنیاد، معیار، کسوٹی اور سرمایہ کے ہیں گویا ''نصاب'' یہ تعلیم کی جڑ بھی ہے بنیاد بھی۔

Marfat.com

کسوٹی ہے تو تعلیم کا سرمایہ بھی یہی ہے۔ آسان لفظوں میں ہم نصاب کی تعریف یوں کر سکتے ہیں:
''نصاب وہ راستہ ہے جس پر چل کر طلباء اپنی منزل پاتے ہیں۔''

''مختلف مفکرین کی آراء کی روشنی میں نصاب کا مفہوم''

ریگن کے مطابق: نصاب تعلیم کے تجربات کے مجموعے کا نام ہے نیز یہ ایک ایسا تحریری منصوبہ ہے جو متعلمین کیلئے مرتب کیا جاتا ہے۔

کننگھم: نصاب معلم کے ہاتھ میں ایک آلہ ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے شاگردوں کو اپنے مقصد کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔

جیمس مائیکل: نصاب ان تمام سرگرمیوں کا نام ہے جو ادارہ اپنے طلبہ کو فراہم کرتا ہے۔

کیس ویل: نصاب وہ ذریعہ ہے جو طلباء کی ضروریات کی تکمیل اور معاشرے کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے فرد کو تیار کرتا ہے۔

جارج پائین: نصاب ان حالات اور سرگرمیوں پر مشتمل لائحہ عمل ہے جن کو ادارہ منتخب کرتا ہے اور شعوری طور پر جن کی تنظیم شخصیت کی نشو ونما اور افراد کے کردار کی تبدیلی کیلئے ہوتی ہے۔

ولیم بی ریگان: نصاب میں وہ تمام تجربات و مشاہدات شامل ہیں جن کی ادارہ ذمہ داری اٹھاتا ہے۔

ڈاکٹر اکبر: نصاب متعلم کے ان تجربات کا مجموعہ ہے جو وہ ادارے کی نگرانی میں رہ کر حاصل کرتا ہے۔

جامع مفہوم: نصاب سے مراد وہ تمام سرگرمیاں، مشاغل، تجربات، مشاہدات اور تحقیقات ہیں جو مقاصدِ تعلیم کے حصول کیلئے ادارے کی نگرانی میں ادارے کے اندر یا ادارے سے باہر سرانجام پائیں۔

نصاب کا قدیم مفہوم

۱۔ قدیم زمانے میں نصاب سے مراد مضامین کی وہ فہرست تھی جو کسی مخصوص جماعت کے طلبہ کو

Marfat.com

پڑھانے کیلئے مقرر کی جاتی تھی۔
۲۔ نصاب ایسے مضامین کا مجموعہ تھا جو کسی خاص یا پیشہ ورانہ مقاصد کیلئے تجویز کیئے جاتے تھے۔
۳۔ نصاب سے مراد وہ مجموعی پروگرام تھا جو تعلیمی یا پیشہ ورانہ مقاصد کیلئے تجویز کیا جاتا تھا۔

نصاب کا جدید مفہوم

ا۔ نصاب سے مراد ادارے کی وہ مکمل جدوجہد ہے جو ادارے کے اندر یا ادارے کے باہر متعین مقاصد کے حصول کے لئے کی جاتی ہے۔
۲۔ ہر وہ منصوبہ جو ادارے میں طلباء کی تعلیم و تربیت کے لئے بنایا جائے نصاب کہلاتا ہے۔ ایسے منصوبے پر جو انفرادی طور پر عمل کیا جائے یا گروہ کی صورت میں، ادارے کے اندر وقوع پذیر ہو یا باہر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔
۳۔ طلباء کی تعلیم کے لئے ایسی سرگرمیاں اور تجربات جنہیں تعلیمی مقاصد کے لئے منتخب کیا جاتا ہے نصاب کہلاتی ہیں۔
۴۔ ایسے تمام تجربات جنہیں ادارہ کسی منصوبے کے تحت اس لئے طلباء کو فراہم کرے کہ ان کی صلاحیتوں کے مطابق زیادہ سے زیادہ تعلیم وقوع پذیر ہو سکے نصاب کہلاتے ہیں۔

نصاب کے متعلق قدیم تصور

نصاب کی قدیم تعریفوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ قدیم دور کا نصاب معلم اور نصاب پر مشتمل تھا اور اس کا مقصد طلباء کو کتابی اور استاد کی معلومات بہم پہنچانا تھا۔ اس کیلئے استاذ مختلف طریقے استعمال کرتا تھا اور سب سے اہم طریقہ متعلمین کو معلومات رٹا دینے کا تھا۔ بعد میں اس کا امتحان لے لیا جاتا جسے مطلوبہ حد تک معلومات یاد ہوتیں وہ پاس ہو جاتا بقیہ سارے فیل ہو جاتے۔ یہ نصاب متعلمین کے انفرادی اختلاف، صلاحتیوں، ذہنی سطح اور رجحانات سے لاتعلق تھا اور اس کی تدریس میں کوئی تکنیک استعمال نہیں کی جاتی تھی۔
نصاب کے قدیم تصور میں متعلمین کے تعلیمی مسائل پر بالکل توجہ نہ دی جاتی تھی۔ نفسیات پر کوئی توجہ دی جاتی تھی اور نہ ہی انفرادی اختلافات کا خیال رکھا جاتا تھا، تدریس مطلق تھی اور معلم خود مختار

Marfat.com

تھا۔ وہ جو کچھ اور جس طرح پڑھانا چاہتا وہی نصاب خیال کر لیتا تھا اداروں میں متعلمین کو کسی قسم کی آزادی نہ ہوتی تھی۔

نصاب کے متعلق جدید تصور

نصاب کی جدید تعریفوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نصاب سے مراد وہ تمام سرگرمیاں ومشاغل ہیں جو ادارے کے اندر یا ادارے کے باہر (ادارے کی نگرانی میں) انجام پاتی ہیں۔ یہ سرگرمیاں متعلمین کی جسمانی، ذہنی، معاشی، معاشرتی اور نفسیاتی پہلوؤں کے عین مطابق ہوتی ہیں۔ ان سرگرمیوں پر عمل کرنے سے متعلمین کی ہمہ پہلو نشوونما ہوتی ہے۔ اس نصاب کو پڑھانے کیلئے مختلف طریقہ ہائے تدریس استعمال کیئے جاتے ہیں، نفسیاتی اصولوں کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے، سمعی وبصری معاونات کا استعمال عمل میں لایا جاتا ہے، اس نصاب میں طلبہ اور اساتذہ آپس میں منسلک ہوتے ہیں، تعلیمی ماحول خوشگوار ہوتا ہے اور تدریس دلچسپ ہوتی ہے۔

جدید تصور نصاب میں متعلمین اور معاشرتی تقاضوں کو فوقیت حاصل ہے، اس کی تنظیم و تدوین نفسیاتی بنیاد پر کی جاتی ہے، اسمیں معلم کی حیثیت رہنما کی ہوتی ہے، دورانِ تدریس متعلمین سے محبت وشفقت کے ساتھ پیش آکر سبق کو زیادہ سے زیادہ مفید اور جاندار بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔

اگر ہم نصاب کے قدیم اور جدید تصورات کا موازنہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ نصاب کے جدید تصور میں بہت سی مثبت تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں مثلاً متعلمین اور معاشرتی تقاضوں کو فوقیت حاصل ہونا، متعلم کو مرکزیت حاصل ہونا، متعلمین کے نفسیاتی تقاضوں کو مدنظر رکھ کر نصاب کی تدوین کرنا، نصاب کی تنظیم نو کرتے وقت متعلمین کے ذہنی، جسمانی، معاشی ومعاشرتی اختلافات کا خیال رکھنا، دورانِ تدریس محبت وشفقت کے ساتھ پیش آنا، تدریسی معاونات کا بھرپور استعمال، متعلمین کے انفرادی اختلاف کو مدنظر رکھنا، متعلمین کی استعداد اور ذہنی سطح کے مطابق نصاب کی تدوین کرنا غرضیکہ اس کے علاوہ بہت سی مثبت تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے مذہبی ادارے تا حال اس تبدیلی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

ہمارے ہاں یہ ہوتا ہے کہ معلم تشریف لائے کتاب اٹھ پڑھائی تصورات ہی

Marfat.com

تصورات میں حدود حرم مقرر کیں اور چلتے بنے، عملی طور پر با قاعدہ چارٹ کے ذریعے سمجھانے کی کوشش ہی نہ کی۔

معلم نے دس پاروں کی تفسیر پڑھا دی، قوم نوح، عاد، ثمود، لوط، مدائن، اصحب الا یکہ اور اصحاب الکھف کے قصے بڑی بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کئے مگر شاگردوں میں سے کسی کو بھی اٹھا کے پوچھ لیجئے کہ بھلا بتلاؤ قوم نوح کہاں بستی تھی؟ قوم عاد کے بڑے بڑے محلات آج کل کس ملک کے کس علاقے میں کھنڈرات کا نقشہ پیش کر رہے ہیں، قوم ثمود کی بستیاں کہاں واقع ہیں، قوم لوط اور مدائن کی بستیاں آج کل کس ملک میں عبرت کدہ کا منظر پیش کر رہی ہیں، اصحاب الا یکۃ کون تھے اور کہاں رہتے تھے، اصحاب الکھف کا غار کہاں، کس ملک اور کس پہاڑی سلسلے میں واقع ہے، طلباء کی اکثریت ایسی ہوگی جنہیں یہ سوالات ایک اچھنبا سا معلوم ہوں گے سوائے ایک دو کے۔

نصاب کی نوعیت:

۱۔ نصاب ایک ایسا واضح منصوبہ ہے جو کسی نظریہ حیات کا حامل ہوتا ہے اور اس کے ذریعے طلبہ اپنے میلانات اور صلاحیتوں کے مطابق تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اپنی شخصیت کو فروغ دیتے ہیں۔

۲۔ نصاب تعلیم و تدریس کی ایک ایسی تحریری دستاویز ہے جس کے ذریعے معلم طلباء کے تعلیمی تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور ان کی ذہنی، جسمانی، جذباتی، روحانی، معاشی و معاشرتی تربیت کرتا ہے۔

۳۔ نصاب ادارے کی داخلی اور خارجی سرگرمیوں کا ایک تسلسل ہے جو فرد کی ذہنی صلاحیتوں اور کرداری اوصاف کی نشوونما کرتا ہے۔

۴۔ نصاب مقاصدِ تعلیم کے حصول کا ایک مؤثر ذریعہ ہے جس کے ذریعے طلباء کی انفرادی خصوصیات کی نشوونما ہوتی ہے اور وہ معاشرے سے مطابقت پیدا کرنے کے اہل ہو جاتے ہیں۔

۵۔ نصاب تعلیم و تدریس کا ایک واضح دستاویزی پروگرام ہے جس میں ادارے کی داخلی و خارجی سرگرمیاں شامل ہوتی ہیں یہ معلم کے ذریعے طلباء کے انفرادی اختلافات کی نشوونما کرتا ہے اور

Marfat.com

طالبعلم کو اس کے نصب العین سے ہمکنار کرتا ہے۔

۶۔ نصاب کو وسیع تر معانی میں دیکھا جائے تو یہ اساتذہ اور ادارے کو میسر شدہ ان حالات اور مواقع کا نام ہے جس کے ذریعے ادارے میں آنے والے متعلمین اور نوجوانوں کے کردار میں تبدیلیاں پیدا کی جاتی ہیں۔ یہ ایسے افعال وافکار کا مجموعہ ہے جس سے متعلم کی زندگی خواہ ادارے کے اندر ہو یا ادارے کے باہر، متاثر ہوتی ہے یہ متعلم کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں بلاواسطہ مددگار ثابت ہوتا ہے۔ پڑھنا لکھنا، ذاتی اور معاشرتی رابطے، ذہنی واخلاقی نشوونما، جذباتی واستحسانی زندگی، فکری تہذیب اور اس کی عملی تربیت سب کے سب نصاب میں شامل ہیں۔

تقلید اور عقل کا جھگڑا

جس طرح عام زندگی میں ہم کام کرنے سے پہلے اس کی منصوبہ بندی کرتے ہیں مثلا کھیل کھیلنے سے پہلے کھیل کے میدان کا انتخاب کرتے ہیں، کھلاڑیوں کے بارے میں صلاح و مشورہ ہوتا ہے کہ کون کون کھیلے گا، کب کھیلے گا، کون سے نمبر پر آئے گا، کھیل کا اختتام کب ہوگا، کونسا کھلاڑی کس پوزیشن پر کھیلے گا وغیرہ۔ اسی طرح علم کو طلباء تک منتقل کرنے کیلئے باقاعدہ منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے کہ کونسی جماعت کے طالب علم کو کیا پڑھایا جائے گا، کونسی کتاب پڑھائی جائے گی، پڑھانے کیلئے معلم کون ہوگا، پڑھانے کا دورانیہ کتنا ہوگا۔ پڑھانے کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟ پڑھانے کے عمل کے دوران کون کون سے مقاصد حاصل کیئے جائیں گے، کون کون سی ذہنی صلاحیتیں اور مہارتیں پیدا کی جائیں گی؟ یہ سب چیزیں نصاب کا حصہ ہیں۔ مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ تعلم کا وہ عمل جو کسی منصوبہ بندی کے تحت حاصل ہو خواہ وہ انفرادی شکل میں ہو یا گروہی، خواہ مدرسے کے اندر ہو یا مدرسے کے باہر وہ نصاب کا حصہ ہوتا ہے۔ مدرسے کے اندر جو مختلف سرگرمیاں سرانجام پاتی ہیں مثلاً تقریری مقابلے، کھیل، جسمانی ورزش یا تعلیمی سیر وغیرہ۔ یہ سب نصاب کا حصہ ہوتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ نصاب میں ہر وہ عمل شامل ہے جو ادارہ، اساتذہ اور طلباء سرانجام دیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ نصاب اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ تدریس کے نتیجے میں طلباء کو کس درجہ کا تعلم حاصل ہوگا۔ ہر تعلیمی ادارہ ایک چھوٹا سا معاشرہ ہوتا ہے جو تہذیبی اور سماجی اقدار

Marfat.com

کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرتا ہے۔ نصاب دراصل ایک معاشرتی گروہ کا پروگرام ہے جو ادارے سے متعلمین کے تعلیمی تجربات کی نشاندہی کرتا ہے جس طرح آپ کھیل کی باقاعدہ منصوبہ بندی نہ کرلیں اس وقت تک جیت نہیں سکتے اسی طرح اگر عملِ تعلیم کی کامیابی کیلئے بہتر منصوبہ بندی نہ کی جائے تو کامیابی کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

ادارے کے پیشِ نظر دو بنیادی چیزیں ہوتی ہیں متعلم کی شخصیت کی تعمیر اور معاشرے کی اجتماعی ضروریات کی ہمہ پہلو تکمیل، اور یاد رکھیں یہ دونوں مقاصد صرف کتاب پڑھنے سے حاصل نہیں ہو جاتے بلکہ ادارے کو درسی کتب کے علاوہ بھی مختلف قسم کی سرگرمیوں کا اہتمام کرنا پڑتا ہے جو کتابوں سے حاصل کردہ علم کو عملی شکل دے سکیں اور اسے طلبہ کی شخصیت کا جزو بنادیں۔

سرگرمی خواہ کوئی بھی ہو مدرسہ کی عمارت کے اندر تک محدود ہو یا کھیل کے میدان تک، جسمانی ورزش کا کوئی پروگرام ہو یا ہنسی مزاح کی کوئی تقریب، قدرتی مناظر کی سیر ہو یا کوئی معاشرتی تقریب، کوئی جلسہ منعقد ہو رہا ہو یا کسی انعامی تقریب کا انعقاد غرضیکہ کوئی بھی سرگرمی جو ادارے کی نگرانی میں سرانجام پائے نصاب کا حصہ ہوتی ہے اور اس کا مقصودِ اصلی متعلم کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل ہوتی ہے۔

اگر ہم اپنے نصابِ تعلیم کا جائزہ لیں تو ہمیں بخوبی علم ہو جائے گا کہ ہمارا نصاب مقاصدِ تعلیم کے حصول کیلئے کس قدر معاون و مددگار ثابت ہو رہا ہے اور ہم کس قدر مقاصدِ تعلیم کے حصول میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ معاشرہ آج بھی ہم سے درخواست گزار ہے کہ ہم مل بیٹھ کر سوچیں ہمارے طلباء کو آئندہ کس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہوگی، ہمیں اپنے موجودہ نظام میں سے کن کن چیزوں کو ختم کرنا ہوگا اور کن عوامل کو بروئے کار لا کر ایسے تربیت یافتہ افراد پیدا کرنے ہوں گے جو جدید معاشرے کے ہر شعبۂ زندگی کی تعمیر و ترقی میں ممد و معاون ثابت ہوں اور مستقبل میں معاشرے کی بہتر رہنمائی کرسکیں۔ عقل و تقلید جھگڑ رہی ہیں، تقلید کہتی ہے کہ ان تمام مقاصد کا حصول میرے ذریعے ہی ممکن ہے یعنی اپنے اسلاف کے مقرر کردہ نصاب کی تقلید کروگے تو کامیابی ملے گی مگر عقل کی بات دل کو لگتی ہے کہ اگر تیری اتباع ہی کامیابی کا راز ہوتی تو ابوجہل، عتبہ، شیبہ، جیسے نامور مقلد کبھی ناکام نہ ہوتے، یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے امام و پیشوا جہنم کا ایندھن نہ بنتے۔

Marfat.com

نصاب کے عناصر

نصاب فقط تدریسی کتابوں میں موجود ''مواد'' کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ہمہ گیر عمل ہے جس میں کسی بھی تعلیمی ادارہ سے منظم کردہ وہ تمام سرگرمیاں و مشاغل، تجربات و مشاہدات اور تحقیقات شامل ہوتی ہیں جن کا مقصد متعلم کی ہمہ پہلو تعمیر و تربیت اور ایک صحت مند معاشرے کا قیام ہوتا ہے۔ اگر ہم ماہرین تعلیم کے پیش کردہ نصابی خاکوں کا مطالعہ کریں تو ہمیں نصاب کے چار بنیادی اجزاء یا خصوصیات کا علم ہوتا ہے۔ بعض ماہرین ان اجزء کو نصاب کے عناصرِ اربعہ یا نصاب کی ساخت کا نام دیتے ہیں۔ نصاب کے چار عناصر ہوتے ہیں جو منطقی لحاظ سے بھی نصابی عمل کیلئے ضروری ہیں۔

۱۔ مقاصدِ نصاب ۲۔ نصابی مواد ۳۔ طریقۂ تدریس ۴۔ جائزہ

مقاصدِ نصاب: نصاب کا سب سے اہم اور بنیادی عنصر ''مقاصد نصاب'' ہے۔ ہر عمل کا کوئی نہ کوئی محرک ہوتا ہے، ان محرکات میں سے سب سے اہم محرک ''مقصد'' ہوتا ہے کیونکہ کوئی عمل ایسا نہیں جو بغیر کسی مقصد کے وقوع پذیر ہوا ہو۔ لہذا یہاں بھی جب ہم دیکھتے ہیں کہ نصاب سازی کا محرک کیا ہے؟ نصاب سے ہم کیا چاہتے ہیں؟ تو ان سوالات کا جواب بھی محض 'مقاصدِ نصاب' کی شکل میں ہی سامنے آئے گا۔ وجہ یہ ہے کہ نصابی مقاصد نفسیاتی اور منطقی جواز رکھتے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ طلبہ تعلیم کیوں حاصل کرتے ہیں؟ ان کو اس سے کیا فائدہ ہے؟ تعلیم سے ان کو کیا حاصل ہوگا؟ ویسے بھی طلبہ محرک کے بغیر اپنے ردعمل کا اظہار نہیں کرتے اس لئے نصاب سازی میں سب سے پہلا مرحلہ مقاصد کی تعیین کا ہوتا ہے جیسے مقاصد ہوں گے ویسا ہی تدریسی مواد منتخب کیا جائے گا اور اسی کے مطابق طریقۂ تدریس اپنایا جائے گا۔

نصابی مقاصد اس لئے بھی اہم ہیں کہ ان کے ذریعے ہمیں اپنی کارکردگی اور منزل سے فاصلے کا علم ہوتا ہے نیز یہ کہ مقاصد قومی امنگوں، ملکی ضروریات، تہذیب و ثقافت اور افکار و نظریات کی ترقی کے بھی ضامن ہوتے ہیں۔

یہ ایک سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ 'مقاصد نصاب' جس قدر مؤثر، ترغیبی اور افادی

Marfat.com

ہوں گے طلبہ اسی قدر ان کے حصول کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مقاصد ایسے ہونے چاہئیں جو ایک طرف تو فرد کی علمی تشنگی کی تسکین کریں اور دوسری طرف جدید معاشرتی تقاضوں کی بھی تکمیل کریں۔ اس لئے نصاب کے مقاصد کا تعین کرتے وقت ایک طرف تو فرد کی دلچسپی اور دوسری طرف معاشرے کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

نصابی مواد: مواد کا چناؤ نصابی عمل کا دوسرا مرحلہ ہے۔ جب نصاب کے مقاصد کا تعین کر لیا جاتا ہے تو سوال یہ سامنے آتا ہے کہ یہ مقاصد کس طریقے اور کس ذریعے سے حاصل کئے جا سکتے ہیں بالفاظ دیگر نصاب میں کیا کیا اور کیسے کیسے تعلیمی و تدریسی تجربات، سرگرمیاں، مضامین اور موضوعات شامل کیئے جائیں کہ جن سے طے شدہ ''مقاصد نصاب'' کا حصول ممکن ہو جائے۔ ''مقاصد نصاب'' اور ''تدریسی مواد'' یہ دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔ ''مقاصد نصاب'' کے حصول کیلئے ''تدریسی مواد'' جبکہ تدریسی مواد کے تعین کیلئے 'مقاصد نصاب'' کا ہونا ضروری ہے۔

تدریسی مواد ایسا منتخب کیا جاتا ہے جو جدید معاشرتی تقاضوں اور وقتی ضرورتوں سے ہم آہنگ ہو، عصری اداروں میں تقریباً ہر سال تمام مضامین پر بات چیت ہوتی ہے اور ان میں کانٹ چھانٹ کر کے انہیں جدید معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جاتا ہے۔ یہ ''اعزاز'' دنیا بھر میں فقط ہمیں ہی حاصل ہے کہ ڈیڑھ سو سالہ پرانا نصاب پڑھ رہے ہیں اور بڑی دیدہ دلیری سے اس نصاب کے حاملین سے وقتی ضرورتوں اور جدید معاشرتی تقاضوں کی تکمیل چاہتے ہیں۔

طریقہ تدریس: نصابی عمل کے دوسرے مرحلے کی تکمیل کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ نصابی مواد کو کسی طرح بہتر انداز میں طلبہ تک پہنچایا جائے تا کہ وہ ان کی ذہنی، جسمانی، اخلاقی، روحانی، جذباتی، معاشی و معاشرتی نشوونما کر سکے اور ان کی دلچسپی کا باعث ہو۔ وہ ان کے نفسیاتی تقاضوں کی آسودگی کر سکے اور ان کی معاشرتی مطابقت میں معین و مددگار ثابت ہو۔ یہ امر نہایت ضروری ہے کہ نصابی مواد طلبہ کی ذہنی استعداد کے مطابق ہو اور وہ بتدریج آسان سے مشکل اور مشکل سے مشکل تر ہو جس سے طلبہ کی قوتِ مطالعہ اور ان کے افکار و نظریات میں وسعت پیدا ہو۔ معلم کو چاہیے کہ وہ جو کچھ پڑھائے وہ طلبہ کے ذہن نشین کرا دے تا کہ ہماری توقعات اور مقاصد کا حصول

Marfat.com

ممکن ہو جائے۔ تدریسی مواد کی طلبہ تک رسائی کیلئے ایسے تدریسی طریقوں کا انتخاب کرنا چاہیے جو طلبہ کی ذہنی استعداد اور متعلقہ مضمون کی ضروریات کے مطابق ہوں۔

دورانِ تدریس حسب ضرورت تدریسی معاونات اور سمعی و بصری آلات کا استعمال بھی یقینی بنانا چاہیے تدریسی طریقہ جس قدر مؤثر ہوگا مقاصد کا حصول اتنا ہی آسان ہوگا۔ لہٰذا معلم کو چاہیے کہ وہ طلبہ کے نفسیاتی تقاضوں کو سمجھ کر اور ان کے انفرادی اختلافات کو پیش نظر رکھ کر تدریس کی منصوبہ بندی کرے۔ معلم کو تدریسی طریقۂ کار مؤثر بنانے کا علم اور تدریسی معاونات کے استعمال کا ڈھنگ آنا بھی ضروری ہے۔

نصابی جائزہ: نصابی جائزے میں نصاب کے تمام عناصر کی کارکردگی کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ آیا جو ہم نے مقاصد مقرر کیئے ہیں وہ درست ہیں؟ تدریسی مواد میں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی، طریقہ تدریس کہاں تک کامیاب ہو رہا ہے غرضیکہ ''نصابی جائزے'' میں ہم نصاب کے دیگر عناصر کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ ہم مستقبل میں ان کی بہتر منصوبہ بندی کر سکیں۔

نصابی جائزہ لینے کیلئے عموماً رسمی طریقۂ کار اختیار کیا جاتا ہے۔ رسمی جائزہ لینے کیلئے اساتذہ سال میں تین امتحان سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحانوں کا انعقاد کرتے ہیں اور یہ امتحان تقریری بھی ہوتا ہے اور تحریری بھی۔ ان امتحانات کے ذریعے ہمیں نصابی مقاصد، تدریسی مواد اور طریقۂ تدریس کی کامیابی یا ناکامی کا پتہ چلتا ہے اس کے علاوہ ہمیں طلبہ کی تخلیقی سرگرمیوں اور ان کی ذہنی صلاحیتوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ نصابی جائزے میں نصاب کے تمام عناصر پر نظر رکھنی ہوتی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مقاصد ایسے ہوں جو طلبہ کی رسائی سے باہر ہوں، اسی طرح ہو سکتا ہے کہ دیگر اجزء تو بہت بہتر ہیں مگر نصابی مواد ایسا ہے جو وقتی ضرورتوں اور جدید معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں جس کی وجہ سے وہ طلبہ کیلئے دلچسپ نہیں۔ اس میں کشش اور افادی پہلو نہیں۔ جامع اور مؤثر نہیں طلبہ کی ذہنی سطح سے بہت بلند ہے جس کی وجہ سے وہ اسے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اسی طرح نصاب کے تیسرے اہم جزو ''طریقہ تدریس'' کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ مقاصد بھی بہتر ہوں، تدریسی مواد بھی اعلیٰ درجے کا ہو مگر اسے طلبہ تک پہنچانے کا کوئی مناسب انتظام نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ معلم کے طریقہ تدریس میں کوئی موزونیت

Marfat.com

نہ ہو۔ نہ کوئی تحریک، وہ اپنی تدریس کو مؤثر بنانے کیلئے کوئی تکنیک یا تدریسی معاونات کا استعمال نہ کرتا ہو جس کی وجہ سے اس کی شخصیت طلبہ کے ذہنوں پر ایک بوجھ بنی رہے اور وہ ہر وقت اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے بابت سوچتے رہتے ہوں۔

نصابی جائزے سے ہمیں طلبہ کی صلاحیتوں اور ان کی تحقیقی، تنقیدی اور معاشرتی لیاقتوں کا علم ہوتا ہے اور ہمیں نصاب کو بہتر بنانے اور اس کی ترمیم و تنسیخ کرنے کے مواقع میسر آتے ہیں۔ نصابی جائزے سے حاصل شدہ نتائج نصاب اور نصابی عناصر کو خوب سے خوب تر بنانے میں معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

نصابی اجزاء میں باہمی ربط

دنیا بھر کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ نصاب کے تمام اجزاء کا آپس میں گہرا باہمی ربط ہوتا ہے اور نصاب اسی باہمی ربط کی بدولت فروغ پاتا ہے۔ ان اجزء کا باہمی ربط جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر نصاب مؤثر اور مفید ہوگا۔ اگر چہ نصاب کے چاروں عناصر الگ الگ محسوس ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان میں اس قدر باہمی اشتراک ہے کہ نصاب کی عمارت ان میں سے کسی ایک کی بھی عدم موجودگی میں قائم نہیں ہوسکتی۔ مثلاً نصاب سازی کرتے وقت جب ہمیں مقاصدِ نصاب کا تعین کرنا ہوتا ہے تو ہمیں معاشرے کے حالات کا تجزیہ کرنا پڑتا ہے کہ معاشرے کے کیا تقاضے ہیں؟ اس کی تہذیبی و ثقافتی اقدار کیا ہیں؟ نئے تقاضے کون سے ابھر رہے ہیں؟ ان تقاضوں سے نمٹنے کیلئے ہمیں کیا منصوبہ بندی کرنی پڑے گی۔ عالمی سطح پر کس طرح مطابقت حاصل کی جاسکتی ہے وغیرہ۔ مذکورہ تمام حالات کو مدنظر رکھ کر مقاصد کا تعین کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح نصاب سازی کرتے وقت طلبہ کی شخصیات کا بھی مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ ان کے انفرادی اختلافات، ان کی صلاحیتوں اور دلچسپیوں، ان کے میلانات، ان کی خواہشات اور ان کی ضروریات کا جائزہ لیتے ہوئے مقاصدِ نصاب طے کرنے ہوتے ہیں۔

جب مقاصد متعین ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے حصول کیلئے تدریسی مواد کا انتخاب کیا جاتا ہے کہ کون کون سے مضامین شامل کیئے جائیں جن کے ذریعے مقاصد کا حصول ممکن ہو۔ مواد کے انتخاب کے بعد طلبہ تک اس کی رسائی کا طریقہ ڈھونڈا جاتا ہے۔ مواد کی نوعیت اور معاشرے

Marfat.com

کی ذہنی ونفسیاتی اقدار کے مطابق تدریسی طریقے اور تدریسی ٹیکنالوجی استعمال کی جاتی ہے۔ اگر تدریسی طریقۂ مؤثر ہوں گے تو تدریسی اثرات بہتر اور پائیدار ہوں گے۔ طریقۂ تدریس کے بعد ہمیں نصابی جائزہ بقیہ تینوں عناصر کی کارکردگی اور اثرات کے نتائج سے آگاہ کرتا ہے۔ اگر ہمیں نصابی تجزیئے سے معلوم ہو کہ ''مقاصد نصاب'' حاصل ہو رہے ہیں تو ہم نصاب کو معیاری اور مؤثر قرار دیں گے اور اگر نصابی نتائج غیر تسلی بخش ہوں تو ازسرِ نو مواد کا انتخاب اور اس کی تنظیم کی جائے گی اور ازسرِ نو ہی تدریسی طریقوں پر غور وفکر کر کے بہتر تدریسی طریقوں کو اختیار کرنا ہوگا اور نصابی نتائج معلوم کرنے کیلئے ازسرِ نو نصابی جائزہ لینا ہوگا غرضیکہ اس طرح نصابی عمل ہمیشہ متحرک رہتا ہے اور نصاب کے تمام اجزاء باہمی تعاون اور اشتراک عمل سے عملِ نصاب کو رواں دواں رکھتے ہیں۔

آپ نے نصاب کے عناصر کا مطالعہ کیا امید ہے کہ ان عناصر کے درمیان باہمی ربط کو آپ خوب اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے۔ اب ذرا ہم اپنے نصاب اور اس کے اجزاء کے درمیان باہمی ارتباط کو دیکھتے ہیں۔

نصاب سازی کرتے وقت سب سے پہلے جس بات کا تعین کرنا چاہئے وہ ہے ''مقاصد نصاب'' یعنی ہمارے مقاصد کیا ہیں؟ جن کے حصول کیلئے ہم یہ نصاب ترتیب دے رہے ہیں اور جس کی خاطر سارا نظامِ تعلیم موضوع ہے۔ دوسرے نمبر پر بات آتی ہے مواد کی کہ آیا کیسا مواد کتابی صورت میں یکجا کیا جائے کہ جسے پڑھانے سے متعینہ مقاصد کا حصول ممکن ہو۔ تیسرے نمبر پر باری آتی ہے طریقۂ تدریس کی جب مقاصد کا تعین ہو گیا ان کے حصول کیلئے مواد بھی کتب کی صورت میں مہیا کر دیا گیا اب ایسا کون سا طریقہ ہے کہ جس کے ذریعے اسے آگے طلبہ تک منتقل کیا جائے اس مقصد کیلئے طریقۂ تدریس کا انتخاب کیا جاتا ہے اور چوتھے نمبر پر نصابی جائزے کے ذریعے مذکورہ تینوں عناصر کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ آیا مقاصد صحیح مقرر ہوئے ہیں؟ نصابی مواد مقاصد کے حصول میں معین ومددگار ثابت ہوگا یا نہیں؟ کیا طریقۂ تدریس کے ذریعے مواد بآسانی وسہولت طلبہ تک پہنچ رہا ہے یا نہیں؟

اب ہم اپنے نصاب (درسِ نظامی کا نصاب) پر نظر ڈالتے ہیں اور اس کے عناصر کے

Marfat.com

متعلق آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ ہمارا نصاب سازی کا عمل آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے شروع ہوا تھا اور اس وقت نصاب سازی کرتے وقت مقاصدِ نصاب ''اسلامی علوم وفنون کا تحفظ و بقاء'' مقرر کیے گئے تھے، آپ جانتے ہیں کہ عملِ نصاب میں سب سے اہم اور بنیادی عنصر مقاصدِ نصاب ہوتا ہے اور بقیہ سارے عناصر اسی مقصد کے حصول کیلئے کام کرتے ہیں۔ ہمارے اسلاف نے نصاب سازی کرتے وقت ایسا تدریسی مواد منتخب کیا جو مذکورہ مقاصد کے حصول کیلئے معین تھا۔ دوسرے لفظوں میں آپ یوں کہیے کہ تدریسی مواد میں وہ علوم وفنون شامل کیئے گئے جن کا تحفظ و بقاء مقصود تھا، طریقہ تدریس اور جائزے کی تشکیل بھی اس طرح کی گئی کہ وہ مقاصدِ نصاب کے حصول میں مکمل معین و مددگار ثابت ہوں۔ اب آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے جو مقاصد نصاب مقرر کیئے گئے تھے بلاشبہ وہ موجودہ زمانے کا تقاضا اور اس کی ضرورت تھے، کیونکہ ہمارا یہ نظام تعلیم ایک ردعمل کے طور پر سامنے آیا تھا اور بصورت دیگر اسلامی علوم وفنون کا وجود خطرے میں تھے۔ اسی طرح جو تدریسی مواد منتخب کیا گیا تھا وہ مقاصد نصاب کے عین مطابق اور ان کے حصول کا یقینی ذریعہ تھا اس کے علاوہ طریقہ تدریس اور جائزہ بھی اس زمانے کی وقتی ضروریات کے مطابق اور مقاصدِ نصاب کے حصول میں معین تھا، مگر کیا مقاصدِ نصاب آج بھی وہی ڈیڑھ سو سال پہلے کے ہیں؟ کیا ان مقاصد کا حصول وطنِ عزیز کی صورت میں مکمل نہیں ہو گیا۔ کیا معاشرتی تقاضے اور معاشرتی ضروریات آج بھی وہی ڈیڑھ سو سال پہلے کی ہیں۔ کیا آج بھی معاشرہ ہم سے یہ کہہ رہا ہے کہ تم اسلامی علوم وفنون کے تحفظ کیلئے محض دینی علوم وفنون میں زندگی کھپانے والے افراد تیار کرو جو معاشرتی مطابقت کے بالکل اہل نہ ہوں، کیا معاشرتی پکار آج بھی وہی ڈیڑھ سو سال پہلے کی ہے۔ کیا عالمی حالات آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے بھی آج جیسے ہی تھے، کیا آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے بھی معاشرتی اقدار آج کی طرح بڑی سرعت سے مغربی اقدار میں تبدیل ہو رہی تھیں، کیا آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے بھی ہمیں بے عمل ملاں، قدامت پرست، بنیاد پرست اور انتہا پسند کے القابات سے نوازا جاتا تھا، اگر آج ہمیں ان القابات سے پکارا جاتا ہے تو کیا اس الزام میں تھوڑی بہت حقیقت کی آمیزش نہیں؟ کیا ہم ماڈرن طبقے سے چشم پوشی کرلیں گے تاکہ مستقبل میں وہ ملک کو جیسی بھی سٹیٹ بنانا چاہیں بنادیں۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہیکہ ڈیڑھ سو سال کے اندر دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی مگر ہم اب تک سوچ رہے ہیں کہ مقاصدِ نصاب میں تبدیلی ہونی چاہیے یا نہیں۔ ہم ابھی تک انہی مسائل میں نبرد آزما ہیں کہ الیکٹرانک میڈیا کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔ مغرب چاند پر پہنچ گیا اور ہم اسی زمینی سیارے پر بیٹھے جھگڑ رہے ہیں کہ وہاں نماز کیسے پڑھی جائے گی، یہودیت کائنات کی نبض سے چھیڑ چھاڑ شروع کر کے زمینی نظام کو اپنے قبضے میں لی رہی ہے تاکہ مسیح دجال کا راستہ صاف ہو اور وہ دنیا میں من مانیاں کر سکے اور ہم ابھی تک قیامت، امام مہدی اور مسیح دجال کے متعلق صحیح وضعیف احادیث کے متعلق الجھ رہے ہیں، مغرب دنیا پر حکمرانی قائم کرنے کیلئے آتش و آہن برسا رہا ہے اور ہم ابھی تک گولی کا جواب پتھر سے دینے کا سوچ رہے ہیں، دنیا انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ترقی میں انتہا کو پہنچ چکی اور ہم ابھی سوچ رہے ہیں کہ کمپیوٹر آلہ لہو ہے یا نہیں۔ مشرقی اقدار بڑی سرعت سے مغربی اقدار میں بدل رہی ہیں اور ہم ابھی تک سوچ رہے ہیں کہ پرنٹ میڈیا کا استعمال کیونکر ممکن بنایا جائے۔ اسلامی تہذیب وثقافت دفن ہونے کو ہے اور ہم اپنے فروعی اختلاف میں جھگڑ رہے ہیں ، ہماری نوجوان نسل ذہنی طور پر مغرب کی غلام بن کر رہ گئی ہے اور ہم ابھی تک فروعی جزئیات میں جہاد برپا کیے بیٹھے ہیں، مغربی این جی اوز مسلمانوں کو خرید کر عیسائی بنا رہی ہیں اور ہم ابھی تک پوچھ رہے ہیں کہ این جی اوز ہوتا کیا ہے؟ این جی اوز کسے کہتے ہیں؟ معاشرتی تقاضے، معاشرتی اقدار اور افکار ونظریات بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں اور ہم ابھی تک اسی سوال کے جواب میں سرگرداں ہیں کہ معاشرتی تقاضے اور جدید افکار ونظریات ہیں کیا؟

مذکورہ سوالات پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ڈیڑھ سو سال پہلے اور آج کے مقاصد نصاب میں بڑا فرق ہے۔ اسوقت مقاصد نصاب کچھ اور تھے اور آج کل کچھ اور ہیں، اسوقت معاشرتی تقاضے کچھ اور تھے اور آج کل کچھ اور ہیں، اسوقت معاشرتی پکار کچھ اور تھی اور آجکل کچھ اور ہے اسوقت معاشرہ کچھ اور طرح کے افراد چاہتا تھا اور آج کل کسی اور خصوصیات کے حامل افراد کا تقاضا کر رہا ہے۔

ڈیڑھ سو سال کے درمیان معاشرتی اقدار وروایات، تہذیب وتمدن، تہذیب وثقافت ،افکار ونظریات، معاشرتی تقاضے اور معاشرتی ضروریات، زبان وبیان، تقریر وتحریر، نقل وروایات

Marfat.com

اس کے علاوہ ملکی حالات سمیت عالمی حالات میں واضح تبدیلیاں آچکی ہے تو اب ہم ان تبدیلیوں کو قبول کرنے سے کیوں ہچکچاتے ہیں جب یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے اور ہر شخص اس بات کا قائل نظر آتا ہے کہ ہمارے نظام تعلیم میں پڑھانے جانے والے نصاب (درس نظامی کا نصاب) کے مقاصد اسوقت کچھ اور تھے اور آجکل کچھ اور ہیں تو جب مقاصد بدل گئے تو ہم ان کے حصول کا ذریعہ کیوں نہیں بدلتے۔ اسی قدیم طریقے سے مقاصد کی تکمیل کیوں چاہتے ہیں؟ نصاب سازی کے عمل میں "مقاصد نصاب" کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ پہلے مقاصد نصاب کا تعین کیا جاتا ہے پھر ان کے مطابق تدریسی مواد کا انتخاب کیا جاتا ہے تیسرے نمبر پر اس مواد کی ترسیل کا بہترین ذریعہ ڈھونڈا جاتا ہے۔ ہم نے مقاصد نصاب تو بدل لئے اور کہتے ہیں کہ درس نظامی کا نصاب پڑھا ہوا طالب علم ہر شعبے میں امت کی رہنمائی کرے مگر ذرا غور کریں کہ کیا نئے مقاصد کے حصول کے لئے ہم نے تدریسی مواد بھی نیا مرتب کیا ہے۔ کیا طلبہ تک اس مواد کی ترسیل کے لئے طریقہ تدریس میں بھی بہتری لائے ہیں؟ یہ کیسی سوچ اور کیسی فکر ہے، یہ کسی تڑپ اور محنت ہے کہ مقصد تو نئے چن لئے مگر ان کے حصول کا ذریعہ نہ بدلا، انکی تکمیل اسی قدیم تدریسی مواد اور قدیم طریقہ تدریس سے چاہتے ہیں۔ وقت یہ نہیں کہتا ہے کہ ہم ترقی کے خواہاں نہیں اور نہ ہی وہ یہ کہتا ہے کہ ہم دنیا کو مسخر نہیں کرنا چاہتے، وقت نے کبھی یہ بھی نہیں کہا کہ ہم اپنے اوپر بنیاد پرست، قدامت پسند، تاریک خیال اور دہشت گرد جیسے لیبل چسپاں کروانے پر راضی ہیں، وقت نے کبھی یہ بھی شکایت نہیں کی کہ ہمارا ضمیر مر چکا ہے، کسی نے وقت کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ وہ ہماری عیش کوشیوں اور دل پسندیوں کا رونا رو رہا ہے اور نہ ہی کبھی وقت نے ہماری تڑپ اور محنت کا انکار کیا ہے، نہ تو کبھی وقت ہمارے اخلاص کا شکایت گو ہوا اور نہ ہی اس نے ہم پر دھوکہ بازی کا الزام لگایا۔ بلکہ وقت تو اس بات کا مقر ہے کہ ہم ترقی چاہتے ہیں اور جدید دور کیساتھ چلنے کے خواہاں ہیں وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ہم اپنے اوپر کسی بھی قسم کا لیبل چسپاں نہیں کروانا چاہتے وہ تو ہماری فکر، تڑپ لگن اور سوچ کا مدح سرا ہے، وہ تو ہمارے اخلاص وللہیت کا مغنی اور ہماری جہد مسلسل اور بے پناہ محنت و مشقت میں ترانہ ریز ہے۔ وہ یہ بات بھی بخوبی جانتا اور سمجھتا ہے اور اس پر شاداں و فرحاں ہے کہ ہم اپنے "مقاصد نصاب" میں تبدیلی کر کے جدید دور کے مطابق اپنے "مقاصد

Marfat.com

نصاب'' مقرر کر چکے ہیں مگر ذرا وقت کی پکار تو سنو، وہ کس بات پر شکایت گو ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تمہاری مثال ایسی ہی ہے کہ تم چاند پر تو جانا چاہتے ہو مگر اسی اپنی ایجاد کی ہوئی گدھا گاڑی پر بیٹھ کر تم ستاروں پر تو کمندیں ڈالنا چاہتے ہو مگر آلات کے استعمال کے بغیر، تم دنیا کو تو مسخر کرنا چاہتے ہو مگر صرف عربی زبان میں دس بارہ فنون پڑھ کر، تم بدن پرست ثقافت کے آگے بند باندھنا تو چاہتے ہو مگر الیکٹرانک میڈیا کی حرمت کے فتوے کیساتھ، تم مغرب کے فکری ونظریاتی چیلنجز کا مقابلہ تو کرنا چاہتے ہو مگر موجودہ وقت کے محاورے کو سمجھے بغیر، تم معاشرتی ضروریات اور معاشرتی تقاضوں کی تکمیل تو چاہتے ہو مگر ان کی تکمیل کے اسباب وعلل سمجھے بغیر۔

نصاب کیسا ہونا چاہیے؟

ماہرین تعلیم نے ایک اچھے نصاب کی درج ذیل خصوصیات ذکر کی ہیں۔

۱۔ اچھا نصاب وہ ہے جو طلبہ کی ذہنی عمر، نفسیاتی تقاضوں، رجحانات ومیلانات اور دلچسپیوں سے مطابقت رکھتا ہو۔

۲۔ ملکی، ملی اور معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔

۳۔ عملی زندگی کے قریب تر ہو۔

۴۔ وقتی ضرورتوں اور معاشرتی تقاضوں کے مطابق اسمیں حذف وترمیم کی گنجائش ہو۔

۵۔ نصاب معیار زندگی مہذب، پاکیزہ اور اعلیٰ اخلاقی اقدار اپنانے میں ممد ومعاون ثابت ہو۔

۶۔ نصاب طلباء اور اساتذہ میں تخلیق، تحقیق، جستجو اور مشاہدہ کی عادت کے علاوہ خود اعتمادی اور قوت فیصلہ بھی پیدا کرے۔

۷۔ نصاب معاشرتی مسائل کے حل کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۸۔ نصاب بتدریج آسان سے مشکل اور معلوم سے نامعلوم کی طرف لے جاتا ہو۔

۹۔ نصاب نہ تو زیادہ مختصر اور نہ ہی اتنا زیادہ طویل ہو کہ اسے پڑھنا مشکل ہو جائے۔

۱۰۔ نصاب ایسا ہو کہ جس کو پڑھنے کے بعد طلباء میں اتنی مہارت پیدا ہو جائے کہ وہ معاشرے سے مطابقت پیدا کر سکیں اور معاشرے کی اصلاح میں بہتر کردار ادا کر سکیں۔

۱۱۔ کردار سازی اور قیادت کی صلاحیتوں کی نشوونما میں معاون ومددگار ہو۔

Marfat.com

۱۲۔ اخوت، بھائی چارگی اور بین الاقوامیت پیدا کرنے میں معین ہو۔

اوپر ایک اچھے نصاب کی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں ان خصوصیات کے تناظر میں ہم اپنے نصاب کو پرکھ سکتے ہیں کہ ہمارا نصاب ایک اچھے نصاب کے کس قدر قریب ہے۔

نصاب کی بنیادیں

خواہ کوئی بھی عمارت ہو اس کی مضبوطی اور پختگی کا دار و مدار اسکی بنیادوں پر ہوتا ہے بنیادوں میں میٹریل جس قدر بہتر استعمال کیا جائے گا عمارت اتنی ہی زیادہ مضبوط و مستحکم ہوگی اور وہ عمارت طوفانوں، ہواؤں اور آندھیوں کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتی ہوگی اس کے برخلاف اگر میٹریل ناکارہ استعمال کیا گیا ہے تو وہ عمارت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی ہے اور نہ ہی اسمیں طوفانوں اور آندھیوں کا مقابلہ کرنے کی سکت ہوگی۔ بالکل اسی طرح نصاب کی بنیادیں اگر مضبوط ہوں یعنی وہ طلباء کے ذہنی، جسمانی، جذباتی، اخلاقی، روحانی، معاشی اور معاشرتی اختلافات کے مطابق ہوں، متعلمین کی ضروریات کی ترجمان ہوں تو بلاشبہ وہ ایک مکمل اور جامع نصاب کہلائے گا، جس کی بنیادوں کے مضبوط ہونے کی وجہ سے وہ تمام معاشرتی مسائل، عالمی حالات اور دیگر حوادثاتِ زمانہ کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتا ہوگا آئے روز بدلتے موسموں کے سامنے اپنا وجود قائم رکھ سکتا ہوگا۔

ویسے تو نصاب کی بہت سی بنیادیں ہیں مثلاً فلسفانہ بنیادیں، معاشی و معاشرتی بنیادیں، مذہبی بنیادیں وغیرہ۔ مگر یہاں ہم فقط نصاب کی معاشرتی اور نفسیاتی بنیادوں کا تذکرہ کریں گے۔

نصاب کی معاشرتی بنیادیں: جدید نظریئے کے مطابق تعلیم ایک معاشرتی عمل ہے اور تعلیم اور معاشرے کا چولی دامن کا ساتھ ہے، معاشرہ تعلیم کے لئے ٹارگٹ مقرر کرتا ہے اور تعلیم ان ٹارگٹ کو مکمل کر کے معاشرے کی اصلاح و بہبود کا بیڑا اٹھاتی ہے۔ نظام تعلیم کے تمام عناصر معاشرہ ہی مہیا کرتا ہے مثلاً معلم اور متعلم۔ پھر تعلیم ان پیش کردہ عناصر کو عمل میں لا کر ان میں حسنِ صورت کا رنگ بھر کر اسے واپس معاشرے کی جھولی میں ڈال دیتی ہے جو معاشرے کی اصلاح و

Marfat.com

تکمیل کر کے اسے عالمی برادری کے ہمراہ کھڑا دینے کے قابل بناتے ہیں۔

تعلیم اور معاشرے کا تعلق ایسا ہی ہے جیسے روح اور جسم۔ ایک امریکی مفکر تعلیم، تعلیم اور معاشرے کے درمیان باہمی تعلق کو واضح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''نصاب میں معاشرے کی تمام سرگرمیوں کو شامل ہونا چاہئے تا کہ طلباء معاشرے میں بہتر مطابقت حاصل کر سکیں۔ ان میں ثقافتی اور تمدنی شعور اجاگر ہو۔ نصاب ایسا ہونا چاہئے جو معاشرے کا ترجمان ہو نصاب کے تمام موضوعات اور عنوانات معاشرتی قدروں سے ہم آہنگ ہوں اور ان میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہونا چاہئے۔ نصاب سازی کرتے وقت معاشرتی تقاضوں پر خاطر خواہ توجہ دینی چاہئے تا کہ جدید معاشرتی تقاضوں کے مطابق نئے اور اچھوتے مضامین شامل نصاب کئے جا سکیں۔ معاشرتی فلاح و بہبود کو مدنظر رکھتے ہوئے نصاب ایسا متعین کرنا چاہئے جس کو پڑھنے سے طلباء میں اخوت، بھائی چارگی، مساوات، عدل وانصاف، صبر وشکر، محبت وشفقت، خدمت خلق کا جذبہ، اطاعت وفرمانبداری، والدین اور بڑوں کا ادب واحترام، توکل اور قناعت جیسے اوصاف حمیدہ پیدا ہوں۔ ان میں احساسِ ذمہ داری، مل جل کر کام کرنے کا جذبہ، محنت کی عادت اور اخلاق حسنہ اپنانے کی خواہش پیدا ہو۔

اس ساری بحث کا مدعا یہ ہے کہ ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ نصاب سازی میں معاشرتی تقاضوں، معاشرتی ضروریات، جدید افکار ونظریات اور ملی وملکی مسائل کی اہمیت کس قدر ہے۔

نصاب کی نفسیاتی بنیادیں: آج کا دور ایک ترقی یافتہ دور ہے اور اس دور میں نفسیات کو نظر انداز کرتے ہوئے نصاب سازی کا تصور بھی محال ہے۔ قدیم زمانے میں نفسیات پر بالکل توجہ نہ دی جاتی تھی اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ قدیم زمانے میں عمل تعلیم میں متعلم کے بجائے معلم کو مرکزیت حاصل تھی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ متعلم کو ثانوی درجے پر سمجھا جاتا اور اسکے مسائل اور مشکلات اور اس کی نفسیات سمجھے بغیر نظام تعلیم رواں دواں تھا۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں جدید نظریے کے مطابق متعلم کو مرکزیت حاصل ہے اور پورا نظام تعلیم اسی کی تعمیر وتشکیل کے لئے موضوع ہے۔ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ کوئی بھی نصاب اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک اس میں طلباء کے نفسیاتی تقاضوں اور ان کے انفرادی اختلافات کو مدنظر نہ رکھا جائے۔

Marfat.com

نصاب سازی کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ مقاصد تعلیم کا حصول با آسانی یقینی ہو سکے۔ تعلیمی مقاصد میں طلباء کی شخصیت وانفرادیت کی تعلیم کو بنیادی مقام دیا جاتا ہے ایسی صورت میں اگر نفسیات کو نظر انداز کر دیا جائے تو گویا متعلم کی شخصیت وانفرادیت کو نظر انداز کر دینا ہے۔ اگر کوئی نصاب متعلمین کے تعلیمی مسائل کو بالائے طاق رکھ کر مرتب کیا جائے تو اس سے کبھی بھی خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں کیے جاسکتے۔ کیونکہ تعلیمی مسائل متعلم کی کردار سازی میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ جدید دور کے ماہرین اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ نصاب سازی میں متعلمین کے نفسیاتی اور ان کے انفرادی اختلافات کا مکمل خیال رکھنا چاہیئے اور جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ان کی شخصیت کو پروان چڑھانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔ طلباء نصاب میں شامل تدریسی مواد کا مطالعہ جب ہی کر سکیں گے اگر وہ ان کی نفسیات کے مطابق ہو، وہ کچھ تب ہی سیکھیں گے جب وہ سیکھنے کیلئے تیار ہوں گے ایسا نصاب جو نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھ کر مرتب نہیں کیا جاتا وہ کبھی قابلِ عمل نہیں ہوتا۔ نصاب سازی کرتے وقت قانونِ آمادگی کو مدنظر رکھنا چاہیے، اگر نصاب طلباء کی جبلتوں، ان کے تقاضوں، ان کی نفسیات اور ان کی ضرورتوں کے مطابق ہو تب ہی وہ ان کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوگا بصورتِ دیگر اول تو طلباء ایسا نصاب قبول ہی نہ کریں گے اور اگر زبردستی ان پر ٹھونس بھی دیا جائے تو وہ محض رسم دنیا سمجھ کر خانہ پوری کریں گے اور بس۔

نصاب سازی کے بنیادی اصول:

ماہرین تعلیم نے تدوین نصاب کے موضوع پر بہت کام کیا ہے اور بہت معیاری کام کیا ہے۔ اکثر ماہرین نے اپنے اپنے نقطہ نظر کے مطابق تدوین نصاب کے اصول وضع کیئے ہیں اور تجربہ کے طور پر انہیں استعمال بھی کیا ہے۔ ہم تمام ماہرین کے اصولوں پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے حذف واضافہ کے ساتھ تدوین نصاب کے اصولوں کو ذکر کرتے ہیں۔

ا۔ اصول صحت

طلباء کیلئے جو تدریسی مواد یا علوم وفنون منتخب کیے جاتے ہیں وہ ایسے ہونے چاہیں جو مسلم اور قومی مقاصد کی صحیح عکاسی کرتے ہوں۔ منتخب شدہ تدریسی مواد معاشرے کے فلسفۂ حیات

Marfat.com

کے ساتھ مکمل ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مقاصد کچھ اور ہوتے ہیں جب کہ تدریسی مواد کچھ اور پڑھایا جاتا ہے یعنی تدریسی مواد اور مقاصد میں کوئی ہم آہنگی نہیں ہوتی حتیٰ کہ ہمارے اداروں میں یہاں تک کمی پائی جاتی ہے کہ کوئی فن پڑھایا جا رہا ہے مگر اس کے مقاصد نہ معلم کو معلوم ہیں اور نہ ہی متعلم کو محض رسم دنیا پوری کرنے کیلئے خوب وقت گزاری ہوتی ہے اور وقت جیسے قیمتی ہیرے کی تضییع کی جاتی ہے۔ فی الجملہ یہ کہ تدوین نصاب میں اصولِ صحت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

۲۔ اصول جامعیت

اصولِ جامعیت کا مطلب ہے کہ نظامِ تعلیم کے جو مقاصد مقرر کیئے گئے ہیں تدریسی مواد ان سب پر محیط ہونا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ نصاب ہر مقصد پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس سے تیسرا پہلو آپ یہ نکال سکتے ہیں کہ اس میں ذہنی، روحانی، اخلاقی، جذباتی، مہاراتی، معاشی و معاشرتی غرضیکہ ہر پہلو کی ترقی کیلئے مناسب وموزوں سرگرمیاں موجود ہونی چاہئیں۔ ہمارے اداروں میں عموما اس امر سے غفلت برتی جاتی ہے کہ بعض مقاصد کی تکمیل کیلئے کوشش ہی نہیں کی جاتی بلکہ یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ وہ خود بخود پورے ہو جاتے ہیں مثلا اخلاقی تربیت کیلئے ہماری کتب مواد سے بھری پڑی ہیں مگر ہم ان کو طلبہ کی سیرت کا حصہ بنانے کیلئے سرگرمیوں کا انعقاد نہیں کرتے، نتیجتاً طلبہ کا علم کتابوں تک محدود رہتا ہے اور وہ عملی زندگی میں اخلاقی اقدار سے بالکل کورے ہوتے ہیں۔

۳۔ اصولِ تناسب

نصاب سازی کرتے وقت اس امر کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے کہ تدریسی مواد طلبہ کی ذہنی، جسمانی اور معاشرتی سطح کے مطابق ہو۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ جو نفسِ مضمون، تدریسی مواد یا علوم وفنون ہم نصاب میں شامل کر رہے ہیں وہ متعلم سیکھ بھی سکتا ہے یا نہیں؟

۴۔ اصولِ موزونیت

تدوین نصاب کے وقت یہ نکتہ مدنظر رہے کہ نصاب حال اور مستقبل کی معاشرتی زندگی

Marfat.com

کیساتھ مکمل مطابقت رکھتا ہو اور پورے ثقافتی ورثے کا پرتو ہو۔ زمانے کی ترقی کیساتھ معاشرتی زندگی میں تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ لوگوں کے رہن سہن، طور اطوار، بول چال، آدابِ گفتار، اقدار و روایات، افکار و نظریات، سوچ، فکر، عمل، مہارتوں، پیشوں اور تعلقات میں تغیرات کا وقوع ہمارے سامنے ہے۔ مشینی کام نے آسانی اور سہولتوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ ان حالات میں اگر ادارہ ان تبدیلیوں کا ساتھ نہیں دے سکتا تو وہ ایک ایسی تعلیم دے رہا ہے جو متعلم کو معاشرے میں جذب ہونے اور اپنے فرائضِ منصبی ادا کرنے کے قابل نہیں بناتی۔ معلوم ہوا نصاب میں ایسے علوم وفنون، تدریسی مواد اور تجربات شامل کرنے ہوں گے جو متعلم کو معاشرے میں مطابقت پیدا کرنے کا اہل بنا دیں۔ وہ اپنے ان تجربات کی بنیاد پر اپنی زندگی کو معاشرے کا مفید رکن بن کر گزار سکیں۔ اگر نصاب جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں تو وہ متعلمین کیلئے کوئی افادیت نہیں رکھتا۔

۵۔ اصولِ اہمیت

نصاب سازی کرتے وقت یہ بات یاد رہے کہ نفسِ مضمون یا تدریسی مواد کو اس کی اہمیت کے مطابق جگہ دی جائے بعض چیزیں وقت گزرنے کے ساتھ اپنی اہمیت کھو بیٹھتی ہیں اس لئے محض تقلید کرتے ہوئے کسی مضمون کو شاملِ نصاب نہیں کرنا چاہیے۔ پہلے دیکھا جائے کہ موجودہ دور میں اس مضمون کی کوئی اہمیت ہے یا نہیں؟ پھر اس کے بعد اس کی شمولیت یا عدمِ شمولیت کا فیصلہ کیا جائے۔

☆☆☆☆

Marfat.com

حصہ دوم

حضرت مولنا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمہ اللہ تعالیٰ (ناظم جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ انڈیا) بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسی صفات رکھی تھیں جو کسی دوسرے میں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔ خاص کر طلباء کے ساتھ تو حضرت انتہائی شفقت ومحبت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دفعہ ایک طالبعلم بیمار ہوگیا اور قئے کی وجہ سے اس کے سارے کپڑے گندے ہوگئے۔ حضرت کے ساتھ اور بھی طلباء موجود تھے لیکن حضرت آگے بڑھے اور اس کے کپڑے وغیرہ دھوئے اور اسے خوب اچھی طرح صاف کیا۔ طلباء نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ حضرت آپ رہنے دیں ہم اپنے ساتھی کی دیکھ بھال کر لیتے ہیں لیکن حضرت نے تمام طلباء کو پیچھے کر دیا اور یہ کام خود کیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ مدرسہ عربیہ (جہاں حضرت مہتمم تھے) میں ایک عرصہ تک لکڑیاں جنگل سے آیا کرتی تھیں چونکہ جنگل بہت دور تھا اس لئے ببول اور کھجور کے کانٹوں سے گزرتے ہوئے جانا پڑتا تھا۔ بسیارِ احتیاط کے باوجود بعض اوقات وہ کانٹے پاؤں میں چبھ جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک طالبعلم کے پاؤں میں کھجور کا ایک لمبا اور مضبوط کانٹا چبھا اور ٹوٹ گیا۔ طلباء نے مقدور بھر کوشش کی لیکن کانٹا نہ نکال سکے کیونکہ طلباء کانٹا ہاتھ سے پکڑ کر نکالنا چاہتے تھے لیکن وہ ہاتھ سے نہیں نکل سکتا تھا۔ حضرت کو خبر ہوئی تو فرمایا: لاؤ میں نکال دیتا ہوں۔ حضرت نے اس طالبعلم کا پاؤں پکڑا اور اپنے منہ کیطرف لے گئے تاکہ دانتوں سے پکڑ کر کانٹا نکال دیں۔ یہ دیکھ کر طلباء بے اختیار پکار اٹھے کہ حضرت! آپ چھوڑ دیجئے ہم نکال دیتے ہیں مگر حضرت نے ان کے کہتے کہتے اپنے منہ کیساتھ کانٹا نکال دیا اور فرمایا: یہ حق مجھ ہی کو تھا کیونکہ یہاں میں ہی تمہارے لئے ماں باپ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کے اندر دین کی تڑپ اور لگن رکھی تھی کہ ہر وقت دین کی سربلندی کیلئے فکرمند رہتے تھے۔ حضرت کا نظریہ تھا کہ طلباء ہی معاشرے کا سرمایہ ہیں اور ان ہی کے ذریعے معاشرتی انقلاب ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت نے طلباء کی اصلاح کیلئے مشہور زمانہ کتاب "آداب المتعلمین" لکھی جو بذاتِ خود ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ اسی طرح حضرت نے

Marfat.com

''معلمین'' کی اصلاح اور اپنے فرائض کی کما حقہ ادائیگی کیلئے بھی ایک مختصر سا رسالہ ''آداب المعلمین'' کے نام سے لکھا جو بے حد مقبول ہوا۔ راقم کی نظر سے یہ رسالہ گزرا تو دل ہی دل میں سوچا کہ اس کے چیدہ چیدہ اقتباسات کتاب ھذا میں ذکر نہ کرنا کتاب کی افادیت کو کمزور کرنے کے مترادف ہوگا چنانچہ اس وقت سے ارادہ کر لیا کہ اس کے بعض اہم عنوانات کو اس کتاب میں ضرور سمویا جائے گا لہذا اس ارادے کی تکمیل کیلئے حضرت کے ملفوظات کو نقل کیا جا رہا ہے۔

شاگردوں پر شفقت اور نرمی

استاد کو چاہئے کہ شاگردوں پر شفقت کرے اور ان کو اپنے بیٹوں کے برابر جانے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

انما انا لکم مثل الوالد لولدہ

''میں تمہارے لئے ایسا ہوں جیسا کہ والد اپنے بیٹے کے لئے''۔

ابو ہارون عبدی اور شہر بن حوشب کہتے ہیں، جب ہم طالب علم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو فرماتے، خوش آمدید وصیۃ رسول اللہ خوش آمدید۔ سنو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب زمین تمہارے لئے مسخر کر دی جائے گی اور تمہارے پاس کم عمر آئیں گے جو علم کے بھوکے پیاسے ہوں گے، تفقہ فی الدین کے خواہشمند ہوں گے اور تم سے سیکھنا چاہیں گے پس جب وہ آئیں تو انہیں تعلیم دینا، مہربانی سے پیش آنا، ان کی آؤ بھگت کرنا اور حدیث بتانا...... (جامع بیان العلم)

معلم کو چاہئے کہ کبھی غصہ اور طیش میں آ کر بچوں کو سزا نہ دے کیونکہ کوئی حکیم غصہ میں بھرا ہوا مریض کے مرض کو ختم نہیں کر سکتا، غصہ میں دل قابو میں نہیں رہتا، جب استاد کا دل ہی قابو میں نہیں تو وہ شاگرد کو کیسے اپنے قابو میں لا سکتا ہے، اس میں تو اور خرابی کا اندیشہ ہے۔

کی نصیحت بری طرح ناصح　　　اک اور بس ملا دیا دس میں

تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ سخت کلمات کی بہ نسبت نرم کلمات زیادہ مؤثر ہوتے ہیں، یہ حماقت ہے کہ جس برتن میں آدمی کچھ ڈالنا چاہے پہلے ہی اس میں سوراخ کر دے، جب شاگرد کے دل کو اپنی سختی اور مار پیٹ سے چھلنی کر دے گا تو اس میں خیر کی بات کس طرح ڈال سکے گا۔

Marfat.com

خوف دلانے اور دباؤ ڈالنے سے خواہ وقتی طور سے کام چل جائے مگر یہ کامیابی عارضی ہوتی ہے اور آج کل تو وقتی کامیابی بھی نہیں ہوتی بلکہ ایک فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے جو اراکین اور ذمہ دار حضرات کے لئے انتہائی پریشانی اور مدارس کے لئے ناقابل تلافی نقصان کا باعث ہوتا ہے۔

جو استاد اخلاقی برائیوں کو حسن خلق کے ذریعہ رفع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا وہ استاد کہلانے کا مستحق نہیں، اصل بات یہ ہے کہ عام طور سے اساتذہ کو اپنی بدخلقیوں کی طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی اور نہ اپنی اصلاح کی فکر ہوتی ہے، بزعم خود اپنے کو کامل سمجھ لیتے ہیں اور ناقص جب اپنے کو کامل سمجھ لے تو اس سے جو بھی فتنہ اٹھ کھڑا ہو وہ کم ہے۔

یاد رکھئے! چھوٹے بچوں کے دل میں رعب اور خوف کا سمانا ایسا ہی برا ہے جیسا نرم و نازک پودے پر بادِ صرصر کا تند جھونکا یا پھولوں پر لُو کا چلنا۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ استاد کو بردبار اور حلیم الطبع ہونا چاہئے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا جب تک تیرا غصہ باقی ہے، اپنے آپ کو اہل علم شمار نہ کر۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ معلم کو مہر و محبت کا مجسمہ ہونا چاہئے درشت خو آدمی کی بات سننے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ حد یہ ہے کہ مریض کڑوی دوا کو یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ یہ مرض زائل کرے گی پینے سے گریز کرتا ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے:

ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضو من حولک (پارہ ۴)

تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ استاد مشفق کا لڑکا بھی عالم ہوتا ہے، کیونکہ استاد کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے شاگرد عالم بن جائیں اس لئے اس آرزو کی برکت اور اس کی شفقت کی وجہ سے اس کا لڑکا بھی عالم ہو جاتا ہے۔

برہان الائمہ سب طلبہ سے فارغ ہونے کے بعد دوپہر کے وقت اپنے دونوں لڑکوں کو پڑھاتے تھے، لڑکوں نے کہا کہ اس وقت پڑھنے میں طبیعت نہیں لگتی فرمایا: جو طلبہ دور دور سے میرے پاس آتے ہیں، میرے لئے ضروری ہے کہ پہلے انہیں پڑھاؤں ان لڑکوں نے اس میں مزاحمت نہ کی اس کی برکت سے اپنے زمانہ کے بڑے عالم ہوئے اور اپنے ہمعصروں پر فوقیت لے گئے۔

Marfat.com

آج کل صاحبزادگی کے مرض کا شکار ہو کر اکثر اساتذہ کے لڑکے جاہل رہ جاتے ہیں، یا دوسری لائن اختیار کر لیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ علم اس گھر سے ختم ہو جاتا ہے، دوسرے طلبہ کے مقابلہ میں کبھی اپنی اولاد کو ترجیح نہ دینا چاہئے۔

امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ دوسرا دیکھے تو سمجھے کہ یہ تمہاری اولاد ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ علمی مجالس میں خصوصیت کے ساتھ غصہ سے پرہیز کرو۔

امام ربانی کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک طالب علم فرش پر بیٹھا قرآن مجید پڑھ رہا تھا، حضرت نے خیال کیا تو اپنے نیچے فرش زیادہ پایا۔ فی الفور زائد فرش اپنے نیچے سے نکال کر اس طالب علم کے نیچے بچھا دیا۔

احقر نے اپنے استاد مولانا سید امین الدین صاحب سے جو احقر کے رشتہ میں ماموں بھی ہیں، سنا ہے فرماتے تھے کہ حضرت مولانا سید ظہور الاسلام صاحب ربانی بانی مدرسہ اسلامیہ فتح پور کے زمانہ میں ایک بنگالی طالب علم سخت بیمار ہوا اور حالت اخیر معلوم ہونے لگی، مولانا تشریف لے گئے تو اس طالب علم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، حضرت مولانا نے تسلی دی اور فرمایا گھبراؤ نہیں تم انشاء اللہ اچھے ہو جاؤ گے اور اس کے بعد سجدہ میں دیر تک دعاء مانگتے رہے، فرمایا اے اللہ! اگر جان ہی لینا طے ہو تو ظہور الاسلام کا بچہ عطیۃ اللہ حاضر ہے، یہ طالب علم پردیسی ہے، میری امانت میں ہے اس کو صحت عطا فرما، حضرت الاستاد نے فرمایا کہ تھوڑی دیر میں گھر سے اطلاع آئی کہ عطیۃ اللہ کی حالت غیر ہے، جلد تشریف لائیے حضرت مولانا پہنچے تو انتقال ہو چکا تھا، حضرت کا یہی اکلوتا اور ہونہار لڑکا تھا، اللہ پاک باپ بیٹے دونوں کی قبر کو نور سے بھر دے۔

؎ بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اسلام کی شفقت کے یہ نمونے ہیں، آج ذرا سی اور معمولی سی بات پر طلبہ کی اس قدر پٹائی ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے ایک دشمن قبضہ میں آ گیا ہے جس سے جی بھر انتقام لینا ہے۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے تو سبق یاد نہ ہونے پر بھی استاد کے مارنے کو منع

Marfat.com

فرمایا ہے، چنانچہ خانقاہ میں سخت تاکید تھی کہ کوئی استاد طالب علم کو نہ مارے اس کی اطلاع تعلیم کے ذمہ دار کو دی جائے وہ مناسب سزا تجویز کرے گا استاد کی طرف سے طالب علم کے دل میں اگر تکدر ہو گیا تو پھر اس کو فیض نہیں ہو سکتا، نیز بسا اوقات جو کچھ یاد ہوتا ہے، مارنے کے خوف کی وجہ سے بھول جاتا ہے۔ بعض اساتذہ تو چہرے پر مارنے سے بھی اجتناب نہیں کرتے حالانکہ حدیث پاک میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔ یہ مارنے والے اس پر غور کریں کہ ہم اپنے بارے میں کیا چاہتے ہیں۔

کیا طالب علمی کے زمانہ میں ہماری بھی یہی خواہش رہی ہے کہ روزانہ بدن پر چھڑیاں اور قمچیاں لگائی جائیں، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر شاگرد کے لئے کیوں پسند کیا جا رہا ہے؟

امام سفیان ابن عینیہ رحمہ اللہ ایک مرتبہ کسی بات پر طلبہ سے ناراض ہو گئے اور فرمایا "لقد هممت ان لا احدثكم شهرا" (میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ ایک ماہ تک درس نہ دوں) یہ سن کر ایک نوجوان طالب علم نے عرض کیا:

یا ابا محمد الن جانبک وحسن قولک وتاس بصالحی
سلفک واجمل مجالسة جلسائک فقد اصبحت بقية الناس
وامينا لله ورسوله على العلم

(اے ابو محمد! آپ نرمی فرمایئے اور اچھی بات کیجئے اپنے اسلاف کرام کی پیروی کیجئے، اپنے حلقہ نشینوں کے ساتھ اچھا سلوک کیجئے کیونکہ آپ بقیۃ السلف ہیں، اللہ اور اس کے رسول کے علم کے امین اور ذمہ دار ہیں)...... امام ابن عینیہ نے جب طالب علم سے یہ بات سنی تو نرم پڑ گئے اور رقت طاری ہو گئی، بہت روئے اور یہ شعر پڑھا۔

خلت الديار فسدت غير مسود
ومن البلاء تفردي بالسودد

(بستیاں خالی ہو گئیں تو میں بغیر سردار بنائے سردار بن گیا اور تنہا میری سرداری میرے لئے بڑی آزمائش ہے۔)

پھر تمام طلبہ کو پڑھانا شروع کر دیا اور وہ سب آپ کی درسگاہ سے پورے طور پر

Marfat.com

فیضیاب ہو کر واپس ہوئے۔(مقدمۃ الحقوق للشیخ عبدالقادر مغربی)

اگر ہمارے اسلاف اس طرح تحمل اور نرمی سے کام نہ کرتے تو علم دین ہم تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا تھا۔اصل بات یہ ہے کہ ان کے اندر علم دین کی اشاعت کا جذبہ تھا اس لئے سب کچھ برداشت کرتے تھے، ہمارے دل اس سے خالی ہیں۔

درس وتدریس میں اخلاص نیت

استاد کو چاہئے کہ تعلیم کے بارے میں صاحب شریعت حضور اکرم ﷺ کی اقتداء کرے یعنی علم سکھانے میں اجرت کا خواہاں نہ ہو، تعلیم سے مقصود دنیا کمانا نہ ہو بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور آخرت کے لئے یہ کام کرے۔جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کرے۔اس کی علامت یہ ہے کہ محض دنیاوی راحت اور عیش کے لئے اور تنخواہ کی زیادتی کی وجہ سے ایک درسگاہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ نہ چلا جائے، اگر ایسا کیا تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس نے علم کو دنیا کی کمائی کا ذریعہ بنایا ہے جس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے سخت وعید بیان کی ہے۔ارشاد فرمایا:

من تعلم علما مما يبتغى به وجه الله لا يتعلمه الا ليطلب به عرضا من الدنيا لم يجد عرف الجنة يعنى ريحها" (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)(جس نے ایسا علم سیکھا جس سے اللہ کی رضامندی حاصل کی جاسکتی ہے لیکن اس کا مقصد دنیا ہے تو ایسے شخص کو جنت کی ہوا تک نہیں پہنچے گی۔)

یحیی بن معاذ کہتے ہیں کہ علم وحکمت سے جب دنیا طلب کی جائے تو ان کی رونق چلی جاتی ہے۔
حضرت عمرؓ فرماتے ہیں جس عالم کو دنیا سے محبت رکھنے والا دیکھو اس کو دین کے بارے میں متہم سمجھو اس لئے کہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اسی میں گھسا کرتا ہے۔عالم کو چاہئے کہ دل میں حرص اور لالچ نہ آنے پائے، بسا اوقات اس عادت کی بناء پر ذلت اٹھانی پڑتی ہے، اگر ذلت کے ساتھ ظاہری عیش کچھ حاصل ہو گئی تو کیا عقلمندی ہوئی۔

بئس المطاعم حين الذل تكسبها
القدر منتصب والقدر مخفوض

(وہ کھانے کس قدر برے ہیں جن کو ذلت کے ساتھ تو حاصل کر رہا ہے کہ ہانڈی تو

Marfat.com

چولہے پر چڑھی ہے لیکن عزت خاک میں مل رہی ہے۔)

نانم افزود و آبرویم کاست
بینوائی بہ از مذلت درخواست

(سوال نے میری روزی تو بڑھادی اور عزت گھٹادی، سوال کی اس ذلت سے تو فقر و فاقہ ہی کی زندگی اچھی تھی)

اے طائر لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اگر ممکن ہو تو دین کی خدمت بلا معاوضہ کرے یا پھر کم از کم اتنا کرے کہ جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کرے اور صبر و شکر کے ساتھ کام میں لگا رہے، اللہ پر بھروسہ رکھے کہ جس کا کام کر رہا ہے وہ حالات سے واقف ہے غیب سے سامان پیدا کرے گا ہمارے اسلاف میں بکثرت ایسے حضرات ملتے ہیں۔

خطیب نے کفایہ میں نقل کیا ہے کہ مشہور حافظ حدیث حماد بن سلمہ کا ایک شاگرد بحر چین کی تجارتی مہم پر روانہ ہوا اور وہاں سے کافی روپیہ کما کر لایا۔ حماد استاد تھے، بطور تحفہ کے بعض چیزیں پیش کیں، حضرت حماد نے فرمایا کہ ان دو باتوں میں سے ایک کو قبول کرو۔ چاہو تو تمہارے تحائف قبول کرلوں لیکن پھر تم کو حدیث نہ پڑھاؤں گا اور اگر چاہتے ہو کہ تمہیں حدیث پڑھاؤں تو پھر ہدیہ نہ قبول کروں گا۔ (کفایہ ص ۱۵۳)

ابو عبدالرحمٰن سلمی کی خدمت میں عمر بن حریث نے کچھ اونٹ بطور ہدیہ پیش کئے آپ نے یہ کہہ کر واپس کردیئے کہ ہم نے تمہارے لڑکے کو قرآن پڑھایا ہے اور کتاب اللہ پر ہم اجرت نہیں لیتے۔ (طبقات ابن سعد)

عیسیٰ بن یونس جو رواۃ حدیث میں بڑے ممتاز مقام کے مالک ہیں تین پشتوں سے مسلسل ان کے خاندان میں حفاظ حدیث پیدا ہوتے چلے آرہے تھے۔ ایک مرتبہ ہارون الرشید کے مشہور وزیر جعفر برمکی نے ایک لاکھ درہم ان کی خدمت میں پیش کئے لیکن بالکل قبول نہ کیا اور فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کی قیمت کھاؤں۔ (تذکرہ ص ۲۵۸ ج ۱)

Marfat.com

ایک مرتبہ انھیں کی خدمت میں مامون الرشید نے حدیث سننے کے بعد کافی رقم پیش کی لیکن انکار کر دیا اور فرمایا: "لا شربة ماء" (ہرگز نہیں! پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں)

زکریا بن عدی جو صحاح کے راویوں میں سے ہیں، ان کے حالات میں ذہبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ ان کی آنکھیں دکھنے آئیں، ایک شخص سرمہ لے کر حاضر ہوا پوچھا کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جو مجھ سے حدیث سنتے ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں! فرمایا: پھر میں سرمہ کیسے لے سکتا ہوں؟ کیونکہ حدیث سنانے کا معاوضہ ہو جائے گا۔

ابراہیم الحربی باوجودیکہ ان کی زندگی فقر و فاقہ کی تھی، ان کی خدمت میں متعدد بار خلیفہ وقت معتضد باللہ نے بڑی بڑی رقمیں بھیجیں لیکن قبول نہ کیا، قاصد سے ایک مرتبہ عاجز ہو کر کہا کہ خلیفہ سے کہہ دو کہ ہم کو پریشان نہ کریں یا تو رقم بھیجنا بند کر دیں ورنہ ہم یہاں سے دوسری جگہ چلے جائیں گے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ صاحب کی خدمت میں پانچ سو روپے تنخواہ کی پیشکش کی گئی جو آج کل کے حساب سے کئی ہزار کی رقم ہوتی ہے، فرمایا: مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں مگر میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا یہ کہہ کر انکار کر دیا اور لوجہ اللہ دین کی خدمت میں لگے رہے۔

حضرت استادی شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں ڈھاکہ حیدر آباد سے کئی مرتبہ خطوط آئے لوگوں نے باصرار بلانا چاہا، اور آج کل کے حساب سے تقریباً تین ہزار ماہوار تنخواہ مقرر کی مگر حضرت نے منظور نہ فرمایا اور یہ لکھ کر انکار کر دیا۔

مجھے جینا ہی نہیں ہے بندۂ احساں ہو کر

اور بغیر معاوضہ کے جو کام تدریس و تالیف کا مظاہر العلوم میں کر رہے تھے اسی میں لگے رہے "متعنا الله تعالیٰ بطول حیاته"

ایک مرتبہ مولانا مرتضی حسن صاحب نے حضرت حکیم الامت سے عرض کیا: حضرت! تنخواہ لینے میں میری طبیعت کو الجھن ہوتی ہے کیونکہ یہ تو صاف دین فروشی ہے۔ حکیم الامت نے جواب دیا: ہرگز یہ دین فروشی نہیں، آج کل تنخواہ لینی چاہئے کیونکہ اس سے کام اچھی طرح ہو گا اور اس کا بار طبیعت پر رہے گا اور بدون تنخواہ لئے کام کا بار نہیں ہوتا، مولانا مرتضی حسن صاحب نے عرض کیا:

Marfat.com

تنخواہ لینے میں یہ تو مصلحت معلوم ہوئی مگر اس ضرر کا کیا علاج ہے کہ اس میں دین فروشی ہے؟ اس کے جواب میں حضرت حکیم الامت نے فرمایا: اس کی پہچان کہ دین فروشی ہے یا نہیں؟ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ایک جگہ اتنی تنخواہ ملتی ہے کہ اس کے گزارہ کے لئے کافی ہے پھر دوسری جگہ اس سے زیادہ تنخواہ مل رہی ہے جس میں پہلی جگہ سے زیادہ دینی خدمت کی صورت نہیں ہے تو اگر وہ پہلی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے تو بے شک دین فروشی ہوگی۔

نہایت افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ اس دور میں دینی خدمت میں بھی دنیا مقصود ہوتی ہے، کم ایسے لوگ ملیں گے جو دین کی خدمت برائے دین کرتے ہوں چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک جگہ عمر کا ایک حصہ گذارنے کے بعد جیسے ہی زیادہ رقم کی جگہ ملتی ہے تو اس جگہ چلے جاتے ہیں، خواہ جہاں سے جا رہے ہیں وہاں دین کا کتنا ہی نقصان ہو جائے اور جہاں جا رہے ہیں وہاں کچھ بھی کام نہ ہو سکے۔

حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب پانی پتی بعد نماز فجر سے مسلسل عصر تک اور کبھی مغرب تک درس دیتے، کسی دن دو پہر کو آرام کا موقع مل جاتا ہر فن میں عبور تھا، دوسرے مقامات سے بڑی بڑی تنخواہوں پر بلایا جاتا تھا مگر مدرسہ عربیہ گنبدان پانی پت کو چھوڑ کر کہیں تشریف نہیں لے گئے اور ۲۵ روپے مشاہرہ پر زندگی گذار دی۔

شاگردوں کے ساتھ خیر خواہی

سبق کا ناغہ نہ کرے، اگر کسی مجبوری سے ناغہ ہو جائے یا کسی طالب علم سے مجبوراً سبق کا ناغہ ہوا ہو تو اس کی تلافی مختلف اوقات میں کر دے اگر اس قسم کی بیماری میں طالب علم مبتلا ہے کہ اپنی قیام گاہ سے اس کے پاس نہیں آسکتا تو اس کے لانے کا کوئی انتظام کر دے، اگر یہ نہیں کر سکا تو خود ہی اس طالب علم کے پاس جا کر سبق پڑھا دے اس معاملہ میں سلف کی زندگی اور ان کی محنت کو سامنے رکھے۔

ربیع بن سلیمان کہا کرتے تھے: امام شافعی نے مجھ سے کہا اگر میں تجھے علم گھول کر پلا سکتا تو ضرور پلا دیتا۔

حضرت سفیان ثوری بقسم فرماتے کہ واللہ یہ طالب علم اگر میرے پاس نہ آسکیں تو میں

Marfat.com

خود ان کے پاس جا کر ان کو علم سکھاؤں، ایک شخص نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ یہ طالبعلم تو بغیر نیت کے علم حاصل کرتے ہیں، آپ نے جواب دیا: علم حاصل کرنا ہی نیت ہے۔

پڑھا ہوا سبق جب تک طالب علم نے یاد نہ کر لیا ہو اگلا سبق نہ پڑھائے اور آسانی کے لئے پڑھے ہوئے سبق کے متعلق سوالات تحریر کر دے اور دوسرے دن زبانی جواب ان سے پوچھے، ہفتہ میں کم از کم ایک دن علمی سوالات ان سے کیا کرے تا کہ ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا رہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سواری پر میں ردیف تھا، آپ نے ایک سوال کیا اور فرمایا کہ معاذ! کیا تجھے معلوم ہے کہ لوگوں پر خدا کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو بہتر علم ہے فرمایا: لوگوں کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں پھر فرمایا: معاذ! کیا تو جانتا ہے کہ خدا پر لوگوں کا کیا حق ہے؟ اگر وہ ایسا کریں، میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو بہتر علم ہے۔ فرمایا: خدا پر اس قسم کے لوگوں کا حق یہ ہے کہ انہیں عذاب نہ دے، میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ لوگوں کو اس کی بشارت دے دوں؟ فرمایا نہیں عمل کرنے دو۔ (مشکوۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور اس کی مثال مومن کی سی ہے، بتاؤ وہ کون سا درخت ہے، صحابہ کے خیالات جنگلوں کے درختوں کی طرف دوڑنے لگے، میرے دل میں خیال آیا ہو نہ ہو وہ کھجور کا درخت ہے لیکن شرم کی وجہ سے میں بول نہ سکا۔ آخر صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اب حضور ہی فرما دیں وہ کون سا درخت ہے؟ فرمایا وہ کھجور ہے، میں نے یہ واقعہ اپنے والد عمرؓ بن الخطاب سے بیان کیا تو کہنے لگے کاش تو نے دل کی بات کہہ دی ہوتی۔ (جامع بیان العلم)

سعید بن مسیب نے اپنے شاگردوں سے سوال کیا: وہ کون سی نماز ہے، جس کی سب رکعتوں میں آدمی بیٹھتا ہے؟ شاگرد جواب نہ دے سکے تو فرمایا وہ مغرب کی نماز ہے، جب پہلی رکعت فوت ہو جائے اور دوسری رکعت میں تم شریک ہو تو ہر رکعت میں بیٹھو گے۔ (جامع بیان العلم)

Marfat.com

اگر معلوم ہو جائے کہ سبق میں کوئی غلطی ہوگئی ہے تو فوراً رجوع کر لے اور طالب علم سے کہہ دے کہ فلاں بات میں نے غلط کہی تھی، صحیح مطلب یہ ہے اور اگر طالب علم عبارت کا مفہوم صحیح بتا رہا ہو تو اس کی بات مان لے اس میں استاد کی بڑائی ہے، اس کی توہین نہیں ہوتی بلکہ اس کی دیانت داری اور امانت کا سکہ شاگرد کے دل میں بیٹھ جائے گا۔

محمد بن کعب قرظی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ سے ایک مسئلہ پوچھا، آپ نے بتایا ایک دوسرا شخص جو وہاں موجود تھا، اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! مسئلہ یوں نہیں، یوں ہے۔ حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا بے شک تم صحیح کہتے ہو مجھ سے غلطی ہو گئی (جامع بیان العلم)

ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اعلان کیا کہ چالیس اوقیہ سے زیادہ عورت کا مہر نہ باندھا جائے اگر چہ وہ رئیس کی بیٹی ہو جو کوئی ایسا کرے گا تو میں زائد رقم ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دوں گا۔ یہ سن کر عورتوں کی صف میں سے ایک لمبی عورت نے جس کی ناک چپٹی تھی اعتراض کیا کہ اے امیر المؤمنین! آپ کو اختیار حاصل نہیں۔ امیر المؤمنین نے فرمایا کیوں اختیار نہیں؟ عورت نے جواب دیا اس لئے کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے:

"وان اتیتم احدھن قنطارا فلا تأخذوا منه شیئا"

(اگر اپنی کسی بیوی کو ڈھیر سامان دے چکے ہو تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو) امیر المؤمنین نے یہ سنتے ہی بلند آواز سے فرمایا: عورت نے ٹھیک کہا اور مرد سے غلطی ہوگئی۔ (جامع بیان العلم)

اگر کوئی طالب علم ذہین ہو تو کند ذہن طلباء کے ساتھ جماعت بندی کی قید میں نہ رکھے بلکہ اس کو اس کے ذہن اور استعداد کے مطابق سبق پڑھائے اور اس کے وقت کو ضائع ہونے سے بچائے۔

امام محمدؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ دن کے علاوہ رات کے وقت بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے لیکن یہ درس عام نہ ہوتا تھا بلکہ جو طلبہ دور دراز سے خاص ذوق لے کر ان کی خدمت میں آتے اور ان کے پاس وقت کم ہوتا ان کے لئے یہ وقت رکھا تھا۔

Marfat.com

راقم الحروف نے اپنے اساتذہ کو اس میں بہت شفیق پایا، اس قسم کے طلبہ کے ساتھ مدرسہ کے اوقات کے علاوہ خارج میں ان پر بڑی محنت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمارے اساتذہ کا ہمارے ساتھ ایسا ہی معاملہ تھا۔

مظاہر العلوم کے زمانہ قیام میں حضرت مولانا امیر احمد صاحب ودیگر اساتذہ کرام کا یہی طرز دیکھا، احقر نے حضرت مولانا سے خارج میں متعدد کتابیں پڑھیں، اللہ پاک ان پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔

شیخ الکل سیدی ومولائی استادی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے قلیل مدت میں تمام درسی کتب سے فراغت حاصل کر لی تھی، تمام علوم وفنون میں اللہ پاک نے کمال عطاء فرمایا ہے خصوصاً علم حدیث میں جو ان کی تصانیف ہیں آج اس کی نظیر نہیں۔

احقر مکہ معظمہ میں حضرت سید علوی مالکی کی خدمت میں حاضر ہوا جو وہاں سب سے بڑے عالم تھے، ان کی مجلس میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کی کتاب اوجز المسالک شرح موطا امام مالک کا تذکرہ ہوا، فرمایا: متقدمین میں بھی اس کتاب کی نظیر نہیں۔

احقر کے رفیق درس مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری جن کی متعدد تصانیف ہیں، انھوں نے بیان کیا کہ چھ ماہ میں ہدایۃ النحو تک پڑھا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر جماعت اور نصاب کی قید میں ان حضرات کو رکھا جاتا تو کتنا وقت ضائع ہوتا، احقر کے پاس پڑھنے والے طلباء میں بعض ایسے آئے جنہوں نے ایک سال میں شرح جامی بحث فعل تک پڑھا۔

اگر کوئی مضمون طالب علم کی سمجھ میں دوران سبق نہ آ رہا ہو تو پھر دوسرے وقت اس کو سمجھا دے، اس سلسلہ میں اگر وہ کسی دوسرے استاد سے اس کو حل کرنا چاہیے تو اس میں ناگواری نہ ہونی چاہیے بلکہ خود کہہ دینا چاہئے کہ مجھے اتنا معلوم تھا، اگر اب بھی سمجھ میں نہ آیا ہو تو کسی اور سے سمجھ لینا یا میں ہی دریافت کر کے بتا دوں گا اور اگر اس مضمون کو خود استاد نہیں سمجھ رہا تو صاف اقرار کر لے کہ میری سمجھ میں اس وقت نہیں آ رہا اور پھر کسی وقت سمجھا دوں گا، اس میں توہین کی کیا بات ہے دنیا میں کون ایسا ہے جس کو ہر بات معلوم ہو۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: لوگو! جو بات جانتے ہو وہی کہو جو نہیں جانتے اس پر " اللہ اعلم " کہا کرو، کیونکہ علم کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ جو بات نہ جانتا ہو اس میں لاعلمی کا اعتراف کرلے۔

حضرت شعبیؒ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا فرمایا: مجھے نہیں معلوم۔ یہ جواب سن کر ان کے ایک شاگرد نے کہا: آپ نے اپنی لاعلمی کا اقرار کرکے ہم کو شرمندہ کردیا، فرمایا: لیکن ملائکہ مقربین تو لاعلمی کا اقرار کرکے شرمندہ نہیں ہوئے بلکہ کہا:

لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے سوال کیا تو جواب دیا: میں نہیں جانتا۔ وہ آدمی کہنے لگا عبداللہ بن عمرؓ نے کیا اچھا طریقہ اختیار کیا کہ جو نہیں جانتے اس سے لاعلمی کا اقرار کرلیا۔

حضرت مجاہد سے میراث کا مسئلہ پوچھا گیا، جواب دیا میں نہیں جانتا، کہا گیا: آپ جواب کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا: عبداللہ بن عمر کو جو بات معلوم نہ ہوتی تھی تو صاف صاف لفظوں میں اقرار کرلیتے کہ مجھے معلوم نہیں۔

سعید بن جبیرؒ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا تو کہنے لگے مجھے معلوم نہیں اور ہلاکت ہے اس کے لئے جو علم نہ رکھنے پر علم کا دعوی کرے۔

عبدالرزاق کی روایت ہے کہ حضرت امام مالک نے عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عالم جب لاادری کہنا بھول جاتا ہے تو ٹھوکریں کھانے لگتا ہے۔

عقبہ بن مسلم کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی صحبت میں چونتیس ماہ رہا اور برابر دیکھتا رہا کہ اکثر مسئلوں میں لاادری کہدیا کرتے تھے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ لاعلمی کی صورت میں لاادری کہنا آدھا علم ہے، سلف صالحین کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو ذرا بھی اس میں تامل نہ ہوتا تھا کہ اگر ان کو کوئی بات معلوم نہ ہوتی تو فوراً اس کا اعتراف کرلیتے تھے، یا دوسرے سے دریافت کرکے جواب دیتے۔

احقر نے سیدی ومولائی حضرت اقدس مولانا الحاج شاہ اسعد اللہ صاحب قدس اللہ

Marfat.com

اسرار ہم کو بارہا دیکھا کہ دوران سبق اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو فوراً کہہ دیا کہ یہ مضمون سمجھ میں نہیں آیا، اکثر ایسا ہوا کہ اسی وقت استاذ الکل حضرت استاذی مولانا شاہ عبدالرحمٰن صاحب محدث کامل پوری کی خدمت میں جا کر معلوم کیا اور پھر طلبہ کو آ کر بتایا۔

فقیہ عصر حضرت استاذی مفتی محمود حسن صاحبؒ جن کا ہر فن میں عبور اور حاضر جوابی ہر ایک کو مسلم ہے، اکثر ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے اس مسئلہ کے بارے میں تحقیق نہیں، اس کا مجھے علم نہیں۔

شاگردوں کی تربیت

استاد کو چاہیے کہ شاگرد کو اخلاق بد سے جہاں تک ہو سکے کنایہ اور پیار کی راہ سے منع کرے، تصریح اور توبیخ کے ساتھ نہ جھڑکے اس لئے کہ تصریح ہیبت کا حجاب دور کر دیتی ہے اور خلاف کرنے پر جرأت کا باعث اور اصرار پر حریص ہونے کا موجب ہوتی ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ جو کل استادوں کے استاذ ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: اگر آدمیوں کو مینگنیاں جمع کرنے سے منع کر دیا جائے تو ضرور جمع کریں گے، اور خیال کریں کہ ہم کو جو اس سے منع کیا گیا ہے تو ضرور اس میں کوئی بات ہے یہ انسانی فطرت ہے جیسا کہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا قصہ اس پر شاہد ہے، مشہور مقولہ ہے،

الانسان حریص فیما منع (جس چیز سے انسان کو روکا جائے اس میں وہ اور بھی حرص کرنے لگتا ہے۔)

حضرت ثمامہ ابن اثال جو اہل یمامہ کے سردار تھے، ان کے اسلام کا سبب حضور ﷺ کی نرمی ہی تو تھی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مشکوۃ باب حکم الاسراء)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ ایک مرتبہ مسجد میں درس دے رہے تھے ایک شاگرد جس کو غسل کی حاجت ہو گئی تھی، اس خیال سے کہ غسل کرنے میں دیر ہو جائے گی سبق کی غیر حاضری پر حضرت شاہ صاحب ناراض ہوں گے بغیر غسل ہی سبق کے لئے حاضر ہوا، جیسے ہی مسجد کے دروازے پر پہنچا اور شاہ صاحب کی نگاہ پڑی تو سبق بند کر کے اس طالب علم کو وہیں روک لیا اور سب طلبہ سے کہا کہ آج تفریح کو جی چاہتا ہے چلو سب لوگ تفریح کو چلیں، کتاب ساتھ لے لو وہیں

Marfat.com

سبق ہو جائے گا، سب طلبہ کے ساتھ وہ طالب علم بھی چلا، حضرت نے جمنا کا کنارہ تفریح کے لئے تجویز کیا، سب لوگ جب جمنا پر پہنچے تو حضرت نے فرمایا جی چاہتا ہے کہ غسل کریں، سب نے غسل کیا، اس طالب علم نے بھی غسل کیا اس کے بعد فرمایا: آؤ بھائی سبق پڑھا دیں ناغہ کیوں ہو، ظاہر ہے اس حکمت عملی کا اس طالب علم پر کیا اثر ہوا ہوگا۔

خواجہ شمس الملک جو خواجہ نظام الدین اولیاء کے استاد ہیں، "تاریخ دعوت وعزیمت" میں ان کا واقعہ لکھا ہے کہ اگر کوئی طالب علم ناغہ کرتا تو فرماتے: مجھ سے کیا قصور ہوا کہ آپ نہیں آئے یہ جملہ سن کر کون شاگرد ایسا ہوگا جو پانی پانی نہ ہو جائے اور پھر آئندہ اس جرم کا ارتکاب کرے۔

یہی تربیت و شفقت تھی جس کی وجہ سے پہلے زمانے کے طلبہ اپنے اساتذہ پر قربان ہونے کو تیار ہو جاتے تھے۔

مصنف رحمۃ للعلمین ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کسی شاگرد کو کسی حرکت ناشائستہ پر نصیحت کرنا ہو اور وہ حرکت ایسی ہو کہ اگر سب کے سامنے ظاہر کی جائے تو اسے شرم آئے گی تو اس کو تنہائی میں نصیحت کرے اور بعد میں وہ نصیحت سب کو سنا دے مگر اس شاگرد کا نام نہ لے، اس طرز عمل سے اس کو ندامت نہ ہوگی اور نصیحت کا فائدہ دوسروں کو بھی حاصل ہو جائے گا۔ (رحمۃ للعلمین)

طلبہ کو تربیت کے سلسلہ میں سلف صالحین کے واقعات اور ان کی طالب علمی کے حالات سنانا بے حد مفید ہے، افسوس کہ مدارس میں اس کا اہتمام نہیں حالانکہ تجربہ سے ثابت ہے کہ طلبہ کی ہر قسم کی حالت درست کرنے میں یہ طریقہ بہت مؤثر ہے۔

راقم الحروف جب مدرسہ اسلامیہ فتحپور میں مدرس تھا اور مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں حضرت استاذی مولانا محمد زکریا صاحب قدوسی تشریف لائے تو ایک مجلس میں احقر اور مولانا عبد الرحمٰن جامی مدظلہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم دونوں میرے شاگرد ہو اس لئے نصیحت کرتا ہوں کہ دورانِ سبق بھی خواہ کسی فن کی کتاب ہو طالب علم کے لئے اصلاح کی بات ضرور کیا کرو، اساتذہ اس کا خیال نہیں رکھتے جس سے عام طور پر طلبہ کی اخلاقی زندگی خراب ہوتی جا رہی ہے۔

مہتمم اور اراکین کا حال یہ ہے کہ اگر کسی طالب علم سے خفگی ہو گئی تو آسان علاج یہ سمجھا

Marfat.com

جاتا ہے کہ اس کا اخراج کر دیا جائے۔ حالانکہ یہ دانشمندانہ فیصلہ نہیں ہے یہ کون عقلمند جائز رکھے گا کہ اگر کسی عضو میں کوئی پھنسی نکل آئی ہے تو اس عضو ہی کو کاٹ دیا جائے صحیح تدبیر یہ ہے کہ اس کا علاج کیا جائے اور اس عضو کو صحیح کر کے اس سے کام لیا جائے، ہاں اگر خدانخواستہ اس میں ایسی خرابی ہوگئی ہو جس سے تمام جسم پر اثر پڑیگا تو پھر اس کو علیحدہ کر کے باقی جسم کو محفوظ کر لیا جائے، اسی طرح کسی طالب علم کے اندر کوئی خرابی ہو تو حسن تدبیر سے اس کو خرابی سے نکالنے کی کوشش کی جائے اگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو رہی تو پھر اس کا اخراج کیا جائے۔

مگر تربیت والا ذہن نہ ہونے کی وجہ سے جو آخری اور مجبوری والا علاج تھا، اس کو اپنی آسانی کے لئے ابتداء ہی میں بروئے کار لایا جاتا ہے، اس غلط طریقہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سینکڑوں وہ طالب علم جن پر کچھ محنت کر کے اور ہدایت نبوی کا طریقہ اختیار کر کے ان کو سنوارا جا سکتا تھا، جس سے وہ امت کے لئے اچھا نمونہ بن سکتے تھے۔ ارباب مدارس کی تن آسانی اور لاپرواہی بلکہ سچ پوچھئے تو اس راہ کی ناواقفیت ان طلبہ کو اس دولت سے محروم کر دیتی ہے، حضور اکرم ﷺ کی یہ تعلیم ہرگز نہیں اور نہ ہمارے اسلاف کا یہ طریقہ رہا ہے۔

مصنف رحمۃ اللعلمین نے آداب معلمین کے سلسلہ میں ایک جگہ تحریر فرمایا کہ اگر متعلمین سے کوئی بات خلاف طبیعت پیش آوے اور باعثِ ملال ہو تو یہ خیال کر کے کہ ان سے دین کا نفع مجھ کو بہت ہے، معاف کر دے، معاف کر دینے سے اللہ پاک کے یہاں قرب بڑھے گا اور یہ خیال کرے کہ ان طلبہ نے اپنے کو میرے حوالہ کر دیا ہے مجھے ان پر محنت کر کے اور ان کو بنا سنوار کے اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے، یہ میری کھیتی ہے جو آخرت میں کام آئے گی طلبہ کے طفیل اللہ پاک استاد کو بڑی خوبیاں عطا فرماتے ہیں۔ بسا اوقات استاد کے دل میں مضامین کا القاء طلبہ ہی کی بدولت ہوتا ہے۔ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی کے متعلق ان کے استاد حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب مہاجر مکی فرمایا کرتے تھے کہ الفاظ حدیث کے میں ان کو پڑھاتا ہوں اور حدیث کی روح مجھے خود ان سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کا بارہا تجربہ ہوا کہ اکثر مطالعہ میں ایک مضمون سمجھ میں نہیں آیا اور سبق کے وقت بالکل آسانی سے اس کے مطلب تک رسائی ہوگئی، یہ طلبہ ہی کی برکت ہوتی ہے۔ راقم الحروف نے اپنے کئی اساتذہ سے سنا کہ ہم تو اپنے

Marfat.com

طلبہ کا یہی بہت بڑا احسان سمجھتے ہیں کہ ان کی وجہ سے کچھ علمی مشغلہ میں لگے ہوئے ہیں اور کچھ دین کی خدمت ہو جاتی ہے اگر یہ نہ ہوتے تو نہیں معلوم کن مشاغل میں پھنسے ہوتے اور دین کی خدمت تو کیا ہوتی نماز تک کی پابندی مشکل ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ طلبہ کی کوتاہیوں اور بعض مرتبہ ان کی طرف سے مایوسی کا تذکرہ استاذی حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ سے ہوا، فرمایا ان سب چیزوں کے باوجود ہم کو یہی کام کرنا ہے، اسی میں ہمارے لئے خیر ہے، دیگر مشاغل میں بڑے فتنے ہیں، یہ بھی امید ہے کہ ان ہی میں سے کچھ ایسے نکل آئیں جن سے اصلاح امت کا کام اللہ پاک لے لے اور ہمارے لئے ذریعۂ نجات ہو جائے۔

شاگردوں کے سامنے کسی کی برائی کرنے سے اجتناب

استاد کو چاہئے کہ جس طالب علم کو پڑھا رہا ہے اس کا نفع تو اس کے سامنے بیان کرے لیکن دوسرے علوم کی اور اس فن کے اساتذہ کی بشرطیکہ وہ علم ناجائز نہ ہو برائی نہ بیان کرے، آج کل یہ مرض عام ہو رہا ہے کہ جس فن میں کسی کو مہارت ہے وہ دوسرے فن اور اس میں مصروف رہنے والے حضرات کی مذمت اپنے حلقۂ درس میں کرتا ہے جس سے طالب علم کے ذہن میں نہ تو کسی علم کی وقعت باقی رہتی ہے اور نہ کسی استاد کی، اس بے وقعتی اور ناقدری ہی کا نتیجہ ہے کہ علم دین وہ کسی خارجی دباؤ اور اثر سے پڑھتا ہے یا آئندہ کے لئے وہ جو لائن اختیار کرنے والا ہے اس کے لئے اس علم کو محض ایک ذریعہ سمجھ کر وہ کچھ دن مدارس دینیہ میں گذار دیتا ہے، اس کے بعد جیسے ہی اس کو موقع ملتا ہے اس طرح سے وہ علم دین سے نہ صرف بیگانہ ہو جاتا ہے بلکہ جو زمانہ مدارس میں گزرا ہے اس کو تضیع اوقات سے تعبیر کرتا ہے اور اس میں لگنے والوں کا مذاق اڑاتا ہے۔ متعدد حضرات نے اس قسم کے بہت سے واقعات بیان کیے اور خود احقر بھی اس قسم کے لوگوں کو جانتا ہے۔ اسی طرح مدرسہ کے نظم اور اس کے مہتمم و اراکین کی خرابیاں طلبہ کے سامنے نہ بیان کرے۔ اگر وہ چیزیں واقعی قابل اصلاح ہیں تو ذمہ دار حضرات کو دیانتداری اور خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دے دیا کرے تا کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق اس کی اصلاح کر دیں طلبہ کے سامنے اس قسم کی چیزیں لانے ہی کا نتیجہ ہے جو اسٹرائک

Marfat.com

کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ تجربہ تو یہی بتاتا ہے کہ طلبہ کے ذریعہ جو فساد مدارس میں رونما ہوتا ہے اس کی پشت پناہی کرنے والا مدرسہ کا کوئی نہ کوئی مدرس ہوتا ہے۔

غیبت، غمازی، کسی کی پردہ دری، افتراق بین المسلمین تو ہر ایک کے لئے ناجائز اور حرام ہے تو پھر علماء اور مقتدایان دین کے لئے یہ کس طرح جائز ہوں گی، مدارس میں جب اس قسم کی برائیاں آتی ہیں اور اساتذہ ایک دوسرے کی برائی میں لگ جاتے ہیں تو اس کا اثر طلبہ اور عوام پر بہت برا پڑتا ہے پھر جب وہ درس اور وعظ میں ان معائب کی برائیاں اور ان پر وعید بیان کرتے ہیں تو ان کی اس لفاظی کا کسی کے دل پر اثر نہیں ہوتا اور فوراً ان کے کارنامے آئینہ بن کر لوگوں کے سامنے آجاتے ہیں۔

واعظاں کیں جلوہ برمحراب و منبری کنند
چوں بخلوت می روند آں کار دیگری کنند

علامہ شعرانی تحریر فرماتے ہیں کہ ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص ہمارے سامنے ہمارے ہمعصر کی تعریف کرے تو ہم بھی اس کی تعریف اور مدح میں موافقت کریں اور اس میں میخ نہ نکالیں خواہ وہ ہم پر اعتراض ہی کرتا رہتا ہو کیونکہ جب ہم بجائے اس کی برائی اور اعتراض کرنے کے تعریف کریں گے تو جلد ہی وہ اپنی حرکت سے باز آجائے گا اور برائی کرنا چھوڑ دے گا۔ اس تدبیر سے ہم خود گناہ سے بچ جائیں گے اور اس کو بھی بچالیں گے۔ یہ عہد آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، ذرا اس زمانہ کے علماء اور سالکین غور سے دیکھیں کہ اس پر کہاں تک عمل کیا جاتا ہے۔ افسوس صد افسوس! یہ مرض مدارس اور خانقاہوں میں عام طور پر سرایت کرتا جا رہا ہے، نتیجہ ظاہر ہے کہ جو دنیا میں سب سے بہترین مقامات تھے، آج وہی سب سے زیادہ شر وفتن کے سرچشمہ بنے ہوئے ہیں جن کے بدبودار سوتے بہہ بہہ کر دنیا کو متعفن کر رہے ہیں، اللہ پاک سب کی حفاظت فرمائے۔

سبق پڑھاتے وقت شاگردوں کی سمجھ کے مطابق تقریر کرنا

استاد کو چاہئے کہ سبق پڑھاتے وقت ایسی تقریر نہ کرے جو طالب علم کی فہم اور استعداد سے بالاتر ہو اس میں حضور ﷺ کی پیروی کرے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم کو یہ حکم ہے

Marfat.com

کہ لوگوں کے مراتب کا لحاظ رکھیں اور ان کی عقل اور سمجھ کے مطابق ان سے گفتگو کریں اور فرمایا کہ جب کوئی کسی قوم کے سامنے ایسی بات کرتا ہے کہ جس کو وہ نہیں سمجھ سکتے تو وہ بات فتنہ کا سبب بن جاتی ہے۔

حضرت علیؓ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس میں بہت سے علوم ہیں بشرطیکہ ان کے سمجھنے والے ہوں یعنی میں ان کو اس لئے ظاہر نہیں کرتا کہ ان علوم کا کوئی متحمل نہیں ہے۔

آج کل محض اپنی قابلیت ظاہر کرنے کے لئے ابتدائی کتابوں میں ایسی تقریر کرتے ہیں کہ اس فن کے منتہی طلبہ بھی اس کو مشکل ہی سے سمجھ سکیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے جو ضروری باتیں زیرِ سبق کتاب کے ہوتی ہیں، وہ بھی طالب علم نہ سمجھ پاتا ہے اور نہ یاد کر سکتا ہے ایک جگہ مصنف ''رحمۃ للعلمین'' تحریر فرماتے ہیں کہ استاد کو چاہئے کہ ہر کتاب کا خلاصہ بیان کر دیا کرے، نئے مضامین پر ان کو مطلع کر دیا کرے بلکہ ان کو نوٹ کروا دیا کرے تاکہ یاد کرنے میں آسانی ہو۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں ''لا ینبغی للعالم ان یتکلم بالعلم عند من لا یطیعه'' (عالم کے لئے مناسب نہیں ہے کہ کسی شخص کے سامنے ایسی بات کرے جس کا سمجھنا اس کی طاقت سے بالاتر ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں تحری فرماتے ہیں:

''ومنه ان لا یبین للمبتدی من العلم ما هو حظ المنتحی بل یربی لصغائر العلم قبل کبائره''

اور اس میں سے یہ بھی ہے کہ وہ علوم جو منتہی کے لئے مناسب ہیں وہ مبتدی سے نہ بیان کرے بلکہ بڑے بڑے علوم سے پہلے چھوٹی چھوٹی باتوں کو بیان کر کے تربیت کرے، حضرت مولانا نعمانیؒ اپنی زندگی کے تجربات کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ میری عمر کے پانچ سال اس وجہ سے ضائع ہوئے کہ کسی نے مجھے اس طریقہ سے پڑھانے کی کوشش نہ کی جو طریقہ میری اس وقت کی عمر اور فہم کے مناسب ہو سکتا تھا اور جس کا میں متحمل ہو سکتا تھا۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں: مجھے اپنی ابتدائی تعلیم کے کئی ساتھی یاد ہیں جو صرف ڈیوٹی پوری کرنے والے اور کچھ نہ سوچنے والے اساتذہ کی غفلت اور ان کے غلط طریقہ تعلیم کے چکر میں

Marfat.com

چار پانچ سال رہ کر بالآخر بیٹھ گئے یعنی عربی تعلیم سے ہٹ گئے اور اتنا طویل عرصہ عربی مدرسہ میں پڑھنے کے باجود بالکل خالی رہے۔ اسی طرح سے معلوم نہیں سینکڑوں ہزاروں ہوں گے جو اس قسم کے مدرسوں میں اتنا وقت گذار کے اسی منزل پر بیٹھے ہوں گے اور مجھے یقین ہے کہ اگر صحیح طریقہ سے اور سوچ سمجھ کر ان کو پڑھایا جاتا تو اتنے ہی دنوں میں ان کی آدھی سے زیادہ تعلیم ہو جاتی اور پھر وہ اس کو پورا ہی کر کے مدرسہ چھوڑتے۔

شاگرد کیلئے اگر کوئی دوسری جگہ مفید ہے تو اس کی خواہش پر بخوشی اجازت دینا

استاد کو چاہئے کہ اگر کوئی طالب علم اپنے حالات کی مجبوری کی بنا پر اس کے پاس سے منتقل ہو کر دوسرے استاد یا کسی دوسرے مدرسہ میں پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس میں اس کا فائدہ ہو تو دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ خوشی کے ساتھ اس کو اجازت دے دے محض اپنے حلقۂ درس کی رونق یا مدرسہ میں تعداد دکھانے کے لئے اس کو بجبر واکراہ نہ روکے، جس جگہ طالب علم کا جی نہ لگے وہاں رہ کر وہ کیا پڑھ سکتا ہے، آخر کار وہ بددل ہو کر یا تو بھاگ جائے گا یا علم ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور یہ دونوں چیزیں مضر ہیں، اس لئے کہ پہلی صورت میں اس کو حجاب ہو جائے گا جس سے پھر وہ استاد سے کبھی استفادہ نہ کر سکے گا اور استاد شاگرد کے صحیح تعلق سے جو امت کی اصلاح کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں ان سب کا دروازہ بند ہو جائے گا، دوسری صورت میں دوسروں کو دین کی باتیں سکھانا تو بہت دور رہا خود اس کا ہی دین پر قائم رہنا مشکل ہو گا۔

حضرت سفیان بن عیینہ جب اپنے آبائی وطن کوفہ پہنچے اور امام ابوحنیفہؒ کو معلوم ہوا تو اپنے شاگردوں سے کہا کہ تمہارے پاس عمرو بن دینار کی مرویات کا حافظ آ گیا ہے ان سے جا کر استفادہ کرو۔ چنانچہ امام صاحب کے تلامذہ وہاں جا کر ان سے استفادہ کرنے لگے، حضرت سفیان خود فرماتے ہیں کہ مجھ کو جس نے سب سے پہلے محدث بنایا وہ امام ابوحنیفہؒ ہیں۔

حضرت عبداللہ مزنی فرماتے ہیں کہ ریا کار عالم کی پہچان یہ ہے کہ پہلے تو لوگوں کو علم کی طرف خوب رغبت دلائے تا کہ اس کے پاس پڑھنے آئیں پھر اگر کسی دوسرے عالم کے پاس

Marfat.com

جانے کے لئے کوئی اس سے مشورہ کرے تو برا مانے، اگر مخلص ہوتا تو ہر حال میں خوش ہوتا، خواہ کوئی اس کے پاس پڑھے یا دوسرے کے پاس جا کر علم حاصل کرے، خدا کے واسطے کام کرنا چاہئے۔ ہاں! اگر طالب علم کے لئے اس کے پاس رہنا مفید ہو تو اس کو اپنے مشورے سے آگاہ کردے اس کے بعد بھی وہ جانے پر مصر ہو تو پھر نہ روکے، آج کل اس خیر خواہی کو بدخواہی پر محمول کیا جائے گا اور اگر حقیقتاً اس کا فائدہ جانے ہی میں ہے یہاں اس کی تعلیم و تربیت کا صحیح انتظام نہیں ہو سکتا یا وہ اپنی خانگی اور مقامی حالات کی بنا پر دور جانا چاہتا ہے تو پھر روکنا ظلم ہوگا اس پر مقامی و بیرونی، داخلی و خارجی دباؤ ڈال کر روکنے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہم کو اپنی ناموری اور اپنے مدرسہ کی کارگزاری اور صرف طلبہ کی تعداد ہی قوم کو دکھانا مقصود ہے۔ طالب علم کے نفع اور نقصان کا کچھ خیال نہیں یہ خالص ریا ہے جو حرام ہے۔ جس طرح اور حرام چیزوں سے اپنے کو بچانا ہے اس سے بھی اجتناب کرنا ہے۔ یہ ریا معاشرے میں اس طرح سرایت کرتی جارہی ہے کہ اس کا قبح بھی دل سے نکلتا جارہا ہے، حسن تدبیر اور سیاست کا جامہ پہنا کر اس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے، کسی نے سچ کہا ہے

ریا حلال شمارند و جام بادہ حرام
زہے شریعت ملت زہے طریقت و کیش

شاگردوں سے ذاتی خدمت لینے میں احتیاط

طالب علم کی سعادت تو اسی میں ہے کہ اپنے استاد کی خدمت میں کوتاہی نہ کرے لیکن خود استاد کو اس سلسلہ میں بہت احتیاط کرنی چاہئے اور بغیر کسی مجبوری کے اپنا ذاتی کام اس سے نہ لے اور اگر مجبوراً کبھی کوئی خدمت لے تو کسی طرح اس کی مکافات کردے۔ نیز اس کا لحاظ رکھے کہ اس قسم کا کام اس سے نہ لے جس کو وہ سہہ نہ سکے یا اس میں اس کے سبق یا تکرار وغیرہ کا نقصان ہوتا ہو، اس لئے کہ جس مقصد کے لئے اس نے وطن چھوڑا ہے جب اس میں حرج واقع ہوگا تو بددلی پیدا ہوگی اور اخلاص کے ساتھ وہ ہرگز کام نہ کرے گا۔

امام ابن طاہر جب فن حدیث کی تحصیل کے لئے امام حبال کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ امام حبال خود ہی اپنا سب کام کرتے ہیں بازار سے سامان لاد کر لاتے ہیں۔ ایک

Marfat.com

مرتبہ دیکھا کہ ایک دوکان سے سامان لیا اور دامن میں سب چیزیں لے کر آئے میرے اصرار پر بھی نہ دیا ان وقت اس کی عمر اناسی (۷۹) برس کی تھی۔

ابوالاسود دؤلی واضع فن نحو کے حالات میں ہے کہ اخیر عمر میں ان پر فالج گرا تھا اور اس کے اثر سے ان کے ہاتھ پاؤں ماؤف ہوگئے تھے، اس معذوری کی حالت میں بھی پاؤں سے گھسٹتے ہوئے بازار جاتے اور اپنا کام کرلاتے، حالانکہ ان کے ہزاروں شاگرد موجود تھے۔

امام بخاریؒ بھی اپنا کام خود کرتے تھے جب انھوں نے شہر بخارا کے باہر ایک مہمان سرائے بنوائی تو اس کی تعمیر کے وقت خود بھی مزدوروں کے ساتھ کام کرتے تھے۔ ایک شاگرد نے ایک روز عرض کیا کہ آپ کو اس محنت کی کیا ضرورت ہے ہم لوگ موجود ہیں، فرمایا:

"ھذا الذی ینفعنی" (یہ میرے لئے نافع ہے) حضرت شیخ الہند اپنے کپڑے خود دھولیا کرتے تھے۔

حضرت استاذی مولانا منظور احمد خاں صاحب مدرس دوم مظاہر العلوم سہارنپور مدرسہ سے مکان جاتے ہوئے اپنا سامان خرید کر خود ہی لے جاتے۔

حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن صاحبؒ کو مظاہر العلوم کے قیام کے زمانہ میں دیکھا کہ اپنا کھانا تک طالب علم سے نہیں منگواتے تھے خود ہی تشریف لاکر لے جاتے۔

حضرت استاذی مولانا ظریف احمد صاحبؒ کا باوجود پیرانِ سالی کے اب تک یہی معمول ہے کہ اپنا کام خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے ہیں اور طلبہ کو اس کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا خاں زماں صاحب کو احقر نے بچشم خود دیکھا کہ اپنا سامان خرید کر خود لے جاتے اصرار کرنے پر بھی کسی کو نہ دیتے حالانکہ مکان بازار سے کافی دور تھا۔ ہمارے مدارس کے اساتذہ کو اس سے عبرت حاصل کرنی چاہئے، کم از کم اپنا ہی ذاتی کام خود کرلیا کریں۔ حضور اکرم ﷺ کے حالات دن رات پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اپنا کام خود دست مبارک سے فرمایا کرتے تھے، بکریوں کا دودھ دھولیتے، پھٹا کپڑا خود سی لیتے، نعلین مبارک ٹوٹ جاتی تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے، اپنے کام کے لئے دوسروں کو تکلیف نہ دیتے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ دس برس میں آپ کی خدمت میں رہا، اس عرصہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں نے

Marfat.com

اس قدر نہیں کی جتنے کام آپ ﷺ نے میرے کر دیئے۔

آج کل کچھ ایسی ہوا چلی ہے کہ ہر شخص کو یہ تو یاد ہے کہ میرا حق دوسرے پر کیا ہے ہر وقت اس کا مطالبہ ہے اور نہ پورا ہونے پر اس کی شکایت کرتا ہے اور اس کے اوپر جو دوسروں کے حقوق ہیں، ان کا دھیان تک نہیں، یہی سبق ہمارے اساتذہ کرام نے بھی یاد کر لیا ہے وہ تمام اقوال و قصص ان کو یاد ہیں جن سے ان کا حق شاگردوں پر ثابت ہوتا ہے اور شاگردوں کے ان کے اوپر کیا حقوق ہیں اس کا انھوں نے کوئی سبق نہیں پڑھا، حقیقت یہ ہے کہ اساتذہ کو جو شفقت اور تعلق تلامذہ سے ہونا چاہیے، اس کو پورا کرتے رہیں تو شاید ہی کوئی شاگرد ایسا بدنصیب ہو جو استاد کی خدمت اور اطاعت کو اپنے لئے سعادت نہ سمجھے۔

عمل کا اہتمام کرنا

استاذ کو چاہیے کہ علم کے بموجب عمل کرتا ہو، ایسا نہ ہو کہ کہے کچھ اور کرے کچھ۔ اگر عمل علم کے خلاف ہوگا تو اس کے ذریعہ ہدایت نہ ہوگی۔ ایسے علم سے جس پر عمل نہ ہو حضور ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔ ارشاد ہے:

اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع

اے اللہ! میں ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

" ان من اشر الناس عند الله منزلة یوم القیامة عالم لا ینفع بعلمه"

سب سے بدترین شخص مرتبہ کے اعتبار سے اللہ پاک کے نزدیک وہ عالم ہے جس کے علم سے نفع نہ ہو۔

ایک حدیث میں ہے:

"الا ان شر الشر شرار العلماء وان خیر الخیر خیار العلماء"

سب سے بدتر علماء بد ہیں اور سب سے بہتر لوگ علماء خیر ہیں۔

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ اس خوف سے لرز رہا ہوں کہ قیامت کے دن حساب دینے کے لئے کھڑا کیا جاؤں اور پوچھا جائے تو نے علم تو حاصل کیا تھا مگر اس سے کیا کام لیا۔

Marfat.com

ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: جو نہیں جانتا اس کے لئے ایک ہلاکت ہے اور جو جانتا ہے اور عمل نہیں کرتا اس کے لئے سات ہلاکتیں ہیں۔

ابراہیم بن ادہمؒ سے سوال کیا گیا کہ قرآن پاک میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے، "**ادعونی استجب لکم**" مگر کیا سبب ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں اور قبول نہیں ہوتی؟ جواب دیا پانچ سبب سے تمہاری دعا قبول نہیں ہوتی۔

۱) تم نے خدا کو پہچانا مگر اس کا حق ادا نہ کیا۔

۲) قرآن پاک پڑھا مگر اس پر عمل نہ کیا۔

۳) محبت رسول کا دعویٰ کیا مگر سنت رسول کی پیروی نہ کی۔

۴) ابلیس پر لعنت کی مگر اس کی فرماں برداری بھی کرتے رہے، پانچواں سبب یہ ہے کہ اپنے عیبوں سے آنکھیں بند کر کے دوسروں کے عیب ڈھونڈنے لگے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے: باتیں بنانا سب جانتے ہیں لیکن اچھا وہی ہے جس کا قول و فعل یکساں ہے، بڑھ بڑھ کر باتیں بنانا اور عمل کچھ بھی نہ کرنا خود اپنا منہ چڑانا ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: اے اہل علم: اپنے علم پر عمل کرو کیونکہ عالم وہی ہے جو علم حاصل کر کے عمل کرتا ہے اور جس کے علم و عمل میں اختلاف نہیں ہوتا۔ عنقریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو علم تو رکھیں گے مگر علم ان کی حلق سے نیچے نہ اترے گا، ان کا باطن ان کے ظاہر سے مختلف ہوگا، ان کا عمل ان کے علم کے خلاف ہوگا، مجلسیں جما کر بیٹھیں گے، آپس میں فخر و مباہات کریں گے اور لوگوں سے اس لئے ناراض ہو جایا کریں گے کہ ان کی مجلسیں چھوڑ کر دوسرے کی مجلس میں کیوں جا بیٹھے؟ ایسے لوگوں کے عمل خدا تک نہیں پہنچیں گے۔

حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے لوگوں کو ان کے اعمال سے پرکھو نہ کہ اقوال سے، خدا نے ایسا قول نہیں چھوڑا جس کی تصدیق یا تکذیب کے لئے کوئی نہ کوئی عمل نہ ہو، کسی کی میٹھی میٹھی باتوں سے دھوکہ نہ کھاؤ بلکہ یہ دیکھو کہ فعل کیسا ہے۔ انھیں کا قول ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو قلب میں ہے وہ علم نافع ہے اور ایک وہ علم جو صرف زبان پر ہے، یہ اس پر حجت ہے۔

قاسم بن محمد نے کہا میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جنھیں قول پسند نہ تھا صرف عمل سے

Marfat.com

خوش ہوتے تھے۔

سفیان ثوری فرماتے ہیں: علم عمل کو پکارتا ہے اگر جواب نہیں پاتا تو رخصت ہو جاتا ہے۔

مالک بن دینارؒ کا قول ہے: آدمی کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں کہ اس کا دل سخت ہو جائے۔ انھیں کا قول ہے کہ بے عمل عالم کی نصیحت کا اثر دل پر ایسا ہوتا ہے جیسے بارش کا سنگلاخ چٹان پر۔

عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا: اگلے بزرگ کہا کرتے تھے کہ جاہل عابد اور فاجر عالم کے فتنے سے پناہ مانگو کیونکہ یہ دونوں بڑا فتنہ ہیں۔

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ تم بغیر علم کے متقی نہیں ہو سکتے اور جب تک عمل نہ کرو حسین وجمیل نہیں بن سکتے۔

حضرت حسن سے روایت ہے کہ جو شخص علم میں لوگوں پر فوقیت رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ عمل میں بھی سب سے برتر ہو۔

حضرت سید رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ خبردار چھلنی کی طرح نہ ہونا کہ وہ عمدہ آٹا تو نکال کر دوسروں کو دے دیتی ہے اور بھوسی اپنے پاس رکھتی ہے، اس طرح تمہارا حال نہ ہونا چاہئے کہ تم اپنے منہ سے دوسروں کے لئے تو حکمت کی باتیں نکالتے رہو اور خود تمہارے دلوں میں کھوٹ رہ جائے۔

علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ کسی امام نے یہ دعوی نہیں کیا کہ وہ صرف علم سے پاک ہو گیا اور علم ہی سے اس کی مغفرت ہو سکتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ محض علوم میں نفسانیت شریک ہوتی ہے جب تک عمل نہ کیا جائے نفس اخلاق رذیلہ سے پاک نہیں ہوتا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے برا آدمی کون ہے؟ آپ نے فرمایا بگڑا ہوا عالم۔

صالح مری فرمایا کرتے تھے کہ طالب دنیا عالم کے پاس بیٹھنے سے بچتے رہو کیونکہ وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اور محض زبانی جمع خرچ سے علم کی تعریف کر کے تم کو فتنہ میں ڈال دیگا اس لئے تم اس کی باتوں سے اس دھوکہ میں پڑ جاؤ گے کہ عمل کی چنداں ضرورت نہیں، صرف معلومات بڑھا لینا ہی کافی ہے۔

Marfat.com

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ عالم بے عمل گدھ کی مانند ہے جو آسمان پر اڑتا ہے مگر زمین پر مردار کھاتا ہے۔

عبدالرحمٰن بن مہدی کے تقوی کا حال یہ تھا کہ اگر ان کو کسی چیز میں حرام ہونے کا شبہ بھی ہو جاتا تھا تو اس کو اپنے استعمال میں نہیں لاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جو چیز خدا کی رضا اور خوشنودی کے لئے چھوڑ دو گے خدا تعالیٰ اس کو تمہارے پاس ضرور واپس کر دے گا اس کے بعد اپنا ایک واقعہ سنایا کہ میں نے اور میرے بھائی نے مشترکہ تجارت کی جس میں کافی نفع ہوا مگر تقسیم کے وقت مجھے اس مال میں کچھ شبہ ہوا میں اپنے حصہ سے دستبردار ہو گیا، خدا کی قدرت کہ وہ سب جائز طریقہ پر ساری جائیداد میرے قبضہ میں آگئی۔ (صفۃ الصفوہ ج ۴)

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے ادنی شبہہ کی وجہ سے آبائی جائیداد چھوڑ دی تھی۔

امام شعبہ کی حیثیت محدثین میں جو ہے اس کو کون نہیں جانتا؟ یحییٰ ابن معین ان کے بارے میں فرماتے ہیں: شعبہ امام المتقین تھے، اس کے باوجود آخرت کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا تھا، بسا اوقات فرماتے: کاش میں ایک معمولی فرد ہوتا جس کو کوئی نہ جانتا۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میرا گزر ایک پتھر پر ہوا جس پر لکھا ہوا تھا: "**انت بما تعلم لم تعمل فکیف تطلب علم ما لم تعلم**" (تم نے معلوم شدہ باتوں پر تو عمل نہیں کیا، پھر نئی معلومات کرنے کی کس لئے فکر ہے) یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ علم کو عمل کے لئے حاصل کرو، اس پر بہت لوگ غلطی کر رہے ہیں، اس لئے ان کا علم تو پہاڑوں کے برابر ہے اور عمل چیونٹیوں کے برابر۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے پہلے لوگوں کی تو یہ حالت دیکھی تھی کہ جس قدر جس کسی کا علم بڑھتا تھا اسی قدر دنیا سے بے رغبتی اور مال ومتاع میں کمی ہوتی جاتی تھی اور آج کل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جتنی علم میں ترقی ہوتی اس سے زیادہ دنیا میں رغبت اور اہل دنیا کے ساتھ مزاحمت بڑھتی ہے، اور فرماتے تھے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ دنیا اور لذات دنیا کی طرف مائل ہوتے ہوئے عالم کو اپنے علم پر ایمان کیونکر رہ سکتا ہے کیونکہ علم تو ان باتوں سے منع کرتا ہے اگر وہ اپنے علم کو سچا سمجھتا تو اس کے خلاف کیوں کرتا، معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم کو غلط سمجھتا

Marfat.com

ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ حرام کھانے والے علماء اور قراء مردے ہیں کہ آگ سے پیٹ بھر رہے ہیں اور کچھ خبر نہیں، اگر وہ زندہ ہوتے تو ضرور اپنے پیٹ کے اندر آگ کی سوزش محسوس کرتے۔

منصور بن معتمرؒ اپنے زمانے کے علماء سے فرمایا کرتے تھے: تم کو علم سے لذت اس لئے حاصل ہوتی ہے کہ تم علم کی باتیں سننے سنانے اور فقط زبانی جمع خرچ سے کام لیتے ہو، اگر تم اپنے علم پر پوری طرح عمل کیا کرتے تو مزہ اور لذت کبھی نہ پاتے کیونکہ علم تو اول سے آخر تک دنیا سے نفرت کرنے کی رغبت دلاتا ہے، پھر اس میں لذت کہاں۔

عامر بن عبداللہ بن قیس تابعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ بہت سے علوم جو ہم نے حاصل کئے ہیں، قیامت میں ان کے بارے میں یہ تمنا ہوگی کہ کاش! ہم ان کو نہ حاصل کرتے کیونکہ جب ان پر عمل نہیں کیا تو سوائے اس کے کہ اپنے اوپر حجت الٰہی قائم ہوئی اور کیا نفع ہوا۔

حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے: اس زمانہ میں تو علماء کو حلال سے بھی پیٹ بھرنا برا ہے، حرام سے پیٹ بھرنا تو کیا کچھ ہوگا، یہ بھی ارشاد فرماتے کہ علماء کا تقوی حرام مال اور شہواتِ نفس سے بچنے میں ہے کیونکہ جو گناہ عوام کے نزدیک بھی ظاہر ہیں ان سے تو یہ لوگ بدنامی اور رسوائی کے خوف سے اکثر بچتے ہی رہتے ہیں۔

عبداللہ مزنیؒ فرماتے ہیں کہ عالم کی پہچان یہ ہے کہ دنیا کی محبت کا خطرہ بھی اس کے دل میں نہ گزرے اور فرماتے کہ آج کل اس زمانہ میں اکثر علماء حرام اور مشتبہ مال کھانے لگے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے شکم اور فرج کی خواہش میں ڈوبے ہوئے ہیں، علم کو ایک جال بنا رکھا ہے جس سے دنیا کو شکار کرتے ہیں پس ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنے سے بھی بچو۔ یہ بھی فرماتے کہ: اگر فقہاء اور اہلِ حدیث میں ایک نقص نہ ہوتا تو وہ سب لوگوں میں افضل ہوتے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ اپنے علم کے ذریعہ دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہیں اسی لئے لوگوں کی نگاہوں میں ہلکے ہو گئے ہیں۔

تعلیم المتعلم میں صاحب ہدایہ کا ایک شعر بدعمل عالم اور جاہل عابد کے بارے میں نقل کیا ہے،

Marfat.com

فساد کبیر عالم متهتك واكبر منه جاهل متنسك

هما فتنة فى العالمين عظيمة لمن بهما فى دينه متمسك

(حدود دین سے تجاوز کرنے والا عالم ایک عظیم فتنہ ہے اور عبادت گذار جاہل اس سے بڑھ کر فتنہ ہے، جو شخص دین میں ان دونوں کی طرز زندگی کو اپنے لئے راہ بنائے گا وہ دین و دنیا کے فتنہ میں مبتلا ہوگا۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک کے ایک دوست نے جب حکومت کی ملازمت اختیار کی تو ان کو بڑا رنج ہوا اور ان کے نام ایک خط لکھا جس میں ان کے دین کے ضائع ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا اور اخیر میں یہ اشعار لکھے:

يا جاعل العلم له بازيا يصطاد اموال السلاطين

اے اپنے علم کو باز کی طرح بنانے والے کہ اس سے سلاطین کے مال اور دولت کا شکار کرتا ہے

احسنت للدنيا ولذاتها بحيلة تذهب بالدين

تم نے دنیا کی لذتیں حاصل کرنے کے لئے ایسی بری تدبیر اختیار کی ہے جس سے دین ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

وصرت مجنونا بها بعدما كنت دواء للمجانين

تم دنیا کے پیچھے مجنون ہو گئے، حالانکہ پہلے تم خود مجنونوں کے لئے دوا تھے۔

اين روايتك والقول فى لزوم ابواب السلاطين

اب وہ تمہاری روایتیں اور باتیں کہاں گئیں جو بادشاہوں کے دروازے پر جانے کے بارے میں کیا کرتے تھے۔

ان قلت اكرهت فما ذاكذا زل حمار الشيخ فى الطين

اگر تم یہ کہو کہ مجھے مجبور کیا گیا تو یہ بات نہیں ہے بلکہ جناب عالی کا گدھا کیچڑ میں پھسل گیا ہے۔

مالک بن دینار اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

Marfat.com

یا معشر العلماء یا ملح البلد ما یصلح الملح اذا الملح فسد

اے علماء کی جماعت! تم شہر میں بمنزلہ درستی نمک کے ہو بتاؤ اگر نمک ہی خراب ہو جائے تو اس کو کیا چیز درست کر سکتی ہے یعنی کھانے کی لذت درستی نمک سے ہوتی ہے پس اگر نمک میں خرابی آجائے تو اس کو کس طرح درست کیا جائے، نمک کی خرابی کا کوئی علاج نہیں اسی طرح عوام کی حالت تو علماء کے ذریعہ درست ہوتی ہے، اگر علماء ہی بگڑ جائیں تو ان کو کون درست کرے گا۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

تقویم الغیر مرتب علی تقویم نفسه
فلیبدع بنفسه ثم بمن یعول

(بحوالہ آداب المعلمین)

قدیم عربی ماخذ میں نظر دوڑائیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ بہت سے اہل علم نے تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم، حافظ ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ اور علامہ ابن خلدون نے مقدمہ ابن خلدون میں تعلیم و تعلم، تعلیمی نفسیات، تدریسی مناہج، نصاب سازی کے اصول اور اس کے علاوہ تعلیم کے دیگر پہلوؤں پر شاندار بحث کی ہے۔ ان حضرات کے علاوہ قاضی ابن جماعہ نے ایک شاندار تصنیف چھوڑی جس میں انہوں نے اساتذہ وطلباء کے مسائل، استاذ کے آداب، طلباء کے آداب اور آلات علم کے آداب کے موضوع پر مفصل گفتگو کی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں اساتذہ کے آداب کے بارے میں ایک باب باندھا ہے اس کے ذیل میں وہ لکھتے ہیں:

''اساتذہ کے اندر مندرجہ ذیل صفات ہونا نہایت ضروری ہیں۔

خوف خدا: ''علماء واساتذہ پر واجب ہے کہ وہ بزم وخلوت ہر جگہ اپنے تمام اقوال وافعال اور حرکات وسکنات میں خوف خدا ملحوظ خاطر رکھیں کیونکہ جو علوم انہیں ودیعت کیئے گئے ہیں اس کے حقیقی نگہبان اور امانت دار وہی ہیں۔'' انما یخشی اللہ من عبادہ العلمآء''

خوف خدا کے ساتھ ساتھ شریعت مطہرہ کی پابندی بھی معلمین کے وظائف میں شامل

Marfat.com

ہے ہر معلم کوشش کرے کہ وہ اسلامی شعائر اور ظاہری احکام کا پابند ہو۔ خاص کر نماز باجماعت پابندی کے ساتھ پڑھے، ہر خاص و عام کو سلام کرنے میں پہل کرے، مصیبت کے وقت صبر کرے، سنتوں پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ بدعتوں سے دور رہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عملی تصویر ہو، مسلمانوں کی قومی اور ملی مصلحتوں کی مذہبی طریق پر پاسداری کرے۔ معلم عام مسلمانوں اور طالبعلموں کا پیشوا ہوتا ہے اگر ایک عالم اپنے علم سے خود فائدہ نہ اٹھائے تو دوسرے اس سے کیونکر فائدہ اٹھائیں گے۔ اس لئے عالم کی گمراہی کا جرم زیادہ سنگین اور پر معصیت ہے، اس کے ذریعے برائیوں کے پھیلنے کا زیادہ امکان ہے عوام اس کی معصیت سے جری ہو کر زیادہ جرأت کے ساتھ علانیہ گناہوں کے مرتکب ہوں گے"۔ قاضی ابن جماعۃ مزید لکھتے ہیں: علماء کا فرض ہے کہ وہ کلام پاک کی تلاوت پابندی سے کریں اور دل کو بیدار رکھیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کریں اور تلاوت قرآن میں اس کے معنوں اور مطلبوں، اس کے حکموں اور ممانعتوں اور اس کے وعدوں اور دھمکیوں پر غور کریں۔

۲۔ اخلاق: دیگر اوصاف حمیدہ کے ساتھ معلم کو حسنِ اخلاق کے زیور سے بھی آراستہ ہونا چاہیے اس کی سراپا زندگی پاکبازی اور قناعت کا پرتو ہو، صدقات خیرات اور لوگوں کو کھانا کھلانے میں پیش پیش ہو۔ معلمین کو چاہیے کہ وہ لوگوں سے کشادہ پیشانی سے پیش آئیں، غصے کو پی جائیں، دوسروں کی مصیبتوں میں ہمدردی کریں اور ان کو دور کرنے کی کوشش کریں، پردیسیوں اور رشتہ داروں سے نرمی سے پیش آئیں، طالبعلموں سے نرمی کا سلوک کریں، اگر کسی کو دیکھیں کہ وہ نماز کا پابند نہیں، طہارت کا لحاظ نہیں کرتا یا دوسرے واجبوں کو اعلانیہ ترک کرتا ہے تو اسے نرمی اور پیار سے سمجھائیں جس طرح نبی کریم ﷺ نے اعرابی کو مسجد میں پیشاب کرنے پر نرمی سے سمجھایا تھا۔ مجموعی طور پر اپنے اخلاق اور عمدہ عادتیں توبہ، استغفار، درگزر، حسن اخلاق، احسان، شکر نعمت، مخلوق پر شفقت، شرم وحیاء اور محبت الٰہی جیسے عمدہ خصائل سے متصف ہوں۔

حسنِ اخلاق سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ برے اخلاق سے اپنا دامن پاک صاف رکھنا بھی نہایت ضروری ہے خصوصاً بغض، حسد، کینہ، تکبر، بخل، خیانت، خود پسندی، فخر، غیبت، جھوٹ، بہتان، حرص وطمع، مداہنت، نمود ونمائش، ہزل گوئی، ٹھٹھا، بیہودہ مذاق اور دنیا طلبی

Marfat.com

یہ ایسے برے اخلاق ہیں جن سے علماء کو بلند اور برتر رہنا چاہیے۔ قاضی ابن الجماعۃ مزید لکھتے ہیں:

بہت سے علماء زمانہ الا ماشاء اللہ ان عیبوں خصوصا حسد، کبر، ریا کاری اور دوسرے لوگوں کو حقیر اور کمتر جاننے میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان بلاؤں کی دعائیں زہد اور اخلاق کی کتابوں میں موجود ہیں جو شخص اپنے آپ کو ان عیوب سے پاک کرنا چاہیے وہ ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

معلم کو چاہیے کہ وہ تہمت کے مشتبہ مواقع سے بھی بچے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جو اخلاق کے بلند اصولوں کے منافی ہو اور جو کام اصل میں برے نہ ہوں مگر عندالناس وہ برے سمجھے جاتے ہوں ان سے بھی اپنے دامن کو بچاتا رہے ورنہ عوام کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہوگی اور وہ لوگوں کی نظروں سے گر جائے گا۔

۳۔ پابندی وقت: اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ ہر وقت طلباء کی اصلاح کی فکر میں لگے رہیں اور اپنے عبادت کرنے، پڑھنے پڑھانے، غور وفکر کرنے، تصنیف و تالیف اور بحث ونظر کرنے کے اوقات مقرر کریں۔ انہیں اپنا وقت سب سے زیادہ عزیز ہو۔ مختلف غیر نصابی سرگرمیوں، کھانے پینے، ملنے جلنے، آرام کرنے اور خانگی زندگی کیلئے بہت کم وقت صرف کریں۔ ربیع بن سلیمان مرادی امام شافعی کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ ''میں نے انہیں دن کے وقت کھاتے اور رات کے وقت سوتے ہوئے نہیں دیکھا وہ اپنے وقت کا بڑا حصہ تصنیف پر خرچ کرتے تھے۔''

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ''جسم کی آسائش کے ساتھ علم کو تابع نہیں بنایا جا سکتا''

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ ''جنت تکلیفوں اور مصیبتوں سے حاصل ہوتی ہے''

اس کے ساتھ ساتھ معلم کو چاہیے کہ مطالعہ کا کبھی ناغہ نہ کرے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں: عالم اسی وقت تک عالم رہ سکتا ہے جب تک وہ طالبعلم ہے جب وہ پڑھنا چھوڑ دے اور سمجھے کہ وہ علم سے بے نیاز ہو گیا تو ایسا شخص عالم نہیں جاہل ہے۔

۴۔ قول و فعل میں مطابقت: امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ معلم کا قول اس کے فعل کے خلاف نہ ہوتا کہ اس کے عمل سے اس کے قول کی تکذیب نہ ہو۔ اس کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ ایک شخص دوسروں کو کہے جا رہا ہے کہ یہ چیز نہ کھاؤ اور خود اسے کھا رہا ہے تو لوگ اس کے قول سے کیا

Marfat.com

تأثر لیں گے۔ اسی لئے ایک عربی شاعر نے یہ خوبصورت شعر کہے ہیں۔

یاایھا الرجل المعلم غیره

هلا لنفسک کان ذا التعلیم

ترجمہ: دوسروں کو سکھانے والے! کیا یہ تعلیم تیرے لئے نہیں ہے؟

لا تنه عن خلق تاتی مثله

عار علیک اذا فعلت عظیم

ترجمہ: تم ایسی بات سے مت روکو جس کو تم خود کر رہے ہو اس لئے کہ یہ تمہارے لئے بہت بڑا عار بنے گا۔

وابدا بنفسک فانها عن غیها

فاذا انتهت عنه فانت حکیم

ترجمہ: سب سے پہلے اپنے نفس کو سرکشی سے روکو جب وہ باز آجائے تو بلاشبہ تم ایک عقلمند شخص ہو۔
مالک بن دینار فرماتے ہیں: ''بے عمل عالم کی نصیحت ایسی ہے جیسے سنگلاخ چٹان پر بارش کا برسنا'' جس طرح سخت چٹان پر بارش کا کوئی اثر نہیں ہوتا بعینہ بے عمل عالم کی نصیحت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ امام مالک اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

یا معشر العلماء یا ملح البلد

ما یصلح الملح اذا الملح فسد

ترجمہ: اے علماء کے گروہ! تم شہر میں مثل نمک کے ہو بتاؤ اگر نمک ہی خراب ہو جائے تو اس کو دوسری کیا چیز درست کر سکتی ہے۔''

طلباء اساتذہ کے ذریعے درست ہوتے ہیں اگر اساتذہ ہی بگڑ جائیں تو طلباء خود بخود بگڑیں گے اور اگر طلباء بگڑ گئے تو پورا معاشرہ بگڑ جائے گا اسی لئے امام غزالی فرماتے ہیں

تقویم الغیر مرتب علی تقویم

نفسه فلیبدا بنفسه ثم بمن یعول

ترجمہ: دوسروں کو درست کرنا اپنے درست کرنے پر موقوف ہے لہذا دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے خود کو درست کرو۔

معلم کو چاہیے کہ وہ طلباء کیساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے۔ استاد جس قدر اچھے

Marfat.com

اخلاق سے طلباء کیساتھ پیش آئے گا طلباء پر اس کی باتوں کا اسی قدر اثر ہوگا۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ جتنا رعب شفقت میں ہے اتنا مارنے ڈانٹنے میں نہیں۔ یہ تو حماقت ہے کہ آدمی جس برتن میں کچھ بھرنا چاہے اس میں پہلے ہی سوراخ کردے جب طلباء کے دلوں کو معلم اپنی بداخلاقی کے رویے سے چھلنی کردے تو ان میں خیر کی بات کس طرح ڈالی جاسکتی ہے۔

۵۔دین کی تڑپ: صاحب مدرس لکھتے ہیں کہ: ''دوران سبق خواہ کسی بھی فن کی کتاب ہو طالبعلم کی اصلاح کی بات ضرور کرے۔''

حضرت مولانا منظور نعمانی لکھتے ہیں: اگر مدارس میں تربیت کے سلسلے میں کم از کم یہ ہوتا کہ طلباء میں دینی شغف پیدا کرنے کی طرف توجہ دی جاتی اور دین کی قدر و قیمت ان کے دل و دماغ میں بٹھانے کی معمولی سی بھی کوشش ہوا کرتی تو یہ نہ ہوتا کہ چار چار، چھ چھ سال مدارس میں پڑھ کر جو طلباء درمیان میں کسی وجہ سے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو عموماً دیکھا جاتا ہے کہ وہ کوئی دینی اثر لے کر نہیں جاتے۔

قاضی شریح کندی (م ۸۰ھ) کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا انہوں نے ایک مرتبہ نماز کے وقت اپنے بچے کو کتیا کے بچے سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو اس کے معلم کے نام چند اشعار لکھے اور اسی کے ہاتھ معلم کے پاس بھیجے۔

ترك الصلوة لاكلب يسعى بها
طلب الهراش مع الغوة الرجس
فليأتينك غدوة بصحيفة
كتبت لي كصحيفة المتلمس
فاذا همدت بضربة فبدأ
واذا بلغت به ثلاثا فاحبس
واعلم بانك ما أتيت فنفسه
مع مايجر عني اعز الانفس

ترجمہ: میرے بیٹے نے نجس و ناپاک کتوں کیساتھ کھیل کود میں نماز چھوڑ دی وہ صبح کو تمہارے پاس صحیفہ لے کر آئے گا جو اس کیلئے ملتمس کے صحیفے کی طرف لکھا گیا ہے۔ جب تم اس کو سزا دینا چاہو تو

Marfat.com

کوڑے آہستہ سے مارنا اور تین کوڑے مار کر ہاتھ روک لینا، اگرچہ تم نے میرے کہنے پر سزا دی مگر پھر بھی مجھے دلی تکلیف ہوئی اور یہ دلی تکلیف مجھے محبوب ہے"۔

قاضی شریح نے معلم سے اپنے بیٹے کو سزا دلوائی اس میں معلم کیلئے ایک لطیف تنبیہ تھی کہ طلباء کی دینی و اخلاقی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ کرے اور سزا دینے میں طلباء کی معصومیت اور والدین کی محبت کا لحاظ رکھے۔

۶۔طرزِ تخاطب: ایک معلم کا طرز کلام انتہائی اخلاقی اور باوقار ہونا چاہیے۔ یہ آزمودہ امر ہے کہ نازیبا اور بے ہودہ طرز تخاطب سامعین کی رگِ حس کو بھڑکا دیتا ہے مثلاً کچھ لوگوں کا تکیہ کلام کم بخت، گدھا یا الو ہوتا ہے۔ اس سے ایک نقصان تو یہ ہوتا ہے کہ نئی نسل اور نئے معاشرے میں یہ الفاظ تکیہ کلام بن جاتے ہیں دوسرا یہ کہ اسی طرح کے تکیہ کلاموں سے نصیحت کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ معلم کا تکیہ کلام ایسا ہو کہ طلباء اسے اپنا سکیں۔

معلم کو چاہیے کہ وہ طلباء کا نام محبت سے لے۔ خاص کر ایسے نام جو اسلامی ہوں، کہتے ہیں کہ ہمایوں بادشاہ ہمیشہ باوضو رہتا تھا اگر کبھی بے وضو حالت میں اپنے ملازمِ خاص عبداللہ کو پکارنا ہوتا تو صرف عبدل کہہ کر پکارتا تھا۔ ایسے وسیع المرتبت اور وسیع المملکت بادشاہ کی یہ مثال عام درجہ کے انسانوں کیلئے کس درجہ سبق آموز ہے۔ ایسے کڑوے کسیلے جملے جو غیر شریفانہ غیر ناصحانہ جذبات کی عکاسی کرتے ہوں اس کے استعمال سے بچا جائے۔ ویسے اگر غور کیا جائے تو ان جملوں کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا بلکہ لایعنی کا گناہ الگ سے ہوتا ہے اور استاذ پر عدمِ اعتماد اور استاذ کو کمزوری طلبہ کے ذہنوں میں بیٹھ جاتی ہے۔

۷۔غلطی کا اقرار: استاذ کی صفات میں سے سب سے بڑی صفت اپنی غلطی کا اقرار ہے۔ ویسے تو ہر مسلمان کی یہ صفت ہونی چاہیے مگر ایک معلم کیلئے ضروری ہے کہ وہ حق بات اور سچی تعبیر کے معلوم ہونے پر ٹال مٹول اور مختلف حیلوں بہانوں سے اسے رد نہ کرے بلکہ صحیح بات کو قبول کر کے اخلاقی جرأت و بہادری کا ثبوت دے کہ ایک معلم حق کا طالب اور حق کا معترف ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہی عادت اور صفت تھی کہ جب انہیں کوئی ایسی بات معلوم ہوتی جس سے اپنی بات یا مؤقف کا غلط ہونا یا نامناسب ہونا واضح ہو جاتا تو فوراً اس کا اعتراف فرما لیتے تھے۔

Marfat.com

اس طرح اعتراف کرنے سے سب سے بڑا فائدہ یہ حاصل ہوگا کہ شاگردوں کے دل میں استاذ کی محبت بڑھ جائے گی اور اپنے استاذ پر کامل اعتماد پیدا ہو جائے گا اور جو استاذ اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے اور پھر طلباء پر وہ غلطی واضح ہو جائے تو استاذ کی وقعت اور اس پر اعتماد طلباء کے دلوں سے ختم ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی طالب علم عبارت کا صحیح مفہوم بتلا رہا ہو تو اس کی بات مان لے اس میں استاذ کی توہین نہیں بلکہ اس کی امانت اور دیانت داری کی اعلیٰ صفت شاگردوں کیلئے بھی نمونہ بن جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شاگرد یا عام آدمی کوئی مسئلہ پوچھے اور صحیح مکمل بات معلوم نہ ہو تو صاف کہہ دے کہ تحقیق کے بعد بتاؤں گا۔ امام مالک فرماتے ہیں: ''لا ادری'' عالم کیلئے (شیطان کے وار سے) ڈھال ہے۔

محمد بن کعب سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا آپ نے بتا دیا ایک دوسرا شخص وہاں موجود تھا اس نے کہا اے امیر المؤمنین! مسئلہ یوں نہیں یوں ہے امیر المؤمنین نے فرمایا بیشک تم سچ کہتے ہو مجھ سے غلطی ہو گئی۔

علامہ اقبال سے کسی نے کہا: ''ایک شخص نے آپ کے کلام میں بہت سی غلطیاں نکالی ہیں۔ جواب میں انہوں نے کہا: ''تو میں نے کب دعویٰ کیا کہ میرا کلام کلام مجید ہے جس میں کوئی غلطی نہیں۔''

افرادِ جامعہ کے ساتھ بہتر تعلقات

مدرس کے فرائض میں سے یہ بھی ہے کہ ادارہ کے مسائل اور اس کی خامیوں کا ہر جگہ تذکرہ نہ کرے اور طلباء کے سامنے اساتذہ کی توہین نہ کرے اور حتی الامکان مدرسے کے قوانین کی پابندی کرے۔ بلاوجہ غیر حاضر نہ رہے اور مدرسہ کی نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں میں بھر پور حصہ لے۔

مدرسے کے اندر موجود تمام نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں میں بھر پور حصہ لے۔ مدرسے کے اندر موجود تمام اساتذہ کا مقصد یہ ہے کہ متعلمین کی ذہنی، اخلاقی، روحانی، جسمانی، مذہبی اور سماجی نشوونما مناسب طور پر کی جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب تمام اساتذہ ایک

Marfat.com

دوسرے سے تعاون کریں۔ ہر معلم کو چاہیے کہ وہ ہم پیشہ افراد کا تعاون کرے مگر دوسرے کے کاموں میں غیر ضروری مداخلت نہ کرے۔ کسی بھی معلم کے دل میں یہ بات نہیں آنی چاہیے کہ جو کچھ ہوں، صرف میں ہوں۔ اس ادارہ میں صرف میری ہی محنت ہے، میری رائے اتنی قیمتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کم ظرفی اور حوصلہ شکنی کی باتیں ہیں۔ ادارے کا ہر فرد ادارے کا ایک حصہ ہے اور جو ادارے میں نظم وضبط نظر آرہا ہے اس میں خادم، محاسب، باورچی، چوکیدار اور فون آپریٹر وغیرہ سب کا حصہ ہے۔ اگر استاذ پڑھا رہا ہو اور اسی استاذ کو فون پر یا جواب دینا پڑے، آنے والوں کا استقبال بھی کرنا پڑے تو وہ کیسے پڑھا سکے گا؟ لہٰذا معلم کو چاہیے کہ ادارے کے ہر ہر فرد سے محبت کرے اور ان سے ادب واحترام سے پیش آئے۔ اگر معلم یہ گمان کرے کہ جناب غزالی وقت اور رازی زماں تو میں ہی ہوں تو وہ طلباء اور اساتذہ کی نظر سے گر جائے گا اور ہر ہر فرد سے اس کے تعلقات خراب ہوں گے۔ معلم کو چاہیے کہ وہ ہر وقت شیطانی تدابیر سے بچے اور ہر استاذ کے ساتھ اچھا تعلق قائم کرے۔ بغیر کسی وجہ اور ضرورت کے کسی کام پر تبصرہ نہ کرے اور بغیر مانگے کسی کو مشورہ نہ دے۔

ایک معلم کی اصلاح کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ دوسروں کے عیوب ونقائص نہ تلاش کرے اور کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے معاصر اساتذہ کی عزت پر کوئی حرف آتا ہو۔ معاصر اساتذہ کے ساتھ محبت سے پیش آئے اور حتی الامکان اختلاف رائے سے اجتناب کرے۔ مسائل کے حل کیلئے محاذ کھولنے کی بجائے مفاہمانہ انداز اختیار کرے نیز متعلمین کے ذہنوں میں دیگر اساتذہ کے بارے میں غلط تاثر قائم کرنے سے گریز کرے۔

۹۔ **اجزاءِ ترکیبی کی پاسداری:** معلم کی کیا صفات ہونی چاہییں اور معلم کے اجزاء ترکیبی کیا ہیں؟ اس پہلو پر ایک صاحبِ دل نے جاندار تبصرہ لکھا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

''یاد رکھیے! تعلیم کا مقصد صرف نصاب پڑھانا یا الف، ب، ت اور اے، بی، سی یاد کرانا نہیں بلکہ طلبہ میں علمی استعداد کے اضافے کے ساتھ ساتھ ان میں ہمدردی، شفقت، خدمتِ خلق، اور تہذیب کے مثبت جذبات پیدا کرنا ہے اسی لئے اگر کوئی پوچھے کہ دنیا میں سب سے مشکل کام کون سا ہے تو جواب ہوگا: ''طلباء کی مناسب تعلیم وتربیت'' اس لئے کہ تعلیم وتربیت

Marfat.com

دماغ نچوڑنے اور ہڈیوں کا گودا پگھلانے کا کام ہے۔

معلم کے اجزءِ ترکیبی میں ضبطِ نفس، فراخ حوصلگی، صبر و ثبات، قوت برداشت، سلامتی ذہن وفکر، جگر سوزی و دل سوزی اور تہجد کی دعائیں شامل ہیں۔ استاذ کبھی جلد باز نہیں ہوتا، استاذ بے حوصلہ نہیں ہوتا، استاذ چڑچڑا نہیں ہوتا، استاذ بدخواہ نہیں ہوتا بلکہ استاذ کی زندگی کا ہر لمحہ پل صراط پر سے گزر کر اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے جذبے کے ساتھ بسر کرنا پڑتا ہے۔

استاذ اور والدین کو ہر فرد کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ دل سوزی، دردمندی اور خیر خواہی کے جذبات سے معمور، تلخ کلامی اور سخت بیانی سے اتنا ہی دور ہونا چاہیے جتنا مشرق و مغرب کے مابین فاصلہ ہے کیونکہ معلم و مربی اپنی منزل کہکشاں سے ہو کر نہیں کانٹوں اور پتھروں سے گزر کر حاصل کرتا ہے لہذا ہر معلم کو چاہیے کہ وہ معصوم طلباء کے ساتھ محبت، اپنائیت، رحمت و شفقت، الفت و محبت، مساوات اور ہمدردی کا سلوک کرے۔

تعلیم و تربیت کوئی ذاتی مسئلہ یا محض ذریعہ معاش نہیں بلکہ یہ ایسا فریضہ ہے جسے صرف اس نیت سے ادا کیا جائے کہ آخرت میں موجب مغفرت بن جائے۔ یاد رکھئے! اجر اس معلم کو ملے گا جس نے اپنے حسنِ کلام، صبر و تحمل اور اچھے کردار سے طلباء کو سیدھی راہ دکھائی اور جس نے اپنے بھڑکیلے مزاج، غصیلے انداز اور کٹیلے الفاظ سے طلباء کو دھتکارا اور بھاگنے پر مجبور کیا خوف ہے کہ کل قیامت کے دن اس کی پکڑ نہ ہو جائے۔

امام غزالی کی کتاب ''احیاء العلوم'' کو مختلف علوم کا انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ اس کتاب میں انہوں نے مختلف موضوعات پر جاندار مباحث رقم کی ہیں۔ تعلیم کے موضوع پر انہوں نے نہایت عمدہ بحث کی ہے جس میں انہوں نے علوم کی تقسیم، لازمی و اختیاری مضمون، لازمی و اختیاری تعلیم، معلم و متعلم کے آداب، نظریہ سزا، مقاصدِ تعلیم، فلسفہ تعلیم، نصاب سازی، طریقہ تدریس اور نظریہ تعلیم کی بنیادوں پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے علوم کی درجہ بندی بھی کی ہے انہوں نے معلم و متعلم کے آداب کے سلسلہ میں الگ سے باب باندھا ہے۔ آداب معلم کے سلسلہ میں انہوں نے معلم کیلئے کچھ آداب ذکر کیے ہیں جن میں

Marfat.com

اہم آداب کا خلاصہ یہ ہے۔

پہلا ادب: پہلا ادب یہ ہے کہ استاد شاگردوں پر شفقت کرے ان کو اپنے بیٹوں کے برابر جانے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "انما انا لکم مثل الوالد لولدہ"

"میں تمہارے حق میں ایسا ہوں جیسا باپ اپنے بیٹے کے حق میں" (ابوداؤد و نسائی)

معلم کو چاہیے کہ وہ اپنے طلباء کو آخرت کی آگ سے بچانے کی نیت کر کے پڑھائے اور یہ اپنے بچے کو دنیا کی آگ سے بچانے سے زیادہ اہم ہے اور جس طرح ایک باپ کے بیٹوں میں آپس میں پیار محبت ہوتا ہے اور مقاصد پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اسی طرح ایک استاذ کے شاگردوں میں آپس میں دوستی اور محبت ہونی چاہیے۔

دوسرا ادب: معلم کو چاہئے کہ پیشہ تعلیم میں صاحب شریعت محمد ﷺ کی پیروی کرے۔ یعنی علم سکھانے پر کوئی مزدوری نہ طلب کرے اور نہ ہی کسی شکریئے کا خواہش مند ہو بلکہ صرف رضاء الٰہی اور قرب الٰہی کے حصول کے لئے پڑھائے اور دل میں یہ گمان نہ کرے کہ میں اپنے شاگردوں پر احسان کر رہا ہوں بلکہ یہ سوچے کہ مجھے بھی فضیلت انہی طلباء کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے کیونکہ انہوں (طلباء) نے اپنی اصلاح کیلئے خود کو میرے حوالے کر دیا ہے کہ میں ان کے دلوں میں علوم کے بیج بو کر ان کو خدا کے قرب کا راستہ بتاؤں۔

خوب سمجھ لیجیے کہ مال اور دنیا کی چیزیں نفس کی خادم ہیں اور بدن نفس کی سواری ہے جب کہ علم مخدوم ہے کیونکہ اس کی وجہ سے نفس کا شرف ہے تو جو شخص علم کے بدلے مال طلب کرے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کی جوتی میں نجاست لگ گئی ہو اور وہ اس کو صاف کرنے کیلئے اپنے منہ سے رگڑے دیکھو اس مثال میں اندھے نے خادم کو مخدوم اور مخدوم کو خادم کر دیا ہے اس طرح کا شخص قیامت کے دن اوندھے منہ مجرموں کے ساتھ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا۔

بعض معلمین شاگردوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ میری ہر مصیبت میں کام آئیں اور دنیاوی ضرورتوں میں گدھے کی طرح لدا کریں اور سب حاجات میں فرمانبردار رہیں اور اگر اس امر میں ذرا بھی قصور کریں تو پھر استاذ جی ان کے دلی دشمن ہیں۔ بس اس طرح کا عالم نہایت گھٹیا اور خسیس ہے اسے اس قول سے بھی شرم نہیں آتی کہ پڑھانے سے میری غرض علم کا پھیلانا ہے۔

Marfat.com

تیسرا ادب: معلم کو چاہیے کہ طالبعلم کی نصیحت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے۔ اس کو تنبیہ کرے کہ علوم کی طلب قربِ الٰہی کیلئے کرے نہ کہ فخر اور ریاست کی طلب کیلئے اور اس امر کی برائی شاگرد کے دل میں جس قدر ممکن ہو شروع ہی میں بٹھا دے کیونکہ ایک عالم فاجر کی خرابی زیادہ ہوتی ہے اور اصلاح کم۔ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری کو کسی نے پریشان دیکھا اور پریشانی کی وجہ پوچھی حضرت نے فرمایا: ہم دنیاداروں کیلئے تجارت گاہ بن گئے کہ ان میں سے کوئی حصولِ علم کیلئے ہمارے پاس آتا ہے اور جب کچھ سیکھتا ہے تو قاضی یا عامل یا خانساماں بن جاتا ہے۔

چوتھا ادب: تعلیم کے باب میں سب سے عمدہ اور باریک نکتہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے شاگرد کو کنایہ اور پیار کی راہ سے اخلاقِ بد سے منع کرے، تصریح اور توبیخ کے ساتھ نہ جھڑکے اس لئے کہ تصریح ہیبت کا حجاب دور کر دیتی ہے۔ آنحضرت ﷺ جو استاذ الاساتذہ ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اگر آدمیوں کو مینگیاں توڑنے سے منع کیا جائے تو وہ ان کو ضرور توڑیں اور کہیں کہ ہم کو اس سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ ضرور اس میں کوئی خاص بات ہے اور اس امر پر حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ شاہد ہے جن کو درخت کے پاس جانے سے منع کیا گیا تھا۔''

(احیاء العلوم، کتاب العلم از امام غزالی)

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگرد

☆ ولید بن قاسم فرماتے ہیں: ''امام صاحب کریم الطبع تھے اپنے شاگردوں کا خیال رکھتے تھے اور ان کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ فرماتے تھے۔''

☆ عصام فرماتے ہیں: ''کسی شخص کو اپنے شاگردوں کا ایسا خیال نہ تھا جس طرح امام صاحب کو تھا، حتیٰ کہ اگر کسی کے بدن پر مکھی بھی بیٹھتی تو اس کی ناگواری امام صاحب کو محسوس ہوتی تھی کسی نے آپ کے ایک شاگرد کے متعلق بیان کیا کہ وہ اپنی چھت پر سے گر گیا امام صاحب نے زور سے چیخ ماری جس کو تمام مسجد والوں نے سنا اور گھبراتے ہوئے ننگے پاؤں کھڑے ہوئے پھر رونے لگے اور فرمایا: ''اگر اس مصیبت کا اٹھا لینا میرے لیے ممکن ہوتا تو میں ضرور اس کو اٹھا لیتا۔'' امام صاحب تا صحت صبح و شام اس کی عیادت کیلئے تشریف لے جاتے رہے۔

Marfat.com

☆ امام صاحب اپنے طلباء کیلئے جمعہ کے روز طرح طرح کے کھانے پکواتے لیکن کھانے میں خود شریک نہ ہوتے، پوچھنے پر فرماتے: ''اس طرح تم لوگوں کی بے تکلفی جاتی رہے گی۔'' اس سے امام صاحب کی طلبہ پر شفقت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ نوجوانوں کو کسی بزرگ کی موجودگی میں سنجیدہ ہو کر بیٹھنا پڑے گا اور وہ آپس میں ہنسی مذاق نہ کرسکیں گے۔

(الخیرات الحسنات ص 139)

☆ امام ابو یوسف کا بیان ہے کہ میں عسرت اور تنگدستی کی حالت میں امام صاحب سے تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ ایک دن میرے والد آئے اور مجھے درس سے اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے اور کہا ابو حنیفہ تو خوشحال آدمی ہے، تم تنگدست ہو، لہذا تم ان کی ہمسری نہیں کرسکتے! امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے امام صاحب کے یہاں آمد و رفت بند کردی۔ امام صاحب نے میری غیر حاضری کے بارے میں میرے ہم جماعتیوں سے سوال کیا۔ پھر کچھ دن بعد میں دوبارہ مجلس میں حاضر ہوا تو استاذ محترم نے غیر حاضری کی وجہ معلوم کی؟ میں نے معاشی الجھن کی وجہ بیان کی۔ مجلس ختم ہوئی تو امام صاحب نے مجھے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ جب سب طالبعلم چلے گئے ایک تھیلی میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا: ''اس تھیلی سے اپنا کام چلاتے رہو اور سبق میں ناغہ نہ کرنا۔'' جب یہ رقم ختم ہوجائے تو مجھے خبر کردینا، میں نے دیکھا اس تھیلی میں سو درہم تھے۔ اس کے تھوڑے دن بعد بغیر کچھ کہے سنے ایک اور تھیلی مجھے تھما دی اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا حتی کہ میں نے اطمینان کے ساتھ اپنی تعلیم مکمل کرلی۔ میں نے سترہ سال تک امام صاحب سے تعلیم حاصل کی مگر سوائے بقرہ عید اور چھوٹی عید کے کبھی غیر حاضر نہیں ہوا۔

(اخبار ابی حنیفہؒ واصحابہ ص 92)

امام ابو حنیفہ کی پرکشش درسگاہ

☆ امام صاحب کی درسگاہ میں ایک عجیب کشش ہوا کرتی تھی جو ہر کسی کو اپنی طرف کھینچ لیا کرتی تھی۔ آپ کی درسگاہ کی ایک یہ خصوصیت تھی کہ جو ایک بار اس میں شریک ہوتا پھر مجال کیا کہ وہ اس کو چھوڑ کر کسی اور مجلس میں چلا جاتا۔ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر یہ تمام حضرات پہلے کسی اور حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے مگر جب امام صاحب کی درسگاہ میں آئے تو وہیں کے ہو کر رہ

Marfat.com

گئے۔ امام ابو یوسف کے شیوخ کی تعداد سو سے زیادہ ہے جبکہ امام محمد کے شیوخ کی تعداد تو اس سے بھی زیادہ ہے اور امام زفر کے شیوخ کی تعداد بھی کچھ کم نہیں لیکن جو محبت و عقیدت ان حضرات کو امام صاحب سے تھی کسی اور شیخ سے نہیں تھی۔ اس میں امام صاحب کے علم و تفقہ اور ان کے مجتہدانہ درس کے ساتھ ان کے عام اخلاق و کردار اور زہد و تقوی کا بڑا دخل تھا۔ خصوصاً طلباء کے ساتھ وہ جس شفقت، حسن سلوک اور رواداری و مساوات کے ساتھ پیش آتے تھے اور ان کے لئے جو دل سوزی کرتے تھے اس کی کوئی مثال کسی دوسری جگہ نہیں ملتی۔ امام زفر رحمہ اللہ امام اعظم رحمہ اللہ کی زندگی کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

”جالست ابا حنیفه اکثر من عشرین سنته فلم ار احداً انصح و اشفق الناس منه وانه یبذل نفسه الله تعالی 'اما عامته النهار فانه کان مشغولا باالمسائل و حلها و تعلیمها ـ فاذا قام من المجلس عاد مریضاً او شیع جنازة او واسی فقیراً او واصل اخاً او سعی فی حاجته ـ فاذا کان الیل خلا لتلاوة و العباده و الصلوة فکان هذا سبیله حتی توفی“

”میں نے امام صاحب کی مجلس میں بیس سال سے زیادہ عرصہ گزارا، میں نے امام صاحب سے بڑا ناصح اور لوگوں کا خیر خواہ کوئی نہیں پایا۔ انہوں نے اپنی زندگی اللہ کے لئے وقف کر رکھی تھی دن میں تو وہ مسائل میں مشغول رہتے، مسائل کو حل کرتے اور تعلیم و تعلم میں کھپے رہتے ۔جب مجلس سے اٹھتے تو کسی مریض کی عیادت کرتے یا کسی جنازے میں شریک ہوتے یا کسی فقیر کی دل جوئی کرتے یا کسی سے ملاقات کر لیتے یا کسی بھائی کی حاجت جتوئی میں مشغول ہو جاتے اور جب رات ہوتی تو تلاوت، عبادت اور نماز کیلئے خلوت اختیار کر لیتے۔ فوت ہونے تک ساری زندگی ان کا یہی طریقہ کار تھا“ گویا امام صاحب کا ایک ایک منٹ عبادت میں گزرتا تھا۔

(سیر الصحابہ ج8 ص214)

امام ابو یوسف کا اپنے شاگردوں کے ساتھ تعلق

امام ابو یوسف اپنے معاصرین میں جہاں بہت سی چیزوں میں ممتاز تھے وہاں ایک

Marfat.com

امتیاز یہ بھی تھا کہ وہ اپنے شاگردوں اور طلباء کے ساتھ نہایت خیر خواہی اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ ان کی تعلیم میں بخل سے کام نہ لیتے تھے اور وقت کا خوب خیال رکھتے تھے۔ حضرت امام ابو یوسف کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ ان کے شاگرد اپنے فن میں بڑی شان اور بڑا امتیاز حاصل کریں یہی وجہ ہے کہ ان کے شاگردوں جیسے ذہین اور اصحاب علم و فضل تلامذہ دوسرے ائمہ کو نہ ملے۔ امام ابو یوسف نے اپنے تلامذہ سے فرما دیا تھا کہ باوجود مربی ہونے کے میری کسی بات کو دلیل یا حجت کے بغیر قبول نہ کرنا۔ چنانچہ استاذ کی یہ صفات بڑی حد تک شاگردوں میں بھی موجود تھیں اور وہ بھی اپنے شاگردوں کے ساتھ نہایت فیاضانہ سلوک کرتے تھے۔

ایک دلچسپ واقعہ

امام محمد بن حسن جو امام ابو یوسف کے شاگرد تھے ان کے حالات میں مذکور ہے کہ وہ امام شافعی اور امام مالک کے مشہور افریقی شاگرد اسد بن فرات کو درسگاہ کے اوقات کے علاوہ رات کو گھر پر بھی پڑھاتے تھے اور کسی قسم کی مایوسی اور ناگواری کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ امام ابو یوسف پر بھی اپنے شفیق استاذ (امام اعظم ابوحنیفہ) کا اثر تھا کہ طلباء کے ساتھ نہایت شفقت اور مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے اور طلباء کے سوالات کے جوابات نہایت خندہ پیشانی اور کمال صبر و تحمل کے ساتھ دیا کرتے تھے۔ حسن بن زیاد جو امام اعظم کی شاگردی میں رہ چکے تھے ان کی وفات کے بعد امام ابو یوسف اور امام زفر کی درسگاہ میں تشریف لائے وہ امام ابو یوسف کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

کان ابو یوسف اوسع صدراً باالتعلیم من زفر

امام ابو یوسف تعلیم کے بارے میں امام زفر سے زیادہ کشادہ دل اور وسیع الظرف تھے۔ انہی سے روایت ہے کہ جب میرے سامنے کوئی مشکل مسئلہ آتا تو امام زفر کے پاس جاتا اور ان سے دریافت کرتا وہ مجھے مسئلہ سمجھاتے مگر میری سمجھ میں نہ آتا میں بار بار پوچھتا حتی کہ جب وہ تنگ ہو جاتے تو فرماتے: ''تمہارے لئے یہ فن نہیں ہے وقت ضائع مت کرو اگر تمہارے ذہن و دماغ کا یہی حال رہا تو مجھے امید نہیں کہ تم حصول علم میں کامیاب ہو سکو گے'' میں وہاں سے بہت غمگین واپس لوٹتا اور امام ابو یوسف کی درسگاہ میں حاضر ہو کر مسئلہ دریافت کرتا وہ بار بار سمجھاتے مگر

Marfat.com

میری سمجھ میں نہ آتا آخر تھک کر امام ابو یوسف فرماتے: اچھا حسن! گھبراؤ نہیں مجھے یہ بتاؤ کیا تمہیں اس مسئلے کی مبادیات سے بھی واقفیت نہیں؟ میں جواب دیتا نہیں! میں تو اس مسئلے کے بہت سے پہلوؤں سے واقف ہوں مگر جس قسم کی واقفیت اور اطمینان میں چاہتا ہوں وہ حاصل نہیں ہو رہا، تو استاذ صاحب فرماتے: ''ہر ناقص چیز بتدریج اتمام اور کمال تک پہنچتی ہے۔ صبر سے کام لو، ذہن اور دماغ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالو امید ہے کہ تم رفتہ رفتہ اپنے گوہر مقصود کو پالو گے۔'' حسن بن زیاد فرماتے ہیں کہ میں استاذ صاحب کے اس صبر و تحمل پر حیران رہ جاتا۔

شاگردوں کے ساتھ امام ابو یوسف کی غیر معمولی شفقت، ہمدردی اور تعلق خاطر کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام صاحب اپنے شاگردوں کو فرمایا کرتے تھے کہ:

''لو استطعت ان اشاطرکم ما فی قلبی لفعلت''

''میرے قلب و دماغ میں جو علم ہے اگر میرے قبضہ قدرت میں ہوتا کہ اسے تم میں منتقل کر دوں تو میں ایسا کر گزرتا'' (رسائل ابن جوزی ص 44)

عظیم استاذ عظیم شاگرد

امام شافعی امام محمد کے تلمیذ رشید ہیں۔ امام محمد نے اپنے خاص شاگردوں کے لئے رات کے وقت درس کا انتظام کیا تھا۔ درسی تعلیم اور تربیتی مجلس کے ساتھ ساتھ امام محمد اپنے طلباء کی مالی مدد بھی کیا کرتے تھے۔

امام محمد کا برتاؤ اپنے شاگردوں کے ساتھ عموماً اور امام شافعی کے ساتھ خصوصاً انتہائی شفقت و محبت، رحم و کرم، بذل و عطا اور جود و سخا کا تعلق تھا۔ امام صاحب اپنے شاگردوں کی تکلیف نہیں دیکھ سکتے تھے۔ خود دکھ اٹھا لیتے مگر طلباء کو تکلیف نہیں پہنچنے دیتے تھے۔ اپنی حاجات اور ضروریات کو روک کر اپنے مال سے طلباء کی ضروریات پوری کیا کرتے تھے۔ امام صاحب اپنے جود و سخا کو پوشیدہ رکھتے تھے ان کا یہ وصف وہی طلباء جانتے تھے جو ان کے زیرِ احسان تھے۔ ایک دفعہ عراق کے زمانہ قیام کے دوران امام شافعی کسی قرض کے سلسلے میں قید ہو گئے استاذ صاحب کو خبر ملی تو فوراً قرض خواہ کا قرض ادا کیا اور امام شافعی کو رہا کروالیا امام محمد کو اپنے شاگردِ رشید امام شافعی کے ساتھ بڑا خاص تعلق تھا۔ جب شاگرد آ جاتا تو ضروری سے ضروری کام چھوڑ کر بھی اس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

Marfat.com

ایک دفعہ امام شافعی نے اپنے استاذ امام محمد کو ایک منظوم خط لکھا کہ وہ اپنی کتابیں عاریۃً بھیج دیں تو امام محمد نے اپنی تمام کتابیں ہدیۃً بھیج دیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ یہ اس دور کی بات ہے کہ جب کتابت وطباعت کے موجودہ طریقے رائج نہ ہوئے تھے، اس وقت کوئی ایک کتاب ہدیۃً دینا موجودہ زمانے میں ایک کتب خانہ دینے سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ استاذ کے ساتھ انہی تعلقات کی بناء پر امام شافعی فرماتے ہیں۔

"لیس علی سنة فی العلم واسباب
الدنیا ما لمحمد" (کردری)

"علم اور دنیاوی اسباب کے سلسلے میں مجھ پر امام محمد سے زیادہ کسی اور کے احسانات نہیں" نیز فرماتے تھے کہ اگر مجھے امام محمد کی صحبت نصیب نہ ہوتی تو علم کے دروازے مجھ پر کبھی نہ کھلتے۔" فرماتے ہیں کہ میں نے اونٹ کے وزن کے برابر ان سے علم حاصل کیا۔ انہی احسانات کی بنیاد پر علامہ ابن عبدالبر مالکی فرماتے ہیں کہ ہر شافعی پر ضروری ہے کہ وہ امام محمد کا ممنون رہے اور انکی مغفرت کے لئے دعا کرے۔ (شذرات الذہب، سیر الصحابہ ج 8 ص 161)

دوران سبق امام مالک کی وفات کی خبر:

امام مالک کے شدت مرض کے بعد جب ان سے سماعت حدیث کی امید منقطع ہوگئی تو امام محمد کی درسگاہ کی تعداد اور زیادہ بڑھنے لگی۔ اسد بن فرات امام محمد کی درسگاہ کی کیفیت بیان کرتے ہیں: "ہم لوگ حضرت استاذ صاحب کی درسگاہ میں حاضر تھے اور ان کا حلقہ درس زوروں پر تھا کہ ایک شخص کودتا پھلانگتا امام محمد کی خدمت میں حاضر ہوا اور آہستہ سے کچھ کہا۔ قاصد کا پیغام سننے کے بعد امام صاحب نے باآواز بلند "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اور فرمایا افسوس! ہم پر وہ مصیبت ٹوٹ پڑی جس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں ہوسکتی۔ یہ الفاظ طلباء نے سنے تو ان پر سناٹا چھا گیا اور لوگوں پر حزن والم اور غم وصدمہ کی کیفیت طاری ہوگئی۔

جب کوئی طالب علم سوتا............

اسد بن فرات کا بیان ہے کہ امام محمد کی شفقت نے مجھے حصول علم اور کسب فیض کا

Marfat.com

بہترین موقعہ مرحمت فرمایا۔ استاذِ محترم صرف مجھے ہی خصوصیت سے نہیں پڑھایا کرتے تھے بلکہ دیگر طلباء کے ساتھ بھی ان کا یہی رویہ تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنے استاذ کے ہاں شب باشی شروع کی اور روزانہ رات کی وقت ان کے پاس چلا جایا کرتا تو میں دیکھتا جب حضرت رات کے وقت پڑھانے کیلئے اپنے بالا خانے سے نیچے تشریف لاتے تو ہاتھ میں ایک پانی کا پیالہ بھی ساتھ لاتے جو پانی سے لبالب بھرا ہوتا۔ درس وتدریس کے دوران جب رات زیادہ گزر جاتی اور میں اونگنے لگتا یا مجھ پر غنودگی طاری ہوتی تو وہ پیالے سے پانی کا چلو لیکر مجھ پر چھڑک دیتے، میں فوراً ہوشیار اور بیدار ہو جاتا، وہ دوبارہ پڑھانا شروع کر دیتے میں دوبارہ اونگھتا تو پھر وہ ایسا ہی کرتے، ایک عرصہ تک ہمارا یہی معمول رہا حتی کہ میں نے گوہر مقصود پالیا اور جو کچھ سیکھنا چاہتا تھا وہ سیکھ لیا۔ (معالم الایمان ج 3 ص 4)

امام شافعی نے جب یہ سنا کہ ان کے شاگرد امام احمد بن حنبل کو کوڑے لگائے گئے ہیں تو فرمایا کہ وہ قمیص مجھے لا دو جو کوڑے مارنے کے وقت آپ کے جسم مبارک پر تھی۔ امام احمد نے وہ قمیص بھجوادی تو ملا علی قاری لکھتے ہیں:

"فغسله الشافعي و شرب مآئه وهذا من اجل مناقبه"

امام شافعی نے اس قمیص کو دھویا اور اس کا پانی پی گئے۔

یاد رہے کہ امام احمد بن حنبل امام شافعی کے شاگرد تھے۔ (کشکول معرفت 76)

تھوڑے ہیں اس جہاں میں مگر ایسے بھی ہیں!

حضرت سعید بن مسیب کو پورے چالیس برس مسجد نبوی اور اپنے گھر کے راستے کے علاوہ کہیں اور نہیں دیکھا گیا۔ خلفائے بنوامیہ نے بہت لالچ دلائی، پیشکشیں کیں مگر حضرت نے ہر بار انکار کر دیا نتیجے میں آپ کو سزا بھی بھگتنی پڑی لیکن پھر بھی آپ اپنے مؤقف پر اٹل رہے۔ ان کے شاگرد ابو وداعہؒ بیان کرتے ہیں کہ اموی خلیفہ عبد الملک نے اپنے بیٹے ولید کی شادی کا رشتہ ان کی صاحبزادی کیلئے بھیجا اور گورنر مدینہ کے ذریعے پیغام پہنچایا کہ اگر وہ اپنی صاحبزادی کی شادی شہزادے ولید سے کر دیتے ہیں تو جو مال و دولت اور عزت چاہیں گے وہ انہیں عطا کیا جائے گا۔ حضرت سعید نے یہ سن کر منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ گورنر نے جاتے ہوئے پھر دھمکی دی مگر

Marfat.com

حضرت نے کوئی جواب نہ دیا۔

ابو وداعہ فرماتے ہیں کہ میں چند دن کلاس میں حاضر نہ ہو سکا۔ واپس آیا تو استادِ محترم نے دریافت فرمایا: ''ابو وداعہ! تم اتنے دن کہاں رہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اس کی تجہیز و تکفین اور پھر غم کی وجہ سے چند دن تک درسگاہ میں حاضر نہ ہو سکا۔ استاد محترم نے پوچھا۔ دوسرا نکاح کیا؟ میں نے عرض کیا حضرت! مجھ سے شادی کون کرے گا؟ میں تو بے حد غریب اور محتاج ہوں۔ یہ سن کر استاذ محترم نے اسی وقت درسگاہ میں خطبۂ نکاح پڑھایا اور اپنی بیٹی سے جس کا رشتہ خلیفہ وقت نے طلب کیا تھا میرے ساتھ عقد کر دیا۔ شام کو میں اپنے گھر چلا گیا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر خشک روٹی پانی میں بھگو کر کھا رہا تھا کہ دروازہ کھٹکا، میں نے پوچھا کون؟ جواب ملا سعید، سعید نام کے جتنے دوست تھے سب ذہن میں آئے مگر سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ کون ہیں؟ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میرے استاذ محترم سعید بن مسیب دروازے پر ہونگے کیونکہ وہ چالیس برس سے اپنے گھر اور مسجد نبوی کے سوا کہیں نہیں جاتے تھے۔ میں نے دروازہ کھولا تو حضرت استاذ محترم نے اپنی بیٹی کو اندر کرتے ہوئے فرمایا: میں نے سوچا تم اکیلے ہو، تکلیف ہو رہی ہو گی، تمہارے گھر والوں کو تمہارے تک پہنچانے آیا ہوں لو دروازہ بند کر لو' صبح کو میں تیار ہو کر باہر نکلنے لگا تو نو بیاہتا دلہن نے پوچھا: ''آپ کہاں جا رہے ہیں؟ میں نے کہا: ''اپنے استاد سعید کی درسگاہ میں'' کہنے لگیں رک جائیں! وہاں جانے کی ضرورت نہیں، اپنے استاذ کا سارا علم مجھ سے حاصل کر لو۔ (سیر التابعین 265)

ساری عبارت لکھوا دی

حضرت شیخ الہند مولنا محمود الحسن دیوبندی نے اپنے ایک شاگرد کو حکم دیا کہ بارش کی وجہ سے کتابوں میں نمی پیدا ہو گئی ہے دیمک لگنے کا خطرہ ہے کتابوں کو باہر دھوپ میں رکھ دو اور اگر کسی کتاب یا جلد میں خرابی ہو تو اس کو بھی چیک کر کے درستگی کر دینا، اس زمانے میں کتابیں مخطوط ہوا کرتی تھیں۔ شاگرد نے ایک کتاب نکالی اور کہنے لگا: ''حضرت! اس کتاب کے تو پانچ چھ صفحے دیمک چاٹ گیا ہے۔ اس کا کیا کیا جائے؟ حضرت نے فرمایا: ''اس جگہ اتنے ہی صفحے مزید لگا دو اور دھوپ میں سکھا دو۔ جب نئے صفحے بھی خشک ہو گئے تو شاگرد نے عرض کیا حضرت! اب کیا

Marfat.com

کروں؟ حضرت نے فرمایا: بھئی! جو عبارت موجود نہیں وہ اس جگہ لکھ دو۔ شاگرد نے عرض کیا: حضرت! میں نے تو یہ کتاب ایک سال قبل پڑھی تھی۔ اب تو زبانی یاد نہیں۔ حضرت نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اچھا ایک سال کا پڑھا ہوا سبق بھی زبانی یاد نہیں۔" بتاؤ کونسی کتاب ہے؟ شاگرد کہنے لگا: "میبذی" حضرت نے فرمایا کہاں سے عبارت منقطع ہوئی ہے؟ اس نے آخری لفظ بتا دیا تو حضرت نے آگے لکھنا شروع کیا اور اسی جگہ بیٹھے بیٹھے منقطع کتاب پوری لکھوا دی۔ (اساتذہ کے لئے تربیتی واقعات)

ایک عظیم استاد کا اپنے شاگرد کو پیغام

مولنا مناظر احسن گیلانی نے شیخ الاسلام مولنا شبیر احمد عثمانی سے دار العلوم دیو بند میں ابوداؤد شریف پڑھی تھی۔ مولنا گیلانی کا حضرت عثمانی سے کسی طرح کا ذاتی تعارف نہیں تھا۔ مولنا درسگاہ کے کسی ایک کونے میں بیٹھتے اور سبق سنتے تھے۔ ایک دن ان کے دوست جو دار العلوم کے فارغ اور نامی گرامی شخصیت تھے، مولنا کے پاس آئے اور کہنے لگے آج میں حضرت عثمانی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا مولنا نے مجھ سے کہا کہ دورۂ حدیث کے طالبعلموں میں مناظر احسن نامی جو طالب علم ہے ان تک میرا پیغام پہنچا دو کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ مولنا کو یہ پیغام سن کر مسرت بھی ہوئی اور حیرت بھی کہ دورۂ حدیث کے طالبعلموں کے حاضری رجسٹر میں مجھ فقیر کا نام بھی ہے جو حاضری کے وقت دوسرے ناموں کے ساتھ پکارا جاتا ہے اس سے زیادہ تو میرا حضرت سے کوئی تعارف نہیں، پھر خاکسار کو نام لیکر یاد فرمانا کیوں اور کیسے؟

صبح ہوتے ہی اپنے استاذ کا پتہ دریافت کرتے ہوئے ایک اور طالبعلم کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنے استاذ کو دیکھا کہ بہت خوش ہیں سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ استاذ محترم نے خود ہی سکوت توڑا اور فرمانے لگے: "دورہ حدیث کے سبق میں تم بھی آتے ہو اگرچہ زیادہ دن نہیں گزرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی آدمی کو کسی سے محبت ہو جائے تو اس کو مطلع کر دے اس حدیث پر عمل کرنے کیلئے میں نے آپ کو بلوایا تھا تا کہ آپ کو بتا کر اس حدیث پر عمل کر سکوں۔ (ایضا)

Marfat.com

تواضع سیکھنی ہے تو یہاں سے سیکھو!

مولنا رشید احمد گنگوہی نے چالیس سال تک حدیث کا درس دیا۔ آپ طلباء کیساتھ انتہائی شفقت ومحبت سے پیش آتے تھے۔ ایک مرتبہ طلباء کو سبق پڑھا رہے تھے کہ اچانک بارش شروع ہوگئی۔ طلباء نے فوراً اپنی اپنی کتابیں بغل میں لیں اور اپنے اپنے کمروں کیطرف بھاگے۔ طلباء کے جوتے وہیں رہ گئے۔ حضرت نے اپنا رومال بچھایا اور تمام طلباء کے جوتے اس رومال کے اندر رکھے گھٹڑی بنائی اور سر پر رکھ کمرے کی طرف چل دیئے، جب طلباء نے یہ منظر دیکھا تو سخت نادم وحیران ہوئے کہ حضرت یہ آپ نے کیا کیا؟ حضرت نے بڑی سادگی سے جواب دیا: ''جو لوگ قال اللہ وقال الرسول پڑھتے ہیں رشید احمد ان کے جوتے نہ اٹھائے تو اور کیا کرے؟ (ایضاً)

حضرت مولنا انور شاہ کشمیری درسگاہ میں ہنس مکھ رہتے تھے

مولنا مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں کہ ہمارے ایک رفیق درس تھے جن کا نام مولوی محمد عیسیٰ تھا شاید بھکر نامی قصبے کے رہنے والے تھے۔ بیچارے بڑے متین، سنجیدہ اور نیک آدمی تھے۔ درسگاہ میں استاذِ محترم مولنا انور شاہ کشمیری کے متصل شروع ہی سے انہوں نے اپنی جگہ بنالی تھی۔ وقت ہونے پر ٹھیک اپنی مقررہ جگہ پر آن پہنچتے، کسی دوسرے طالبعلم کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ ان کی جگہ پر قبضہ کرسکے۔ ہوتا یوں تھا کہ استاذِ محترم کسی خاص مسئلہ پر بڑی مدلل اور جامع تقریر فرما رہے ہوتے تھے۔ حافظ الدنیا، شیخ ابن ہمام، شمس الائمہ سرخسی، ابن نجیم کا ذکر ہو رہا ہوتا کہ اچانک استاذِ محترم مولوی محمد عیسیٰ کی جانب متبسمانہ لہجے میں مخاطب ہوتے اور ان کی طرف کچھ خطاب کر کے کچھ فرماتے۔ صحیح الفاظ تو یاد نہیں تاہم حاصل یہی ہوتا تھا کہ جو کچھ بیان کیا گیا مولوی محمد عیسیٰ صاحب سے اس کی تصدیق چاہتے تھے۔ بیچارے مولوی محمد عیسیٰ خاموش مسکرانے لگتے، سارا حلقہ اس وقت مسکراہٹ ہی مسکراہٹ بن جاتا۔ ''ہاں! مولوی محمد عیسیٰ صاحب اب آپ کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے۔'' یا تقریباً اسی طرح کا ان سے سوال کرتے۔ بظاہر مولوی محمد عیسیٰ کی طرف اشارہ کر کے تائید اور ازالہ ملال وکلام مقصود ہوتا تھا۔ شاید ہی درسگاہ میں کوئی دن ایسا گزرا ہو

Marfat.com

جسمیں طلباء کو خوش کرنے کا یہ واقعہ پیش نہ آتا ہو۔ معلوم نہیں ہمارے یہ رفیق درس آج کل کہاں ہیں؟ کس مشغلہ میں ہیں؟ اسی دنیا میں ہیں یا اپنے محبوب استاذ اور سلف صالحین کو جا ملے ہیں۔ اگر اسی دنیا میں موجود ہیں تو ان سے معافی کا خواستگار ہوں۔

حضرت مولنا محمد میاں صاحب ناظم جمعیت علماء ہند دہلی حضرت کشمیری کے طلباء کے ساتھ حسن سلوک کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں: ''ایشیائی اور مشرقی تہذیب استاذ کو باپ اور شاگرد کو اولاد کا درجہ دیتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب اس کا عملی نمونہ تھے۔ آپ کی بے پناہ شفقت ہر وقت طلباء کے استقبال کیلئے وقف رہتی تھی۔

آپ کا دروازہ ہر وقت طلباء کیلئے کھلا رہتا تھا حتی کہ بدشوق طلباء کو بھی آپ اپنی محنت و شفقت سے اپنا گرویدہ بنا لیتے تھے۔ (احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن ص 109)

بھائی شمس الدین ہی چلے گئے......!

حضرت مولانا انور کشمیریؒ نے بڑی لطیف طبیعت پائی تھی اور حضرت میں مزاح کا عنصر بھی موجود تھا۔ ایک دن عصر اور مغرب کے درمیان بخاری شریف کا درس دے رہے تھے کہ یکا یک کتاب بند کر دی اور کہا: ''بھائی شمس الدین ہی چلے گئے اب سبق میں کیا مزہ آئے گا چلو تم بھی چھٹی کرو''۔ سب طلباء حیران و پریشان کہ بھائی شمس الدین کون تھے اور وہ کب چلے گئے؟ حضرت نے طلباء کی حیرانی دیکھی تو سورج کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے۔ جاہلو! دیکھتے نہیں وہ بھائی شمس الدین رخصت ہو رہے ہیں، اندھیرے میں سبق پڑھ کر کیا کرو گے۔ اندھیرے میں تو سبق پڑھنے کا کوئی لطف نہیں آئے گا جاؤ چھٹی کرو۔

اپنے شاگرد پر تنقید کیوجہ سے حضرت کشمیری کا اظہار ناراضگی

مولنا سید احمد مالک کتب خانہ اعزازیہ دیوبند ایک واقعہ سناتے ہیں کہ جس سال ہماری بخاری و ترمذی استاذ محترم کے ذمہ تھی اس سال ایک عجیب اور مجہول سی شخصیت کے طالبعلم ہماری کلاس میں داخل ہوئے۔ یہ طالبعلم لگتے پنجاب کے تھا، میلے کچیلے کپڑے، پھٹا پرانا لباس غرضیکہ ان کے ہر پہلو سے ہی تعجب کی بو ٹپکتی تھی۔ یہ صرف درسگاہ میں ہی نظر آتے تھے۔ محنتی اور شوقین

Marfat.com

طلباء بھی کبھی کبھار اپنی ضروریات کیلئے بازار تشریف لے جاتے لیکن اس طالبعلم کو کبھی دارالعلوم کے کسی بازار میں نہیں دیکھا گیا۔ حد تو یہ ہے کہ دارالعلوم کے اجتماعات یا ہنگامی وقتی پروگراموں میں بھی اس کی شکل وصورت نظر نہ آتی۔ میلے کچیلے کپڑے جن پر جوئیں گشت کرتی رہتیں۔ طلباء اس کے قریب بیٹھنے یا اسے قریب بٹھانے سے بھی گریز کرتے تھے۔ اس کا معمول تھا کہ کھانے کے اوقات میں مٹی کا پیالہ لیئے ہوئے مطبخ کیطرف آتا کھانا لینے کے بعد وہیں بیٹھ کر کھا لیتا، اسی پیالے کو لیے موسری کے کنویں پر پہنچتا، پیالہ کھنگال کر اسی میں پانی پی لیتا اور پھر اپنے کمرے میں داخل ہو جاتا۔ ایک آدھ مرتبہ اس کے کمرے میں جھانک کر بھی دیکھا تو ایک بوریا اور ایک اینٹ جس سے وہ تکیے کا کام لیتا تھا۔ دیکھنے کو ملیں اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں تھی۔

ایک رفیق درس مولنا مفتی عتیق الرحمن نے ایک روز خلاف معمول اس طالبعلم کو دیکھا کہ اپنی مخصوص نشست چھوڑ کر ہمارے ساتھ والی نشست پر آبیٹھا۔ پھٹا پرانا لباس اس پر چلتی ہوئی جوئیں اپنی کوفت سے زیادہ یہ احساس تکلیف کا باعث بن رہا تھا کہ حضرت استاذ کو بھی اذیت ہوگی۔ ایک دفعہ یوں ہوا کہ حضرت استاذ صاحب تشریف لائے، سبق شروع ہوا، استاذ جی کی تقریر روانگی سے جاری تھی، حافظ ابن تیمیہ، ابن حجر عسقلانی، ابن ہمام اور بدرالدین عینی وغیرہ کے حوالے، بلند پایہ تحقیقات اور اس پر رد وقدح کے دوران حضرت استاد کی مسکراہٹ، میں نے یہ سمجھ کر کہ اس وقت استاذ محترم کی تمام تر توجہ مسئلے سلجھانے کیطرف ہے نہایت ہی خفی لہجہ میں اس طالبعلم سے کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی اتنے غلیظ ہو کر یہاں آن بیٹھے ہو۔ میں مطمئن تھا کہ میری آواز حضرت استاد صاحب کے کان تک نہیں پہنچی ہوگی۔ گردن اٹھا کر دیکھا تو استاذِ محترم صاحب کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں محسوس کیں۔ سبق کا انبساط ختم ہو گیا، استاذ محترم نے سبق قبل از وقت ختم کیا اور تشریف لے گئے۔ درسگاہ سے رخصت ہوتے ہوئے مجھے اشارے سے بلایا۔ جب میں حاضر خدمت ہوا تو محسوس کیا کہ آپ شدید ناگواری میں ہیں۔ فرمانے لگے: مولوی صاحب! آپ بہت نظیف ہیں کہ ایک غریب طالبعلم کی آپ نے دل شکنی کی۔ یہ تواضع کیخلاف اور کبر کی علامت ہے۔ آپ کو کیا معلوم جس طالبعلم کو آپ نے سخت سست کہا وہ واحد طالبعلم ہے جو میری تقریر کو مکمل سمجھ رہا ہے۔ جایئے اس سے معافی مانگیے۔'' بندہ نے

Marfat.com

حضرت استاذ کے اس حکم کی تعمیل کی لیکن یہ شبہ باقی رہا کہ حضرت نے اس طالبعلم کے متعلق جو الفاظ کہے ہیں کیا وہ واقعی سچ ہیں؟

ایک روز امتحان کی غرض سے اس طالبعلم کے کمرے میں پہنچا اور ایک اہم روایت کے متعلق دریافت کیا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے لفظ بہ لفظ استاد محترم کی تقریر سنی، حتی کہ تقریر میں الفاظ کی بھی تبدیلی نہیں تھی۔ (نقشِ دوام ص 95)

داغِ مفارقت...... پاؤں کو سینے سے چمٹالیا

جس وقت حضرت شیخ الہند اس سفر میں جانے لگے کہ جس میں اسیر ہو کر مالٹا جانے کی نوبت آئی تو مولنا انور شاہ کشمیری باوجود اس کے کہ ترمذی کا سبق پڑھانے کیلئے آکر بیٹھ گئے تھے، عبارت بھی پڑھ دی گئی تھی۔ حضرت کی جدائی کے غم میں کچھ نہ پڑھایا بلکہ تھوڑی دیر توقف فرما کر کتاب بند کر دی اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اس وقت چارپائی پر پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے۔ شاہ صاحب نہایت خاموشی کیساتھ بیٹھ گئے اور حضرت کی دونوں پنڈلیوں کو پکڑ کر سینے سے چمٹالیا۔

حضرت شیخ الہند نے بھی تکلف نہ فرمایا اور اپنے پاؤں یوں ہی رہنے دیئے۔

پھر فرمایا: ''شاہ صاحب آپ کو میری موجودگی میں ہی شبہات (سبق پڑھانے کے دوران) پیش آتے تھے میں نہ رہوں گا تو شبہات بھی پیش نہ آئیں گے، اگر آئیں گے بھی تو قدرت رہنمائی کرے گی۔ جاؤ! خدا کے سپرد، سبق پڑھاؤ۔'' (ایضاً)

ایک مہتمم کی طالبعلم سے معافی

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب حاجی محمد عابد صاحب دار العلوم دیوبند کے مہتمم تھے ایک طالبعلم کسی انتظام سے متعلق آپ سے خفا ہو گیا اور مقابلے میں برا بھلا کہا۔ حضرت حاجی صاحب خاموش ہو گئے۔ دوسرے وقت ڈومنی والی مسجد جہاں وہ طالبعلم رہتے تھے خود تشریف لے گئے اور اس طالبعلم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھے اور فرمایا کہ مولنا معاف فرما دیجئے، آپ نائب رسول ہیں آپ کا ناراض ہونا مجھے گوارا نہیں۔ (ارواحِ ثلاثہ 337)

Marfat.com

اتنا علم کہاں سے آیا؟

ایک شخص نے مولنا یعقوب صاحبؒ سے پوچھا کہ مولنا قاسم نانوتوی نے بھی وہی کتابیں پڑھیں جن کو سب پڑھتے تھے اور پڑھاتے تھے۔ پھر ان کے پاس اتنا علم کہاں سے آیا؟ مولنا یعقوب صاحبؒ نے جواب دیا: اس میں کئی چیزوں کو دخل ہے۔ ایک تو مولنا طبعی طور پر معتدل مزاج تھے اس لئے وہ نفس پر مکمل طور پر غالب تھے۔ دوسرا یہ کہ انہیں استاذ بڑے کامل ملے یعنی مولانا مملوک علیؒ جن کا علم و فضل مخفی نہیں۔ تیسری یہ بات کہ وہ متقی اعلیٰ درجے کے تھے۔ پھر ان میں استاد کا ادب بھی بہت تھا پھر انہیں پیر بھی کامل ملے تھے۔ (حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

شاگرد و استاد

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح شاگرد اس بات کے محتاج ہوتے ہیں کہ اساتذہ ان کو سبق پڑھائیں اسی طرح اساتذہ کی بھی یہی خواہش و ضرورت ہوتی ہے کہ شاگردان سے سبق پڑھیں اور ان کے علوم و معارف کو محفوظ کر کے ان کی اشاعت کریں۔ پھر شاگردوں میں سے جو لائق، ذہین اور ذکی طالبعلم ہوتے ہیں ان سے اشاعت علم کا جو فائدہ استاد کو حاصل ہوتا ہے وہ کسی غبی اور کند ذہن سے کم ہوتا ہے نیز ذکی اور ذہین طالبعلم جب استاد سے اہم مسائل دریافت کرتے ہیں تو استاذ کی نگاہ بہت سے دوسرے علوم کی طرف جاتی ہے اور وہ طالبعلم وسعت علم کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ گویا امام بخاریؒ نے اپنے قابلِ فخر شاگردی امام ترمذیؒ کے متعلق جو فرمایا تھا کہ:

"ما انتفعت به منک اکثر مما انتفعت منی"

اس سے بھی یہی مقصود ہوگا کہ آپ کیوجہ سے جو میرے علوم و معارف کی اشاعت ہوئی وہ واقعتاً آپ کے مجھ سے استفادہ کرنے سے کئی گنا بڑھ کر ہے۔

اگر بنظرِ عمیق جائزہ لیا جائے تو حقیت بھی یہی ہے کہ ذہین شاگردوں کو پڑھانے کیلئے استاد کو بہت مطالعہ اور محنت کرنی پڑتی ہے اور شاگردوں کو مطمئن کرنے کیلئے رات بھر کتاب گردانی کی ضرورت پیش آتی ہے جس سے استاد کے علم میں بہت اضافہ ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات بعض

Marfat.com

اساتذہ مطالعہ اور ورق گردانی کی ضرورت کے پیشِ نظر بعض اہم نکات تحریری شکل میں جمع کر کے محقق اور مصنف بھی بن جاتے ہیں۔

اعمش اور اعرج (نابینے اور لنگڑے) کا اجتماع

حضرت امام اعمش عظیم محدث، شیخ اور جید عالم دین گزرے ہیں۔ طبعاً ظریف تھے اور ظرافت میں بھی حقائق بیان کر دیتے تھے۔ ان کے پاس ایک شاگرد آئے جو پاؤں سے لنگڑے تھے جب کہ آپ آنکھوں سے اعمش (اندھے) تھے۔ امام اعمش نے نو وارد شاگرد سے فرمایا "تم آ کر ہمارے پاس ٹھہر گئے ہو ہم دونوں کے اجتماع پر لوگ استہزاء کریں گے کہ اعمش اور اعرج (نابینے اور لنگڑے) کا اجتماع ہو گیا ہے۔" شاگرد نے عرض کیا ہمیں ثواب ملے گا گناہ جھڑیں گے تو استاذ نے جواب دیا: ہمیں دین یہ نہیں سکھاتا کہ لوگوں کو گناہ میں مبتلا کریں اور خود ثواب کمائیں۔

تین جماعتیں

حضرت تھانوی ؒ فرماتے ہیں کہ علوم دینیہ کا جس طرح تعلیم و تعلم ضروری ہے اسی طرح اس تعلیم و تعلم کے سبب جن لوگوں کے ساتھ تعلقات ہوتے ہیں ان تعلقات کے حقوق ادا کرنا بھی ضروری ہیں اور یہ حقوق جس طرح فی نفسہا دلائل سے ضروری ہیں اسی طرح تجربہ سے ثابت ہوا کہ یہ برکات علمیہ کے موقوف علیہ ہونے کے اعتبار سے ضروری ہیں اور جن سے یہ تعلقات ہوتے ہیں وہ تین جماعتیں ہیں، معلمین، متعلمین اور شرکاء فی التعلیم (تحفۃ العلماء)

ایک عظیم استاذ...... اپنے شاگردوں کا خادم

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ سے منقول ہے کہ ہمارے شیخ واستاذ مولانا حسین علی صاحبؒ کی حیثیت ایک شفیق باپ اور ایک مہربان مربی کی سی تھی۔ وہ طلباء میں گھل مل کر رہتے تھے، ان کے ساتھ کھانا کھاتے اور ان سے خدمت لینے کی بجائے ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھتے تھے۔ اس ضمن میں شیخ کے اس معمول کا ذکر عام لوگوں کیلئے باعث حیرت ہوگا اور ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو اس کا یقین ہی نہ آئے لیکن حضرت شیخ کے تمام تلامذہ اور احباب گواہ ہیں کہ حضرت شیخ

Marfat.com

ہر روز جب کہ طلباء ابھی خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہوتے تھے طلباء کے لئے لوٹوں میں پانی بھر دیا کرتے تھے۔ طلباء فجر کی نماز کے لئے بیدار ہوتے تو انہیں وضو کے لئے لوٹے پانی سے بھرے ملتے تھے۔ شیخ القرآن فرماتے ہیں کہ ابتداء میں جب میں وہاں گیا اور کئی روز مجھے مسلسل مسجد کے لوٹوں میں پانی بھرا ہوا ملا تو مجھے سخت حیرت ہوئی۔ چنانچہ میں نے پہلے سے وہاں پڑھنے والے ایک طالبعلم سے پوچھا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ خدمت حضرت خود ہی انجام دیتے ہیں۔ چنانچہ دوسری شب میں نے اس بات کی تصدیق کا فیصلہ کیا اور ساری رات جاگ کر گزاری۔ آخر شب جب پانی کے برتنوں کی آوازیں آئیں تو میں دبے پاؤں اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ مسجد کی جانب گیا، وہاں دیکھتا ہوں کہ حضرت لوٹوں میں پانی بھر رہے ہیں میں نے ان سے ڈول لے کر خود پانی بھرنا چاہا لیکن استاذ محترم نہ مانے اور فرمانے لگے: "کیا تم نہیں چاہتے کہ جو لوگ خدا کا دین حاصل کرتے ہیں ان کی تھوڑی سی خدمت کر کے میں بھی کچھ ثواب حاصل کر لوں" حضرت مولانا حسین علی صاحب تکلفات کے بالکل قائل نہ تھے۔ جب کوئی آدمی مسئلہ پوچھنے آتا تو اس کے ساتھ سادگی اور بے تکلفی سے پیش آتے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ آپ اپنی کھیتی باڑی میں مشغول ہوتے کوئی تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچ جاتا تو اسے وہیں ریتلی زمین پر بٹھا دیتے اور تسلی بخش جواب دیتے۔ حضرت شیخ کے ایک مرید مولوی محمد شریف صاحب امرتسری کا بیان ہے کہ حضرت شیخ اپنی باجرہ کی فصل کی حفاظت کیلئے خود تشریف لے جاتے اور چڑیوں کو اونچی آواز سے اڑاتے۔ دوپہر کو قیلولہ کرنے کیلئے بھی کسی درخت کے نیچے زمین کے بنے پر سر رکھ کر لیٹ جاتے۔ کوئی یہ تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ یہ اتنے بڑے علم و فضل کے مالک بزرگ ہیں یا ایک عام دیہاتی کسان۔

اپنی رائے کے اظہار کا طریقہ

شیخ الحدیث مولنا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ بخاری کے سبق میں اپنی رائے بہت بیان فرمایا کرتے تھے۔ بخاری کا سبق پڑھاتے ہوئے طلباء کو بتاتے کہ ابن حجر کی یہ رائے ہے، قسطلانی کی یہ رائے ہے، ابن بطال کی یہ رائے ہے، ابن منیرؒ کی یہ رائے ہے اور آخر میں اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے: "اور کچھ خیال میں یوں بھی آتا ہے۔" (مجالسِ علم و ذکر ج 2 ص 113)

Marfat.com

مرغ اور حلوے بمقابلہ روٹی اور اچار

حضرت مولنا سید حسینؒ احمد مدنی سادگی اور بے تکلفی میں یکتائے روزگار تھے۔ شیخ طریقت اور عالم ربانی ہونے کے علاوہ حضرت مدنی کی ظاہری شخصیت ایک بڑے سیاسی رہنما کی تھی اور ہر سیاسی لیڈر مسلم ہو یا غیر مسلم حضرت کے آستانہ پر حاضری کو باعث فخر سمجھتا تھا۔ حضرت مدنی سنت نبوی کا بہترین نمونہ تھے۔ آپ سنت کے موافق چمڑے کا تکیہ استعمال کرتے تھے اور دسترخوان بھی چمڑے ہی کا ہوا کرتا تھا جس پر ہمیشہ ایک ہی سالن ہوتا تھا اور دائرے کی شکل میں کم ازکم دس بارہ آدمی دسترخوان کے گرد بیٹھ کر ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے تھے۔ انہیں کے ساتھ حضرت بھی شریک ہوتے تھے۔ صبح کو ناشتے میں باسی روٹی اور مرچ کا اچار ہوتا تھا، یہی حضرت اور تمام مہمانوں کا ناشتہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ کھانے والوں کو مخاطب کر کے فرمایا: "ہم آپ حضرات کے ہاں جاتے ہیں تو آپ مرغ اور حلوے کھلاتے ہیں اور یہاں باسی روٹی اور اچار مرغ سے زیادہ مزیدار ہیں۔ (اسلاف کے حیرت انگیز واقعات ص 98)

مفسرِ قرآن سامان اٹھالیتے ہیں

حضرت مولنا عبد الشکور صاحب شیخ الحدیث دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی ایک مرتبہ حضرت مولنا عبدالرحمٰن صاحب کیمبل پوری صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور کی معیت میں سہارنپور سے کیمبل پور آرہے تھے۔ ان کے ساتھ کچھ طلباء بھی تھے جو دورۂ تفسیر میں شرکت کیلئے حضرت مولنا احمد علی لاہوری صاحب کی خدمت میں پہنچنا چاہتے تھے۔ اتفاقاً مولنا احمد علی لاہوری صاحب بھی لاہور اسٹیشن پر اکابرین دیوبند کے استقبال کیلئے موجود تھے لیکن وہ اکابر متوقع گاڑی سے نہ پہنچ سکے اور مولنا عبد الشکور صاحب مولنا احمد علی لاہوری صاحب سے بالکل ناواقف تھے۔ اسی ناواقفیت کی بناء پر انہوں نے مولنا احمد علی صاحب سے درخواست کی کہ آپ ان طلباء کو شیرانوالہ گیٹ کی مسجد میں پہنچا دیں۔ حضرت لاہوری نے بغیر کسی حیل و حجت کے ان طلباء کا سامان اٹھایا اور مسجد شیرانوالہ پہنچا دیا۔ طلباء کو جب معلوم ہوا کہ سامان پہنچانے والے ہی شیخ التفسیر ہیں تو وہ بہت شرمندہ ہوئے۔ (خدام الدین لاہور جون 1964)

Marfat.com

طلباء کیساتھ تواضع اور عاجزی

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری طلباء کے ساتھ باپ کیطرح شفقت فرماتے تھے۔ان کی حوائج وضروریات کا خیال رکھتے تھے۔

مولانا محمد اسحاق صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت کی زندگی میں وہ تواضع اور طلبہ سے شفقت دیکھی جو کہیں اور بہت کم نظر آتی ہے۔ایک دفعہ حضرت کے پاس مدرسے کے چھوٹے طالبعلم کوئی درخواست لے کر آئے اور اس پر حضرت سے کوئی سفارش لکھوانا چاہتے تھے۔جب وہ طلباء کمرے میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ چارپائی پر تشریف فرماتے تھے۔حضرت نے آنے والے طلباء کو سامنے والی چارپائی پر بیٹھنے کا حکم دیا مگر طلباء نہیں بیٹھے تو حضرت خود بھی چارپائی سے نیچے اتر کر فرش پر بیٹھ گئے پھر طلباء سے شفقت آمیز لہجے میں مخاطب ہوئے اور فرمایا کیسے آنا ہوا؟ یہ حضرت کی ہمیشہ عادت تھی کہ جب بھی کوئی ان کے پاس آتا تو چارپائی سے اتر کر گفتگو فرماتے۔میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت ٹیک لگائے ہوئے کسی سے گفتگو فرمارہے ہوں یا کوئی نیچے بیٹھا ہوا اور حضرت اوپر چارپائی پر بیٹھے ہوں۔

شاگردوں سے پہلے خود کام کرتے

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے خلیفہ مجاز صوفی محمد اقبال صاحب تحریر فرماتے ہیں: تکلف اور تصنع اور عرفی جھوٹے وقار سے حضرت اقدس بہت دور تھے۔حضرت کا معمول تھا کہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور (جس کے حضرت شیخ الحدیث تھے) میں استنجاء کے ڈھیلوں کیلئے کچی اینٹیں اور حمام گرم کرنے کیلئے لکڑیوں کی گاڑیاں آیا کرتی تھیں۔حضرت نے دربان سے کہہ رکھا تھا کہ جب اینٹوں اور لکڑیوں کی گاڑی آئے تو اوپر درسگاہ میں مجھے اطلاع کر دیا کرو۔جب گاڑی کی اطلاع ملتی حضرت فوراً پہنچ جاتے۔حضرت کو وہاں دیکھ کر تمام درسگاہوں کے وہاں پہنچ جاتے اور حضرت کا ایک پھیرا بھی مشکل سے آتا تھا۔

(حضرت شیخ کا اتباع اور عشق رسول ص 62)

Marfat.com

استاد و شاگرد، دونوں رو پڑے۔

شیخ القرآء حضرت قاری رحیم بخش صاحب کہا کرتے تھے کہ میری یہ خواہش ہے کہ میرا کوئی شاگرد تدریس کی جگہ تبدیل نہ کرے بلکہ ایک ہی جگہ بیٹھ کر ساری عمر وہیں گزار دے تب وہ اپنی تدریس میں کامیاب ہوگا۔ چنانچہ قاری محمد رفیق صاحب کرنالوی آف جدہ اور ان کے ہم عصر ساتھی تدریس کے سلسلہ میں مکہ مکرمہ چلے گئے تو حضرت سخت ناراض ہوئے۔

ایک موقعہ پر قاری رفیق صاحب سعودیہ سے ملتان تشریف لائے اور گھر والوں سے ملکر واپس سعودیہ جا رہے تھے۔ استاذ کے ڈر کی وجہ سے ملاقات نہ کی۔ وہ ملتان اسٹیشن پر گاڑی کا انتظار فرما رہے تھے کہ اچانک استاذ محترم رکشہ پر سوار ہو کر اسٹیشن پر تشریف لائے اور خلاف معمول اپنے شاگرد کو علیحدگی میں ملے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور فرمایا: ''آپ لوگ مکی ہو اور مقدس سرزمین میں رہتے ہو، ہم سے اچھے ہو، مجھ سے غلطی ہوئی کہ آپ سے ناراض ہوا، خدارا مجھے معاف کردیجئے۔''

استاذ نے طالبعلم کی اصلاح کی خاطر ہاتھ جوڑ دیئے۔

شیخ القرآء قاری محمد رحیم بخش صاحب کے شاگرد رشید قاری محمد عظیم بخش صاحب زید مجدہ فرماتے ہیں:

''ڈیرہ غازی خان کا ایک طالبعلم ہمارے ساتھ پڑھتا تھا، ناظم مدرسہ نے ایک مرتبہ شکایت کی کہ یہ سینما دیکھتا ہے اول تو حضرت قاری صاحب کو یقین نہ آیا کہ میرا شاگرد اور سینما بینی؟ مگر ناظم صاحب رنگے ہاتھوں اسے ٹکٹ سمیت پکڑ لائے، ٹکٹ دیکھ کر حضرت کو بہت صدمہ ہوا، نگران کو حکم دیا کہ اسے اتنے ڈنڈے رسید کرو، کچھ عرصہ بعد پھر وہ طالبعلم اسی طرح پکڑا گیا پھر ڈنڈے لگوائے اور نگران کو ڈانٹا کہ تمہاری پہلی مار سے اسے کیوں اثر نہ ہوا۔ شاید اخلاص نہ تھا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد پھر وہ سینما دیکھتے پکڑا گیا، اب مارکٹائی کی بجائے آپ نے یہ کیا کہ دوپہر کو جب چھٹی ہوئی تو اسے اپنے پاس بٹھالیا اور ڈیسک پر زور سے ہاتھ مار کر طلباء کو خاموش کرایا اور پُر درد لہجے میں فرمانے لگے: میں شب و روز جو اس قدر محنت کر رہا ہوں

Marfat.com

صرف اس لئے کہ قرآن کا نور کسی طرح تمہارے سینے میں آ جائے مگر ایسی حرکتیں دیکھ کر دل کڑھنے لگتا ہے، سینما دنیا کی بدترین جگہ ہے۔ وہاں کسی قرآن کے طالبعلم کا کیا کام؟ پھر اس طالبعلم کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: دیکھو جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے آج تک کسی کے سامنے ہاتھ نہیں جوڑے، آج تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ رہا ہوں کہ خدارا اس حرکت سے باز آ جاؤ۔ یہ الفاظ سن کر بے اختیار اس طالبعلم کی چیخیں نکل گئیں۔ دوسرے طلباء سے بھی یہ منظر دیکھا نہ گیا اور سب بے اختیار رو پڑے۔

حضرت کی وفات کے دس بارہ برس بعد اتفاق سے رائیونڈ اجتماع پر اس ساتھی سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے مزاحاً پوچھا: بھائی سینما بینی کا شوق ابھی ہے یا ختم ہو گیا؟ اس کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور بولا: ''حضرت قاری صاحب جیسے اساتذہ دنیا میں اب کہاں ملتے ہیں جو ایک ہی نشست میں طالب علم کی کایا پلٹ دیں۔ جس دن استاذ محترم نے اس گناہگار کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے اس دن سے کبھی تہجد بھی فوت نہیں ہوئی۔ کبھی ڈیڑھ دو پارے اور کبھی تین پارے روزانہ تہجد میں پڑھتا ہوں۔ میں نے تو اس دن کے بعد کبھی ٹی وی پر بھی نظر نہیں ڈالی۔

بیٹا! معاف کر دو

حضرت مولنا محمد انعام الحسن کاندھلوی کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ مدرسہ کاشف العلوم دہلی کے ایک طالبعلم نے جلی ہوئی روٹی لینے سے انکار کر دیا اور روٹی پھینک دی۔ ناظم مطبخ نے حضرت کو شکایت کر دی۔ حضرت نے اس لڑکے کو طلب کیا اور ایک چپت رسید کی۔ لڑکا واپس ہوا تو دوبارہ اس کو بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا: بیٹا معاف کر دو! یہ منظر دیکھ کر تمام حاضرین کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

مفتی اعظم اور تواضع کی انتہاء

حضرت اقدس مفتی اعظم مولنا مفتی محمد شفیع صاحب (بانی دار العلوم کراچی) آخر عمر میں اکثر چارپائی پر آرام فرما ہوتے تھے اور اکثر اسی پر بیٹھ کر عوام وخواص کو مستفید فرماتے تھے۔ جمعرات کو اساتذہ کی خصوصی اصلاحی مجلس ہوتی تھی اس میں بھی باوجود ضعف ونقاہت اور سخت

Marfat.com

علالت کے چارپائی سے نیچے فرش پر تشریف فرما ہوتے اور بار بار فرماتے: "مجھے آپ حضرات کے سامنے اوپر بیٹھے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔" اساتذہ کرام اوپر ہی آرام فرمانے پر اصرار فرماتے مگر حضرت اسے قبول نہ کرتے تھے، اگر حالت بہت زیادہ خراب ہوتی اور نیچے آنے کی سکت نہ ہوتی تو چار پائی پر تشریف رکھتے ہوئے بار بار عذر فرماتے رہتے۔ بعض اوقات تو یہاں تک فرمادیتے کہ میں آپ سب حضرات کو خود سے بہتر سمجھتا ہوں اور آپ کو آنے سے نفع ہو یا نہ ہو مگر میں تو باطن میں ضرور نفع محسوس کرتا ہوں۔ حضرت اس اجتماع کی بے حد قدر فرماتے اور کبھی ناغہ نہ ہونے دیتے۔ اگر بولنے کی طاقت نہ ہوتی تو خاموش لیٹے رہتے مگر مجلس ضرور ہوتی۔ سب حضرات مجلس میں حاضر ہوتے اور دعا اور مصافحہ کر کے چلے جاتے۔ حضرت والا کبھی کبھی فرمادیتے کہ نفع باطنی کے لئے بولنا ضروری نہیں بغیر بولے بھی نفع ہو جاتا ہے۔

(البلاغ مفتی اعظم نمبر ص 400)

الوداعی تقریب میں معافی کا اہتمام

حضرت مولانا عبداللہ بہلوی دورہ تفسیر کی الوداعی تقریب میں کسی کوتاہی کی معافی ایسے منکسرانہ اور عاجزانہ انداز میں مانگتے تھے کہ بڑے سرکش اور شریر طلباء کی بھی دھاڑیں نکل جایا کرتی تھیں۔

حضرت اقدس بہت اونچی آواز سے روتے جب تک طلباء زور زور سے "معاف معاف" نہ کہتے آپ ہاتھ باندھ کر روتے رہتے۔

(انوار بہلویہ ص 23)

ایک استاذ کی طالب علم سے معافی

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی طلباء کے ساتھ انتہائی شفقت و محبت سے پیش آتے تھے ایک دفعہ ایک طالب علم نے ایک غیر مسلم کے "تیتر" پکڑ لیے اس نے آ کر ناراضگی کا اظہار کیا۔ حضرت نے اس کی موجودگی میں طالب علم کو بلا کر سخت سزا دی۔ بعد میں اس طالبعلم کو بلایا اور فرمانے لگے کہ معاف کر دو طالبعلم کہنے لگا کہ ہر گز معاف نہیں کروں گا

Marfat.com

اور اسی پر بضد رہا۔ بالآخر حضرت نے اپنی ٹوپی اتار کر اس کے قدموں پر رکھ دی اور آبدیدہ ہو کر فرمایا: "اس کی لاج رکھ لو اور معاف کر دو" طالب علم بہت شرمندہ ہوا اور معافی کے الفاظ کہہ دیے تب حضرت کو سکون ہوا۔

مہتمم اپنے طلباء کا خادم

حضرت قاری صاحب طلبہ کے آرام وراحت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ایک دفعہ سفر میں ایک طالب علم بیمار ہو گیا اور اس کو قے آ گئی، کپڑے خراب ہو گئے، حضرت کے ساتھ اور بھی کئی طلباء موجود تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم اپنے ساتھی کے کپڑے صاف کر دیتے ہیں مگر حضرت نے تمام طلباء کو منع فرما دیا اور یہ کام خود کیا۔

مدرسے کا ایک طالب علم بہت زیادہ زخمی تھا۔ زخموں نے اس کا جسم ایسا کر دیا تھا کہ اس کے کمرے کی جانب سے بھی طلباء نہیں گزرتے تھے مگر حضرت اس طالب علم کا بدن و بستر صاف کرتے حتی کہ بعض نابینا طلباء کے بدن و کپڑے بھی دھوتے اور ان کو نہلاتے دھلاتے بھی تھے۔

ایک زمانہ تک مدرسے کے لئے لکڑیاں جنگل سے آیا کرتی تھیں۔ چونکہ جنگل بہت دور تھا اس لئے ببول اور کھجور کے کانٹوں سے گزرتے ہوئے جانا پڑتا تھا۔ بسیار احتیاط کے باوجود بعض اوقات وہ کانٹے بہت بری طرح پاؤں میں چبھ جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک طالب علم کے پاؤں میں کھجور کا ایک لمبا اور مضبوط کانٹا چبھا اور ٹوٹ گیا۔ طلباء نے مقدور بھر کوشش کی مگر کانٹا نہ نکال سکے، طلباء کانٹا ہاتھ سے پکڑ کر باہر نکالنا چاہتا تھے مگر کانٹا کا بہت معمولی سا حصہ باہر تھا اس لئے وہ پکڑ میں نہیں آ رہا تھا۔ حضرت بھی ساتھ تھے جب آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا لاؤ میں نکال دوں۔ حضرت نے اس طالب علم کا پاؤں پکڑا اور اپنے منہ کی طرف لے گئے تاکہ دانتوں سے پکڑ کر کانٹا نکال سکیں۔ یہ دیکھ کر طلباء بے اختیار بول اٹھے کہ حضرت آپ چھوڑ دیں ہم نکال دیتے ہیں۔ مگر حضرت ان کے کہتے کہتے اپنے منہ سے طالب علم کے پاؤں سے کانٹا نکال دیا اور طلباء سے فرمایا:

"یہ حق مجھ ہی کو تھا کیونکہ یہاں میں ہی تمہارے لیے ماں باپ ہوں"

ایک دفعہ ایک طالب علم سخت بیمار ہوا حضرت اکیلے ہی اس کو لے کر باندہ تشریف لے گئے۔ رات کو حضرت نے یہ کیا کہ اس کو تو چارپائی پہ لٹا دیا اور خود نیچے لیٹ گئے اور اپنے ہاتھ سے

Marfat.com

ایک رسی باندھ کر اس کے پاس رکھدی اور فرمایا کہ اگر رات کو کوئی ضرورت پڑے تو رسی کھینچ دینا۔

مہتمم اور بیت الخلاؤں کی صفائی

حضرت مولنا زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو مجھے بیت الخلاء جانے کی حاجت پیش آئی۔ اٹھ کر بیت الخلا کی عمارت کی طرف گیا تو دور سے محسوس ہوا کہ کوئی بیت الخلا کی صفائی کر رہا ہے آگے بڑھ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت لنگی اور بنیان زیب تن کیئے ہوئے صفائی میں مشغول ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر نہ تو مجھے آگے بڑھنے کی ہمت ہوئی اور نہ ہی حاجت کا تقاضا رہا۔ چپ چاپ واپس ہو کر دیکھتا رہا۔ چنانچہ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت نے تمام بیت الخلاؤں کی صفائی کی، صفائی کا سامان ایک طرف رکھ کر کنویں کے پاس گئے۔ نہا کر کپڑے بدلے اور تہجد میں مشغول ہو گئے۔

ایک مرتبہ مطبخ کے نظم میں کچھ پریشانی ہوئی چنانچہ طلباء سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: ''دل کا حال تو خدا بہتر جانتا ہے کہ میں طلباء کے ساتھ کیا کچھ نہیں کرنا چاہتا ان کو کتنا اچھا کھلانا چاہتا ہوں لیکن کیا کروں جتنا ہوسکتا ہے اتنا کر رہا ہوں۔ پوری کوشش کے بعد بھی اگر انتظام صحیح نہیں اور کھانا اچھا نہیں ملتا تو سمجھ لو کہ اوپر ہی سے اس طرح کا فیصلہ ہوا ہے۔

جی چاہتا ہے تمہارے کپڑے دھوئیں!

حضرت مولنا عبداللطیف جہلمی نے اپنی زندگی اور جامعہ کے آخری جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے عزیز طلباء! تم اللہ اور اس کے رسولؐ کے مہمان ہو، ہمارا جی چاہتا ہے کہ تمہارے کمروں کی صفائی خود کریں، تمہارے برتن دھوئیں لیکن مدرسہ کی دوسری ذمہ داریاں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔'' اسی مجمع میں شہریوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''مجھے یہاں جہلم میں نصف صدی سے زائد عرصہ گزر چکا۔ کوئی ایک شخص کھڑا ہو کر بتا دے کہ عبداللطیف نے کبھی چندہ کی اپیل کی ہو لیکن تمہیں اس لیے بلا لیتے ہیں تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمیں پوچھا نہیں جاتا اور یہ بھی سمجھ لو دین تمہارا محتاج نہیں تم دین کے محتاج ہو۔

(ماہنامہ حق چار یار خصوصی نمبر ص 159)

Marfat.com

طلباء کی برکت

حضرت جہلمی طلباء کیساتھ انتہائی شفقت و محبت سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ دفتر کے سامنے کسی چھوٹے طالبعلم نے پاخانہ کر دیا۔ حضرت تشریف لائے تو پوچھا یہ پاخانہ کس نے کیا ہے؟ ناظم صاحب نے عرض کیا کہ کسی چھوٹے طالبعلم نے کیا ہوگا۔ فرمایا کہ اٹھایا کیوں نہیں؟ انہوں نے عرض کیا حضرت! جمعدار آئے گا تو اس سے اٹھوا دیں گے۔ حضرت نے غصے سے فرمایا: ''لاؤ میں اٹھاتا ہوں۔ تمہیں کیا معلوم طلباء کا مقام کیا ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہیں کہ فرشتے برکت کے حصول کیلئے ان کے پاؤں تلے نورانی پر بچھاتے ہیں۔''

ایک دفعہ ایک مہمان آئے تو حضرت نے ایک طالبعلم سے کہا کہ جاؤ کھانا لے آؤ، طالبعلم نے عرض کیا کہ کھانا تو ختم ہو چکا، فرمایا جو طالبعلموں کا بچا ہوا ہے وہ لے آؤ۔ وہ طالبعلم ذرا ہچکچایا کہ طلباء کے بچے ہوئے ٹکڑے مہمانوں کو لا کر دوں۔ حضرت نے اس کے احساسات کو سمجھتے ہوئے ذرا سختی سے فرمایا: ''طلباء کے بچے ہوئے ٹکڑوں میں جو برکت ہے وہ بڑے لذیذ اور اعلیٰ کھانوں میں بھی نہیں'' چنانچہ کئی دفعہ حضرت کو طلباء کے بچے ہوئے ٹکڑے کھاتے ہوئے دیکھا گیا۔ (ایضاً)

شیخ الحدیث اپنے طلباء سے معافی مانگتے ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب نے ختم بخاری شریف کے موقع پر شرکاء دورۂ حدیث سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اگرچہ میں عمر میں آپ سے بڑا ہوں لیکن مرتبہ میں چھوٹا ہوں۔ آپ طالبعلم ہیں میں تو دنیادار آدمی ہوں، بہت زیادہ احتیاط کرتا ہوں لیکن پھر بھی انسان ہوں، بشر ہوں خطا ہو جاتی ہے۔ سب سے پہلے میں کھلے دل سے آپ سے عرض کرتا ہوں کہ میری غلطیوں کو معاف کر دینا، اللہ تعالیٰ آپ کو بھی معاف فرمائیں گے اور آپ کی جانب سے جو غلطیاں میرے حق میں ہوئیں پس میں نے بھی ان کو کھلے دل سے معاف کر دیا اللہ تعالیٰ مجھے بھی معاف فرمادے۔

(البلاغ خصوصی نمبر)

Marfat.com

طلباء کی خدمت کا انوکھا واقعہ

حضرت مولنا نور احمد صاحب (ناظم اول جامعہ دار العلوم کراچی) کا واقعہ ہے کہ جب نانک واڑہ کی عمارت مدرسے کیلئے ملی جسے سکھ خالی کر کے گئے تھے اس وقت یہ عمارت انتہائی خستہ حالت اور ویران در و دیوار والی تھی، اس کے بیت الخلا غلاظتوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے مولنا (مولنا فضل محمد) کو دیکھا کہ منہ پر کپڑا باندھے ہوئے کچرے کے ایک بڑے ڈھیر پر جھاڑو دے رہے ہیں، نہ کوئی نوکر ساتھ ہے نہ طالبعلم۔ میں نے دیکھا کہ حضرت نے تقریباً دس بیت الخلاؤں کو جو غلاظتوں سے بھرے ہوئے تھے پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر صاف کیا۔ خدا کی قسم! میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اتنا بڑا عالم یہ کام کر رہا ہے۔

اپنا کام خود کرتے

جب سے علم کی اصل روح ماند پڑی۔ اخلاص، تقویٰ، للٰہیت اور دیانت و امانت نے اپنا بوریا بستر لپیٹ لیا۔ کام، خدمت اور استاذی کو ایک دوسرے کی ضد سمجھا جانے لگا۔ حضرت شیخ الحدیث مولنا عبدالحق خان اکوڑہ خٹک کا معمول تھا کہ انکے قریب پانی کا گھڑا رکھا ہوتا اور گلاس بھی پاس ہی ہوتا تھا۔ اگر آج کا کوئی استاذ ہوتا تو وہ اس گھڑے سے پانی نکالنے کا عمل علم اور استاذی کے منافی سمجھتا، اگر قریب کوئی نہیں تو دور نظر آنے والے طالبعلم کو بلاتا، اگر دور بھی کوئی نظر نہ آتا تو انتظار کرتا کہ کوئی طالبعلم آئے اور گھڑے سے پانی نکال دے مگر حضرت کی تواضع اور عاجزی پر قربان جائیں کہ ہزاروں شاگردوں کی موجودگی میں بھی خود ہی پانی تناول فرماتے۔ حضرت اپنے مویشیوں کو بھی اس نقطۂ نگاہ سے چارہ ڈالتے کہ یہ خدا کی مخلوق ہے اور اس کی خدمت میرا فرض ہے۔ (ماہنامہ الحق نمبر)

علمی خیانت سے احتراز

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ صاحب ایک دفعہ دورۂ حدیث کی درسگاہ میں سبق پڑھا رہے تھے۔ دوران تدریس حضرت کے ذہن میں ایک جگہ اعتراض پیدا ہوا مگر بسیار سوچ و بچار کے باوجود حل نہ ہوا۔ کوئی ہمارے جیسا ہوتا تو گول مول کر کے بات ٹال دیتا طلباء کو پتہ ہی نہ

Marfat.com

چلتا کیونکہ وہ تو پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ تو استاذ کا کام ہے کہ کہیں اشکال ابھرے تو اسے واضح کرے۔ وہ حضرات تو امین تھے اور یہ علمی خیانت ان سے ہو نہیں سکتی تھی چنانچہ حضرت نے طلباء کو برملا بتا دیا کہ اس مقام پر یہ اشکال وارد ہو رہا ہے مگر سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کافی دیر تک طلباء خاموش رہے، حضرت بار بار اسے پڑھتے، کبھی صفحے پلٹتے اور کبھی حاشیہ پڑھتے مگر بات سمجھ نہ آتی۔ حضرت نے فرمایا: مجھے تو بات سمجھ نہیں آ رہی میں فلاں مولنا صاحب سے پوچھ آتا ہوں تو ایک طالبعلم بھاگ کر گئے اور جا کر مولنا کو بتایا کہ حضرت آپ کے پاس اس مقصد کیلئے آ رہے ہیں۔ مولنا نے اپنی کتاب وہیں بند کی اور فوراً حضرت کے پاس پہنچے۔ حاضر ہو کر عرض کیا حضرت! آپ نے یاد فرمایا۔ فرمانے لگے، ہاں مولنا! یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی دیکھو اس کا کیا حل ہے؟ انہوں نے پڑھا، بات سمجھی اور یوں عرض کیا: ''جب میں آپ کے پاس پڑھتا تھا تو آپ نے ہمیں سبق پڑھاتے ہوئے اس مقام کو یوں حل فرمایا تھا۔''

(خطبات فقیر ج 3 ص 141)

فقیہ العصر اور فنائیت کی انتہاء

فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی کو عمل میں ترقی اور اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کی فکر اس قدر دامن گیر رہتی تھی کہ یہ مقصد جہاں سے بھی حاصل ہونے کا امکان ہوتا اس کی تحصیل میں منہمک رہتے حتی کہ اپنے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کو بھی یہ تاکید فرما رکھی تھی کہ

''میرے اندر کوئی علمی غلطی یا عملی کوتاہی نظر آئے تو بتایا کریں حتی کہ حضرت نے یہاں تک کہہ رکھا تھا کہ عام بول چال اور گفتگو میں بھی تلفظ کی کوئی غلطی یا رسم الخط کی کوئی غلطی دیکھیں تو وہ بھی ضرور بتلایا کریں۔ اسی طرح میرے اقوال، اعمال اور احوال کی طرف بھی خاص توجہ رکھا کریں کوئی بات ذرا سی بھی غلط نظر آئے تو بتانے سے گریز نہ کریں۔ اگر زبانی بتانے میں جھجک محسوس کریں تو لکھ کر دے دیا کریں۔

ایک بار طلباء کو اپنے اندر اصلاح علم و عمل کی طلب پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

’’قرآن وحدیث اور عقل وتجربہ سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ اصلاح کیلئے باہم گفت و شنید اور کہنے سننے کا سلسلہ جاری رکھنا نہایت ضروری ہے۔

شیخ القرآن کا نومسلم طالبعلم سے حسنِ سلوک

شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مولنا مسیح اللہ خاں صاحب کی یہ حالت تھی کہ طلباء کی بیماری کی خبر سنتے تو نہ صرف ان کی بیمار پرسی کرتے بلکہ اپنے ہاتھوں سے انکی خدمت کرتے تھے۔ایک نومسلم طالبعلم کی تمام ضروریات کی کفالت آپ نے اپنے ذمے لے رکھی تھی وہ طالبعلم کچھ عجیب طبیعت کا تھا۔جب اس کے جی میں آتا تو عین مجلس کے وقت حضرت کو ایسی فرمائش سناتا جس سے حاضرین مجلس گستاخی محسوس کرتے، ایک دفعہ کہنے لگا: حضرت! میرے جوتے ٹوٹ گئے ہیں وہ بنوا دیجئے۔‘‘ حضرت نے فرمایا: ابھی تو بنوا کر دیئے تھے۔تھوڑے سے ٹوٹے ہوں گے انہیں مرمت کروا دیتے ہیں۔وہ کہنے لگا: وہ باہر دھوپ میں رکھے ہیں آکر دیکھ لیجئے۔حضرت والا مجلس سے اٹھ کر باہر دھوپ میں تشریف لائے جہاں بہت سے جوتے رکھے تھے، چونکہ حضرت کو اس کے جوتوں کی پہچان نہیں تھی، اس لئے مختلف جوتے اٹھا اٹھا کر فرماتے رہے۔’’یہ ہیں تمہارے جوتے‘‘ اور وہ صاحب اندر ہی کھڑا بار بار انکار کرتا رہا۔بالآخر جب کافی دفعہ ایسا ہوا تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے اس سے کہا کہ تم سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ آگے بڑھ کر اپنا جوتا بتا دو۔تب اس نے اپنے جوتے دکھائے تو حضرت نے مرمت کیلئے پیسے دے دیئے۔کسی نے اس کے بارے میں حضرت سے عرض کیا کہ ایسی بے تکی باتیں کرتا رہتا ہے تو حضرت نے فرمایا:

’’حضرت تو سب لوگ کہتے ہیں، کوئی ایسا بھی تو ہو جس سے میں اپنا آپ سنبھالتا رہوں اور میری اصلاح ہوتی رہے‘‘۔(نقوشِ رفتگاں 365)

مفتی اعظم ایک ادنیٰ طالبعلم سے معافی مانگتے ہیں!

شیخ الاسلام مولانا مفتی نظام الدین شامزی محبت وشفقت کا حسین پیکر تھے۔ایک دفعہ مفتی صاحب جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں وفاق المدارس کے سالانہ امتحان میں

Marfat.com

نگران اعلیٰ مقرر ہوئے۔ پرچے شروع ہو گئے۔ ایک دن پرچے کے دوران کوئی طالبعلم کوئی بات پوچھنے کیلئے کھڑا ہو گیا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ کوئی استاد اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ سوال کرے۔ کھڑے کھڑے اس نے ایک دوسرے طالبعلم سے باتیں شروع کر دیں۔ امتحان ہال میں کسی دوسرے طالبعلم سے باتیں کرنا بہت سخت جرم تھا جبکہ وہ طالبعلم تو کھلم کھلا باتیں کر رہا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کو سخت غصہ آیا چنانچہ انہوں نے طالبعلم کے منہ پر ایک چپت رسید کر دی اس کے بعد فرمایا اب بتاؤ کونسی بات پوچھنی ہے؟ بات بتا کر طالبعلم کو بٹھا دیا۔ جب پرچے کا مقررہ وقت ختم ہوا تو آپ نے اس طالبعلم کو بلا کر اس سے معافی کی درخواست کی۔ طالبعلم کی غلط حرکت پر حضرت مفتی صاحب کا غصہ انتہاء کو پہنچ چکا تھا لیکن سخت غصے کی حالت میں بھی آپ کی شفقت غالب رہی اور آپ نے ایک ادنیٰ سے طالبعلم سے معافی مانگ لی۔

(اخبار المدارس خصوصی نمبر)

محرر مطبخ کو طالب علم سے تلخ کلامی پر نوکری کے لالے پڑ گئے

حضرت مولانا عاشق الٰہیؒ صاحب حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ مہاجر مدنی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ”ایک دفعہ میں حاضر تھا کہ محرر مطبخ کی جانب سے ایک طالب علم کی شکایت آئی جس کا خلاصہ تھا کہ طالب علم کو جلی روٹی ملی اور اس نے لینے سے انکار کر دیا نتیجتاً محرر مطبخ نے سختی سے جواب دیا اور کہا کہ لینی ہے تو لو ورنہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو میں اپنے حصے میں لگا لوں یا اس کا تاوان ادا کروں۔ حضرت یہ خبر سنتے ہی مطبخ میں آئے اور غصہ کیوجہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا میں ساتھ تھا اور دیکھ رہا تھا کہ حضرت کے بدن اور آواز دونوں میں رعشہ ہے۔ آپ نے محرر مطبخ سے واقعہ پوچھا۔ اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اسے توقع تھی کہ طلباء کا نظام قائم رکھنے کیلئے اس کی طرفداری کی جائے گی لیکن حضرت نے فرمایا: ”منشی جی سنو! مدرسہ انہی پردیسی و مسکین طلباء کے دم سے قائم ہے اور میں اور تم انہی کے طفیل روٹیاں کھا رہے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو مطبخ کی ضرورت رہے اور نہ ہی تمہاری حاجت، مدرسین بھی فارغ اور مدرسہ بھی خالی۔ یہ مسکین سہی محتاج سہی مگر مجھے اور تجھے روٹیاں یہی دے رہے ہیں۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تمہیں ترش کلامی کا کیا حق تھا اور تم کون تھے یہ کہنے والے کہ کتنے بہک گئے؟ میں ان کا باپ ابھی زندہ بیٹھا ہوں۔ اب اپنی

Marfat.com

روٹی اس کے حوالہ کردو اور آئندہ کیلئے خوب کان کھول کر سن لو کہ کسی طالبعلم کے ساتھ کبھی بھی تیز یا ترش برتاؤ کیا تو کان پکڑ کر مطبخ سے نکال دوں گا۔ ہاں کسی طالبعلم کی غلطی ہو تو مجھ سے کہو میں جو مناسب سزا سمجھوں گا دوں گا۔ مگر میں دوسروں کو نہیں دیکھ سکتا کہ وہ انہیں ترش نظر سے بھی دیکھیں تمہاری پہلی غلطی ہے اس لئے اس دفعہ تنبیہ پر اکتفاء کرتا ہوں آئندہ سے خیال رکھنا۔

(تذکرہ الخلیل ص 229)

اخلاص، تقویٰ اور للّٰہیت کے پیکر مجسم!

حضرت استاذ محترم قاری محمد اقبال صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جو اخلاص، تقویٰ اور للّٰہیت عطا کی ہے بلاشبہ وہ انہی کا خاصہ ہے۔ دین کی تڑپ ان کے روئیں روئیں میں بھری ہوئی ہے۔ حضرت استاذ محترم کو دن رات یہی امر گھائل کیئے جا رہا ہے کہ پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو جائے۔

خاص کر طلباء کے ساتھ تو استاذ محترم انتہائی شفقت و محبت سے پیش آتے ہیں۔ ایک عرصہ تک تو اس گناہگار کو بھی یہ شبہ تھا کہ استاذ محترم کی طبیعت بہت سخت ہے لیکن جب اس جھجک اور شرم کو ختم کر کے ان کے قریب ہونے کی کوشش کی تو ایسا معلوم ہوا جیسے میرے ماں باپ، بہن بھائی سب کچھ وہی ہیں۔ استاذِ محترم کے پاس جو طالبعلم بھی آیا تو وہ ایک ہیرا بن کر نکلا۔ ان کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ یہاں آنے والا کوئی طالبعلم بغیر تکمیلِ علم کے نہ جائے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ طلباء بھاگ کر یا چھوڑ کر چلے جاتے تو استاذ محترم بذات خود اس طالبعلم کے گھر تشریف لے جاتے اور اس کے گھر والوں کی منت سماجت کر کے اسے واپس اپنے ساتھ لے آتے۔

استاذ محترم کی عادت ہے کہ سال بھر میں دو یا تین دفعہ اپنے تمام تلامذہ کو اکٹھا کرتے ہیں اور انہیں اپنے نفس کی اصلاح اور خدمتِ دین کا سبق ذہن نشین کرواتے ہیں۔ اس کے علاوہ دین کی خدمت کے مختلف طریقوں اور اسلوب کو واضح کیا جاتا ہے کہ ہم کس طرح زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہر استاذ کے اندر حضرت استاذ محترم کی طرح تڑپ، فکر، لگن، اخلاص، تقویٰ اور للّٰہیت پیدا ہو جائے تو مدارس میں آنے والا کوئی طالب علم کبھی ضائع نہ ہو۔

Marfat.com

کم سنی میں خدمتِ قرآن!

استاذ محترم قاری محمد سہیل صاحب کو اللہ تعالیٰ نے کم سنی میں ہی دین کی خدمت کیلئے قبول فرمالیا تھا۔ یقیناً یہ استاذ محترم کی خوش قسمتی اور ان کی فکر، تڑپ اور لگن ہی کا نتیجہ تھا۔ ان کی دینی فکر اور کڑھن کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ جب استاذ محترم نے پڑھانے کا آغاز کیا تو ان کے پاس رہنے کیلئے کوئی کمرہ تھا اور نہ ہی قرآن وغیرہ رکھنے کیلئے کوئی تپائی۔ نیچے اینٹوں کو جوڑ کر اوپر مختلف قسم کی لکڑیوں کو ترتیب کے ساتھ رکھ کر تپائی کا کام لیا جاتا اور اس پر قرآن رکھ کر بچوں کو تعلیم دیتے۔ رہنے اور سونے کیلئے بھی کوئی کمرہ نہ تھا اور مدرسے کی کوئی چار دیواری بھی نہ تھی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ رات کو سوتے وقت کوئی آوارہ کتا اندر آجاتا اور استاذِ محترم کی چارپائی کے نیچے بیٹھ جاتا۔

استاذ محترم کے اندر ایک خاص صفت پائی جاتی تھی جو دوسرے اساتذہ کرام میں خال خال ہی نظر آتی ہے۔ وہ یہ کہ جمعرات کے دن چھٹی سے پہلے استاذ محترم تمام طلباء کو اکٹھا کر کے فرمایا کرتے کہ: بھائیو! پورا ہفتہ تمہیں پڑھایا، ہوسکتا ہے کسی کو ناجائز مار پڑی ہو یا کسی کی غلطی کم ہو اور اسے زیادہ چھڑیاں لگ گئی ہوں، اس لئے میں آپ سب سے معافی چاہتا ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کے دن میرا گریباں پکڑ لو، اس لئے میں آج ہی تم سے معافی مانگتا ہوں۔" اس سے آپ استاذ محترم کے اخلاص، تقویٰ، اور طلباء کے ساتھ حسنِ سلوک کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر آج بھی ایسے اساتذہ کرام پیدا ہو جائیں جو دین کی خدمت میں عظمت سمجھیں اور اپنی زندگیاں دین اسلام کیلئے وقف کر دیں تو بعید نہیں کہ ہمارا معاشرہ ایک اسلامی معاشرہ بن جائے جو اقوامِ عالم کیلئے قابل مثال ہی نہیں بلکہ قابلِ تقلید اور قابلِ عمل بھی ہو۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

مراجع و مآخذ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
1	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ
2	جامع الترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ
3	مقدمہ ابن خلدون	ابنِ خلدونؒ
4	مدارس کا نصاب و نظام	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ
5	دینی مدارس کا نصاب و نظام (نقد و نظر کے آئینہ میں)	مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ
6	دینی مدارس اور عصرِ حاضر	الشریعۃ اکادمی گوجرانوالہ
7	دینی مدارس	ابن الحسن عباسی
8	ہمارا نظامِ تعلیم، کیا ہوا؟	سید سلیمان ندوی
9	اسلامی نظامِ تعلیم	مولانا ریاست علی ندوی
10	مثالی استاد	محمد حنیف عبدالمجید
11	مثالی شاگرد	ابوسجاد صدیق احمد سرحدی
12	اساتذہ کیلئے تربیتی واقعات	مولانا روح اللہ نقشبندی
13	طلباء کیلئے تربیتی واقعات	ناصر درویش
14	طلباء کیلئے تربیتی واقعات	مولانا روح اللہ نقشبندی
15	مطالعہ کی اہمیت	مولانا روح اللہ نقشبندی
16	برصغیر میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت	مولانا مناظر احسن گیلانی

Marfat.com

17	تعلیمی نفسیات اور نصاب	ملک محمد موسیٰ
18	علم التعلیم (برائے: بی۔اے)	
19	ایجوکیشن (جدید اور قدیم نصاب)	
20	احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن	مولانا مناظر احسن گیلانی
21	دینی مدارس	انور غازی
22	سیر الصحابہ	
23	کشکول معرفت	
24	سیر التابعین	
25	راہنمائے اساتذہ	
26	تعلیم اور جدید تہذیبی چیلنج	ڈاکٹر خالد علوی
27	احیاء العلوم	امام غزالیؒ
28	علیم التعلیم (برائے بی۔ایڈ)	
29	نقشِ دوام	
30	معالم الایمان	
31	ارواح ثلاثہ	
32	اصلاح قلوب	
33	مجالس علم وذکر	
34	اسلاف کے حیرت انگیز واقعات	
35	شیخ کا اتباع اور عشقِ رسول	

Marfat.com

36	اہل علم کی زندگی	
37	سوانح فتحیہ	
38	خطباتِ فقیر	
39	تذکرہ الخلیل	
40	روزنامہ جنگ (جمعہ ایڈیشن)	
41	تذکرۃ السامع والمتکلم فی آداب العالم والمتعلم	
42	تحفہ اساتذہ کرام	
43	تحفۃ الطلباء والعلماء	
44	اساتذہ کرام کے آداب وحقوق	
45	آداب المعلمین	مولانا قاری صدیق صاحب باندوی
46	تعلیم المتعلم فی طریق التعلیم	علامہ زرنوجی
47	جامع بیان العلم وفضلہ	علامہ ابن عبد البرؒ
48	تحفۃ العلماء	
49	روزنامہ اسلام (ہفتہ وار ایڈیشن)	
50	اخبار المدارس	

Marfat.com

دینی مدارس کا نظامِ تعلیم
اور جدید تعلیمی انقلاب

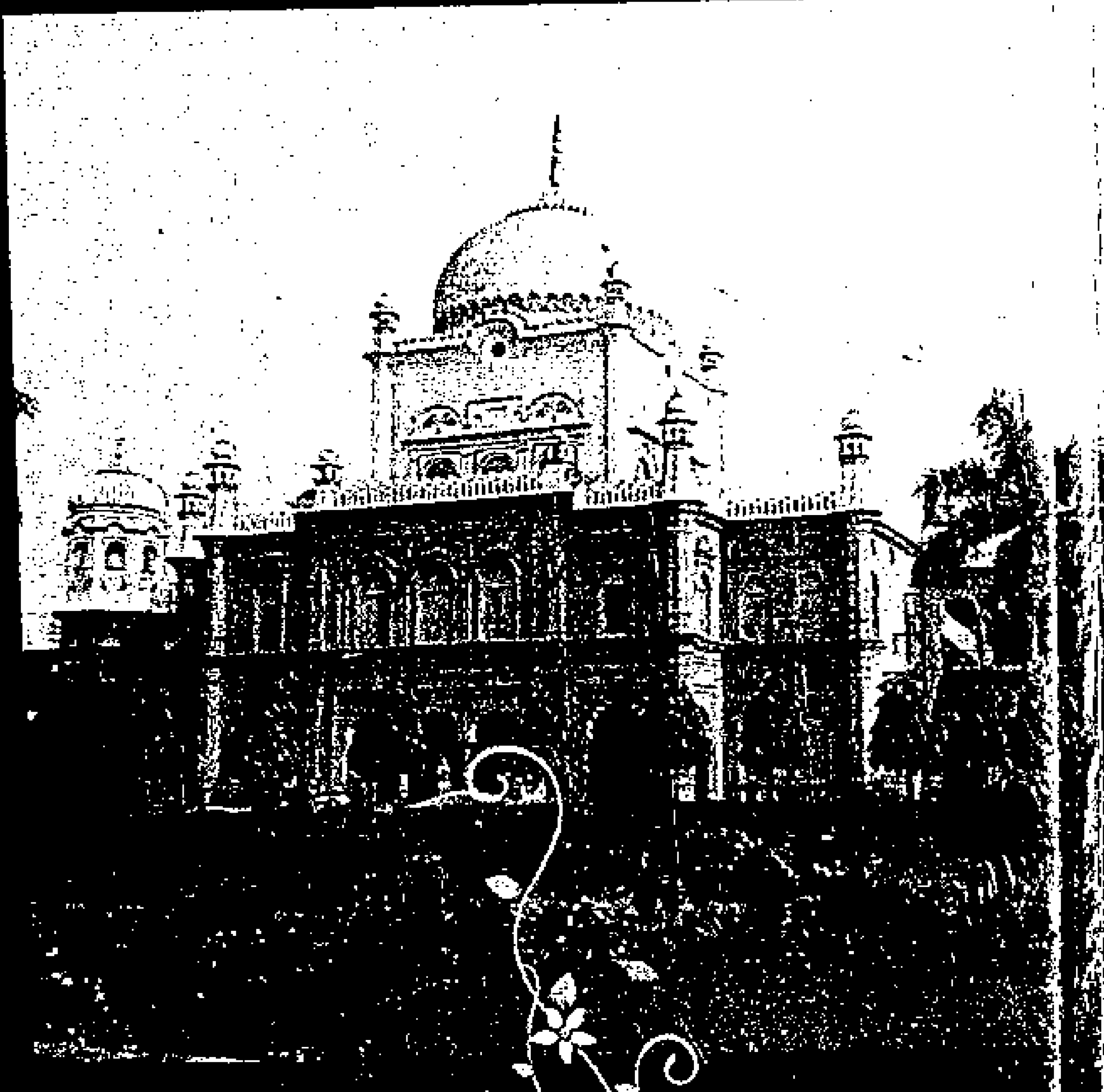

تالیف:
محمد عرفان ندیم

المشرق

Marfat.com